تفسیر نور الثقلین

تفسیر نور الثقلین

جلد چہارم

مفسّر

محدّثِ جلیل العلّامۃ النخبیر الشیخ عبدِ علی الحویزی

مترجم

حجۃُ الاِسلام علّامہ محمّد حسن جعفری

نظرِ ثانی

حجۃُ الاِسلام علّامہ ریاض حسین جعفری فاضلِ قم

عباس بک ایجنسی درگاہ حضرت عباسؑ، رستم نگر لکھنؤ

موبائل:9415102990, 9369444864

نام کتاب : تفسیر نور الثقلین (جلد چہارم)

مفسر : محدث عبد علی بن جمعۃ العروسی الحویزی

مترجم : حجۃ الاسلام علامہ محمد حسن جعفری

نظر ثانی : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری

پروف ریڈنگ : غلام حیدر چودھری

اشاعت : فروری ۲۰۱۱ء

ناشر : طٰہٰ پبلشنگ سینٹر

ہدیہ : ۳۰۰ روپے

بصد شکریہ : ادارہ منہاج الصالحین

ملنے کا پتہ

ایسے لوگوں کا نامۂ اعمال کھلا رہتا ہے

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی اولاد اُن کی زندگی میں خدمت بجالا کر اُن کی دعائیں لیتی ہے' اور وہ اپنے اس عملِ خیر سے مقربِ خدا ٹھہرتے ہیں۔ ایسے والدین کی تو آخرت سنور جاتی ہے جن کے مرنے کے بعد اُن کی نیک سیرت اولاد اپنے مرحومین کو فراموش نہیں کرتی' بلکہ اُن کی اَرواح کو شاد کرنے کے لیے پیچھے سے اُن کے لیے آخرت کا زادِ راہ بھیجتی رہتی ہے۔

اس کی ایک مثال نارووالی شیخ برادری کے عظیم سپوت جناب الحاج شیخ کامران مہدی صاحب دامت توفیقاتہٗ ہیں کہ جنھوں نے بالخصوص اپنے والد مرحوم و مغفور شیخ مبارک علی صاحب لڈواں والے اور اپنی والدہ مرحومہ ثریا بیگم صاحبہ اور بالعموم اپنے خاندان کے مستحق مرحومین و مرحومات کے ایصالِ ثواب کے لیے جو مذہبی و عملی اقدامات اُٹھائے اُن میں قرآن خوانی' ترحیمی مجالس عزاء اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ اس کتاب کی اشاعت کا مکمل ذمہ لیا ہے' پروردگار! بحق محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے صدقہ میں اِن کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے اور ان کے مرحومین کو آلِ اطہارؑ کے قرب میں جگہ نصیب فرمائے۔

قارئین کرام سے شیخ کامران مہدی صاحب کے مرحومین کے لیے سورۂ فاتحہ اور سورہ اخلاص کی تلاوت اور بلندیٔ درجات کے لیے دُعا کی استدعا ہے۔

ریاض حسین جعفری

سربراہ ادارہ منہاج الصالحین

فہرست

سورہ توبہ

سورہ یوسف کی فضیلت

سورہ الرعد

سورہ ابراہیم

سورہ حجر

OOO

سُورَۃُ التَّوبَۃِ

سورة التوبة مدينة اياتها ۱۲۹ رکوعاتها ۱۶

''سورہ توبہ بلحاظ نزول مدنی سورہ ہے اور اس کی

آیات ایک سو انتیس ہیں

اور اس کے سولہ رکوع ہیں''

سورہ توبہ

اس سورہ کو سورہ توبہ، سورہ برأت اور سورہ فاضحہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس سورہ کو سورہ برأت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے آغاز میں مشرکین سے برأت کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس سورہ کو سورہ "فاضحہ" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورہ میں منافقین کو بے نقاب کیا گیا ہے اور انھیں خوب ذلیل کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس فضیحت کی بنا پر اس سورہ کو سورہ فاضحہ بھی کہا جاتا ہے۔

اس سورت کی ابتداء میں بسملہ نہیں ہے اور بسملہ نہ ہونے کی دو وجوہات بیان کی گئی ہیں: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ سورہ دراصل مستقل سورہ نہیں ہے۔ یہ اصل میں سورہ الانفال کا ہی حصہ ہے اور دونوں کے مضامین بھی مشترک ہیں اسی لیے اس کی ابتداء میں بسملہ نہیں لکھی جاتی۔

جب کہ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ سورت جلالِ خداوندی کی مظہر ہے اور یہ سورت کفار و مشرکین کے لیے تباہی و بربادی کا پیغام لے کر آئی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی ابتداء میں اپنی شان رحمانی و رحیمی کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ اس سورہ کے ذریعہ سے اللہ نے عذاب کا ذکر کیا ہے اسی لیے اس کی ابتداء میں اپنے آپ کو رحمٰن و رحیم کہلانا پسند نہیں کیا۔

حقیر کی ناقص رائے میں پہلی وجہ درست ہے کیونکہ سورہ فیل اور سورہ لہب بھی ایسی سورتیں ہیں جن میں اللہ کی رحمت کا کہیں تذکرہ موجود نہیں ہے مگر اس کے باوجود ان کی ابتداء میں بسملہ موجود ہے۔ جب کہ سورہ توبہ میں رحمت کی بھی بہت سی آیات موجود ہیں۔

اس سورہ کے مرکزی مضامین حسب ذیل ہیں: ۱- مشرکین و اہلِ کتاب کے ساتھ جہاد ۲- منافقین کے کردار کی نشاندہی ۳- جہاد کی ترغیب ۴- جہاد سے کنارہ کشی کرنے والوں کے حیلے بہانے ۵- کفار و مشرکین سے دوستی کی ممانعت

۶-آیاتِ زکوٰۃ اور درج بالا مضامین کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے البتہ کفار ومشرکین سے جہاد اس سورہ کا مرکزی مضمون ہے۔اس سورہ کے فضائل کی احادیث وہی ہیں جنھیں ہم نے سورہ الانفال کی ابتدا میں نقل کیا ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى

يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
يَعْلَمُوْنَ ۟﴿۶﴾ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ
رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا
اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷﴾ كَيْفَ
وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ
بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ اِشْتَرَوْا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِنْ
نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا
اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا
تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ
بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ

وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ع

''اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان مشرکین کے لیے اعلان برأت ہے جن سے تم نے معاہدے کیے تھے۔ تم زمین پر چار مہینے اور چل پھر لو اور تم یہ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہ کرسکو گے اور یقیناً اللہ کافروں کو رُسوا کرنے والا ہے۔

حج اکبر کے دن تمام لوگوں کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بیزار ہیں۔ اگر تم لوگ توبہ کرلو تو تمھارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم نے منہ موڑا تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہ کرسکو گے اور کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت دو۔ البتہ اس سے وہ مشرک مستثنٰی ہیں جن سے تم نے معاہدے کیے ہیں پھر انھوں نے معاہدہ پورا کرنے میں کسی کمی کا مظاہرہ نہیں کیا اور تمھارے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کی تو ایسے لوگوں کے ساتھ مدت معاہدہ تک معاہدہ وفائی کرو۔ یقیناً اللہ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔

جب حُرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ وہاں قتل کر دو۔ انھیں پکڑو اور ان کا گھیراؤ کرو اور ہر گھات میں ان کی تلاش میں بیٹھ جاؤ۔ پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگ جائیں تو انھیں چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

اور اگر کوئی مشرک کلامِ خدا سننے کے لیے آپؐ سے پناہ مانگ کر آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ اسے پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کے پُرامن مقام تک پہنچاؤ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نہ جاننے والے لوگ ہیں۔

ان مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد آخر کیسے ہوسکتا ہے ماسوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد الحرام کے پاس معاہدہ کیا تھا تو جب تک وہ تمھارے ساتھ معاہدہ کے تحت سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو یقیناً اللہ اہلِ تقویٰ سے محبت کرتا ہے۔

ان کے ساتھ بھلا معاہدہ ہی کیسا کہ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو پھر تمھارے متعلق نہ کسی قرابت کا خیال رکھیں گے اور نہ کسی معاہدہ کو دھیان میں لائیں گے۔ وہ لوگ اپنی زبانوں سے تمھیں راضی کر رہے ہیں مگر ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان کی اکثریت بدکاروں پر مشتمل ہے۔

انھوں نے اللہ کی آیات کے عوض تھوڑی سی قیمت قبول کرلی ہے اور انھوں نے اللہ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی ہیں۔ یہ بہت برے کام سرانجام دیتے رہے ہیں۔ یہ (اتنے سنگدل ہیں کہ) کسی مومن کے متعلق نہ تو قرابت کا لحاظ رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی معاہدہ کا دھیان رکھتے ہیں اور یہی لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔

پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگ جائیں تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں اور جاننے والوں کے لیے ہم آیات کو واضح کرتے ہیں اور اگر عہد کرنے کے بعد وہ اپنی قَسموں کو توڑ دیں اور تمھارے دین پر اعتراض کریں تو کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو۔ ان کی قَسموں کی کوئی اہمیت نہیں ہے شاید کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔

کیا تم ان لوگوں سے نہ لڑو گے جنھوں نے اپنی قَسموں کو توڑ دیا ہے اور جنھوں نے رسول کو

وطن سے نکالنے کا قصد کیا تھا اور تم سے زیادتی کی ابتداء بھی انھی کی طرف سے ہوئی ہے۔
کیا تم ان سے خوف زدہ ہو؟ اور اگر تم مومن ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ ان سے جنگ کرو۔ اللہ تمھارے ہاتھوں ان کو عذاب دے گا اور خدا انھیں رُسوا کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمھاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو ٹھنڈک عطا کرے گا اور ان کے دلوں کا غصہ ختم کردے گا۔ خدا جسے چاہتا ہے توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے۔ اللہ صاحبِ علم اور صاحبِ حکمت ہے۔
اور کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تمھیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ اللہ نے ابھی تو یہ بھی نہیں دیکھا کہ تم میں سے اس کی راہ میں جہاد کرنے والے کون ہیں اور وہ مجاہد کون ہیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے علاوہ کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔ اللہ کو تمھارے تمام اعمال کی پوری خبر ہے"۔

سورہ توبہ میں بسملہ کیوں نہیں ہے؟

تفسیر مجمع البیان میں اس سوال کے دو جواب مرقوم ہیں:
۱- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا کہ سورہ انفال اور سورہ توبہ دراصل ایک ہی سورہ ہے۔ اسی لیے درمیان میں بسملہ نہیں لکھی گئی۔
۲- بسملہ امان اور رحمت کی علامت ہے جب کہ سورہ توبہ امان ختم کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔
سورہ کی ابتدا اِن الفاظ سے کی گئی کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کے لیے اعلان برأت ہے جن سے تم نے معاہدے کیے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ نبی سے پیمان شکنی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حسب ذیل تین وجوہات میں سے کسی ایک وجہ کے تحت معاہدہ کو فسخ کیا جاسکتا ہے:
۱- معاہدہ میں پہلے سے یہ شرط رکھی جائے کہ یہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک خدا اس کی منسوخی کا حکم صادر نہ کرے۔ ۲- پیمان شکنی کی ابتداء خود مشرکین کی طرف سے ہو۔ ۳- معاہدہ ایک مخصوص عرصہ کے لیے ہو۔ جب وہ عرصہ ختم

ہوجائے تو معاہدہ خود بخود فسخ ہوجاتا ہے۔

روایات میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدے کے وقت پہلی شرط رکھی تھی۔ علاوہ ازیں مشرکین اپنے طرزِ عمل سے اس معاہدہ کو توڑ چکے تھے۔ اب ان کی طرف سے صرف رسمی اعلان کی ہی ضرورت باقی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاہدہ فسخ کرنے کا حکم دیا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فتح مکہ ۸ ہجری میں ہوئی۔ سورہ برأت ۹ ہجری میں نازل ہوئی اور حجۃ الوداع ۱۰ ہجری میں ہوئی۔

صادقین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار سے منقول ہے کہ سورہ انفال اور توبہ ایک ہی سورت ہیں۔

سورہ برأت کی آیات کی تبلیغ حضرت علیؑ نے کی تھی

کتاب الخصال میں حارث بن ثعلبہ سے منقول ہے کہ میں نے سعد بن ابی وقاص سے کہا: کیا تو نے علیؑ کے کچھ فضائل کا مشاہدہ کیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں نے علیؑ کے پانچ مناقب کا مشاہدہ کیا اور علیؑ کے پانچویں فضائل اتنے قیمتی ہیں کہ اگر ان میں سے مجھے ایک فضیلت بھی حاصل ہوتی تو وہ مجھے سرخ اُونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہوتی۔ حضرت علی علیہ السلام کی پانچویں فضیلت یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو سورہ برأت کی آیات دے کر روانہ کیا تھا۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو روانہ کیا اور انھوں نے اس سے وہ آیات لے لی تھیں۔ حضرت ابوبکر نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے متعلق آسمان سے کوئی حکم نازل ہوا ہے؟

نبی اکرمؐ نے فرمایا: نہیں، بات یہ ہے کہ میری طرف سے وہ پیغام پہنچا سکتا ہے جو مجھ سے ہو۔

حضرت علی علیہ السلام نے روزِ شوریٰ اپنے استحقاقِ خلافت کے لیے احتجاج کیا تھا اور اس کے دوران آپؑ نے یہ بھی فرمایا: تمھیں خدا کا واسطہ دے کر میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ جب سورہ برأت نازل ہوئی تھی تو رسول اکرمؐ نے اس کی آیات حضرت ابوبکر کے سپرد کر کے فرمایا تھا کہ تم مکہ پہنچ کر ان آیات کی تبلیغ کرو۔ اس کے بعد جبریل امینؑ نازل ہوئے اور انھوں نے آپؐ سے کہا: محمدؐ! آیات کی تبلیغ کے لیے یا تو آپؐ خود جائیں یا اس مرد کو بھیجیں جو آپؐ میں سے ہو۔

رسولؐ خدا نے مجھے حضرت ابوبکر کے پیچھے روانہ کیا۔ میں نے مکہ پہنچ کر حج کے اجتماعِ عام میں رسولؐ خدا کا یہ پیغام پہنچایا تھا لہٰذا میں ہی رسولؐ خدا سے "مقامِ منیت" رکھتا ہوں۔ اگر میرے علاوہ کسی دوسرے کو یہ شرف ملا ہو تو وہ بیان کرے۔

حاضرین نے کہا: نہیں یہ شرف آپؑ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

کتاب الخصال کے باب ''مناقب امیرالمومنین وتعدادھا'' میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی پچاسویں فضیلت یہ ہے کہ رسولؐ خدا نے سورہ برأت کی آیات حضرت ابوبکر کے حوالے کی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد جبریل امینؑ نازل ہوئے اور انھوں نے آپ کو خدا کا یہ پیغام پہنچایا: ''آپ اپنے پیغام کو یا تو خود پہنچائیں یا اسے روانہ کریں جو آپ میں سے ہو''۔

حضرت علی علیہ السلام اپنی زبانی فرماتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے مجھے اپنی ناقہ ''عضباء'' پر سوار کیا۔ میں نے ''مقام ذی الحلیفہ'' پر ان سے ملاقات کی اور ان سے وہ آیات لے لیں اور مکہ پہنچ کر ان کی تبلیغ کی۔ اس فضیلت کے لیے خدا نے مجھے مخصوص کیا ہے۔

ایک یہودی عالم نے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا: نبی کے اوصیاء کی نبی کی زندگی اور نبی کی وفات کے بعد آزمائش ہوتی ہے کیا اللہ نے آپ کی بھی آزمائش کی ہے؟

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: نبی اکرمؐ کی حیات طیبہ میں خدا نے میری سات مرتبہ آزمائش کی تھی اور خدا نے تمام مقامات پر مجھے کامیاب وکامران پایا۔

یہودی عالم نے کہا: امیرالمومنین! آپ وہ سات مواقع بیان کریں۔

اس کے جواب میں آپؑ نے تمام مواقع کا تذکرہ کیا اور آخر میں فرمایا: رسولؐ خدا فتح مکہ سے پہلے مشرکین مکہ پر اتمام حجت کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ان کے نام ایک خط لکھا جس میں انھیں خدا کی نافرمانی سے متنبہ کیا اور یہ بھی لکھا کہ اگر انھوں نے اسلام قبول کرلیا تو ان کی سابقہ غلطیاں بھی معاف کردی جائیں گی اور خط کے آخر میں سورہ برأت کی آیات بھی نقل فرمائیں۔

جب آپؐ خط لکھ کر فارغ ہوئے تو آپؐ نے اپنے تمام صحابہ سے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو میرا یہ خط مکہ لے جائے اور اہل مکہ کے سامنے اسے پڑھ کر سنائے۔ حضرتؐ کا یہ اعلان سن کر ہر ایک پہلوتہی کرنے لگ گیا۔ جب آپؐ نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو اپنے صحابہ میں سے ایک شخص کا انتخاب کیا اور اسے مکہ کی جانب روانہ کیا۔ اس کے جانے کے بعد جبریل امینؑ آنحضرتؐ کی خدمت میں نازل ہوئے اور انھوں نے آپ کو خدا کا یہ پیغام پہنچایا: ''اس کی تبلیغ کے لیے یا تو آپ خود جائیں یا کسی ایسے مرد کو بھیجیں جو آپ میں سے ہو''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خدا کے حکم سے آگاہ کیا اور مجھ سے فرمایا کہ تم اس کے پیچھے جاؤ اور اس سے میرا خط لے لو اور اہلِ مکہ کو یہ خط پڑھ کر سناؤ۔ چنانچہ میں نے خدا و رسول کے حکم کی تعمیل کی اور میں حضرتؐ کا خط لے کر مکہ پہنچا اور مکہ کے لوگوں کو مجھ سے شدید عداوت تھی۔ اگر ان کا بس چلتا تو میرے جسم کے ٹکڑے کر ڈالتے۔ اس کام کے لیے اگرچہ انھیں اپنی جان و مال کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑتی۔

میں نے اہلِ مکہ کے سامنے آنحضرتؐ کے خط کو پڑھا۔ اہلِ مکہ مجھے دھمکیاں دینے لگے اور مکہ کی عورتیں اور مرد مجھ سے بغض و عداوت کا اظہار کرنے لگے مگر میں نے کسی کی پرواہ تک نہ کی۔ پھر آپؑ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے؟ سب نے کہا: جی ہاں! ایسا ہی ہے۔

توضیح: اس روایت میں واقعات کی ترتیب صحیح نہیں ہے کیونکہ مکہ ۸ ہجری میں فتح ہوا تھا اور سورہ برأت ۹ ہجری میں نازل ہوئی تھی۔ (من المترجم)

کتاب علل الشرائع میں جمیع بن عمر کی زبانی منقول ہے کہ میں نے جامع مسجد میں نماز پڑھی۔ وہاں ابن عمر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور میں نے اس سے کہا کہ آپ علیؑ کی کوئی فضیلت بیان کریں۔

ابن عمر نے کہا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو سورہ برأت کی آیات دے کر روانہ کیا۔ جب وہ مقام ذی الحلیفہ پہنچے تو حضرت علی علیہ السلام ان کے پاس آئے اور ان سے آیات لے لیں۔

حضرت ابوبکر نے کہا: اے علیؑ! کیا میرے متعلق آسمان سے کوئی حکم نازل ہوا ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، رسولؐ خدا نے فرمایا کہ یہ پیغام یا تو میں خود جا کر پہنچاؤں یا وہ شخص اس پیغام کو پہنچائے جس کا تعلق میری اہلِ بیتؑ سے ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر جنابِ رسولِؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: یارسولؐ اللہ! کیا میرے متعلق کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ (پیغام اتنا حساس ہے کہ) اسے یا تو میں خود پہنچا سکتا ہوں یا میری اہلِ بیتؑ میں سے کوئی شخص پہنچا سکتا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے ''جمیع'' سے کہا کہ کیا تو نے خود ابن عمر سے یہ بات سنی تھی؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر اس نے ''جی ہاں'' کے جملہ کو تین بار دہرایا۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو سورہ برأت کی آیات حوالے

فرمائیں۔ پھر آنحضرتؐ نے ان کے پیچھے علی علیہ السلام کو بھیج دیا اور انھوں نے وہ آیات اُن سے لے لیں۔ حضرت ابوبکر رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا میرے متعلق کوئی اندیشہ لاحق ہو گیا تھا؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بات یہ ہے کہ اس پیغام کو یا میں خود پہنچا سکتا ہوں یا پھر علیؑ پہنچا سکتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے ایامِ حج میں جا کر یہ اعلان کیا کہ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوگا اور اس برس کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی بھی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور جس فریق کا رسولؐ خدا سے معاہدہ ہے تو معاہدہ کی مدت تک اس کا معاہدہ باقی رہے گا۔

حارث بن مالک راوی ہیں کہ میں مکہ گیا اور سعد بن مالک سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے کہا: کیا تو نے بھی علی علیہ السلام کی کسی فضیلت کا مشاہدہ کیا تھا؟

سعد بن مالک نے کہا: جی ہاں! میں نے علیؑ کی چار فضیلتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ اگر مجھے ان میں سے ایک فضیلت بھی حاصل ہوتی تو مجھے حضرت نوح علیہ السلام کی طولانی زندگی حاصل ہونے سے بھی زیادہ محبوب ہوتی۔

ان میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ برأت کی آیات حضرت ابوبکر کے سپرد کی تھیں تاکہ وہ مشرکین قریش تک ان آیات کی تبلیغ کریں۔ حضرت ابوبکر نے ایک دن ایک رات کا سفر کیا۔ اس کے بعد رسولؐ خدا نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تم ابوبکر کے پیچھے جاؤ اور ان سے یہ آیات لے لو۔

الغرض حضرت علی آئے اور انھوں نے حضرت ابوبکر سے وہ آیات لے لیں۔ حضرت ابوبکر نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا میرے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ ان آیات کی تبلیغ یا تو میں خود کر سکتا ہوں یا وہ شخص کر سکتا ہے جو مجھ سے ہو۔ انس بن مالک سے بھی یہی روایت مروی ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو سورہ برأت کی آیات سپرد کیں اور فرمایا: اجتماع حج میں ان آیات کی تلاوت کرو اور خدا کا یہ پیغام تمام لوگوں تک پہنچاؤ۔ حضرت ابوبکر روانہ ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد حضرت جبریل امینؑ نازل ہوئے اور انھوں نے رسولؐ خدا سے کہا کہ آپؐ کی طرف سے ان احکام کی تبلیغ صرف علیؑ ہی کر سکتے ہیں۔

رسولِ خدا نے حضرت علی علیہ السلام کو بلا کر فرمایا کہ تم میری ناقہ عضباء پر سوار ہو جاؤ اور ابوبکر سے ملاقات کرو اور ان سے سورہ برأت کی آیات لے لو اور مکہ میں وہ آیات لوگوں کو پڑھ کر سناؤ۔

حضرت ابوبکر خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا مجھ پر ناراضگی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، بات یہ ہے کہ جبریلؑ یہ پیغام لائے تھے کہ یہ پیغام صرف وہ پہنچا سکتا ہے جو تجھ سے ہو۔

الغرض حضرت علی علیہ السلام قربانی کے دن ظہر کے بعد مکہ پہنچے اور وہ حج اکبر کا دن تھا۔ آپؑ نے فرمایا: لوگو! میں رسولِ خدا کا نمائندہ ہوں۔ پھر آپؑ نے فرمایا: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ...... ''اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کے لیے اعلان برأت ہے، جن سے تم نے معاہدے کیے تھے۔ تم زمین پر چار مہینے اور چل پھر لو تمھارے پاس ۲۰ دن ذی الحجہ کے ہیں اور محرم، صفر اور ماہ ربیع الاول اور ربیع الاخر کے دس دن ہیں''۔

کوئی مرد و عورت عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور آئندہ کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور جس کا رسولؐ خدا کے ساتھ معاہدہ طے ہوا ہے تو وہ معاہدہ اپنی مقررہ مدت تک قائم رہے گا اور جس فریق کے معاہدہ کی مدت مقرر نہیں ہے تو اس کے لیے چار ماہ کی میعاد ہے۔

محمد بن مسلم کی روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر سے آیات لیں تو اس وقت حضرت ابوبکر نے پوچھا: کیا میری روانگی کے بعد میرے متعلق کوئی چیز نازل ہوئی تھی؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: نہیں بلکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ محمدؐ کی طرف سے وہ شخص نمایندگی کرے جو اس میں سے ہو۔

حضرت علی علیہ السلام اجتماع حج میں شریک ہوئے۔ انھوں نے عرفہ، مزدلفہ اور روز نحر اور ایام تشریق میں خدا و رسول کی طرف سے پیغام پہنچایا اور وہ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ...... کی آیات پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ آئندہ کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔

زرارہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! رسولؐ خدا نے سورہ برأت حضرت ابوبکر کے سپرد ہی نہیں کی تھی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے پہلے سورہ برأت ان کے سپرد کی ہو پھر ان سے واپس لے لیں! اصل بات یہ ہے کہ رسولؐ خدا نے حضرت ابوبکر کو امیر حج بنا کر روانہ کیا تھا۔ پھر آنحضرتؐ نے انھیں اس

منصب سے معزول کر دیا تھا اور ان کی جگہ حضرت علی علیہ السلام کو مقرر کیا تھا اور جب آپ حضرت علی علیہ السلام کو بھیج رہے تھے تو آپ نے فرمایا تھا: میری طرف سے تبلیغ یا تو میں کرسکتا ہوں یا تم کر سکتے ہو۔

توضیح: علامہ طبرسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں: جملہ مفسرین اور ناقلانِ اخبار کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب سورہ برأت نازل ہوئی تھی تو آنحضرتؐ نے وہ سورہ حضرت ابوبکر کے سپرد کی تھی۔ پھر ان سے یہ خدمت واپس لے لی اور سورہ کی تبلیغ کا کام حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کیا۔ (اضافۃ من المترجم نقلا عن هاش بعض النسخ)

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ کی آیت ۹ ہجری میں اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ اس سے قبل ۸ ہجری میں آنحضرتؐ نے مکہ فتح کیا تھا لیکن آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر مشرکین کو حج سے منع نہیں کیا تھا۔

اہلِ عرب کا رواج تھا کہ جو شخص حج کرنے آتا تو وہ جس لباس میں حج کرتا تھا تو وہ بعد میں اس لباس کو استعمال نہیں کرتا تھا۔ اس لباس کو خدا کی راہ میں صدقہ کر دیتا تھا اور جن لوگوں کے پاس لباس صدقہ کرنے کی استطاعت نہ ہوتی تھی تو وہ حج کے لیے لوگوں سے کپڑا بطور عاریت حاصل کرتے تھے اور حج کے بعد وہ مذکورہ کپڑے مالکوں کے حوالے کر دیتے تھے اور جسے کرایہ اور عاریت پر لباس نہ ملتا تو وہ ننگا ہو کر طواف کرتا تھا۔

ایک خوبصورت خاتون حج کرنے کے لیے مکہ آئی۔ اس نے عاریتاً لباس مانگا لیکن اسے عاریتاً لباس نہ مل سکا۔ اس نے کرایہ پر لباس تلاش کیا مگر اسے کرایہ پر بھی کپڑے نہ ملے۔ اس نے کعبہ کے پروہتوں سے پوچھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟ کعبہ کے پروہتوں نے کہا کہ پھر مجبوری ہے تم ننگا ہو کر ہی طواف کرو۔ چنانچہ اس عورت نے تمام کپڑے اتار دیے اور اس نے ایک ہاتھ آگے اور ایک پیچھے رکھا اور طواف کرنا شروع کر دیا۔ دورانِ طواف وہ یہ شعر پڑھ رہی تھی:

اليوم يبدو بعضه او كله فما بدا منه فلا احله

"آج کچھ بدن ظاہر ہوگا یا سارا بدن ہی ظاہر ہوگا۔ جو بدن ظاہر ہوا ہے میں اسے کسی کے لیے حلال نہیں کروں گی"۔

لوگوں نے اس منظر کو بڑے شوق سے دیکھا اور بہت سے افراد نے اس کو شادی کا پیغام بھی دیا لیکن اس نے کہا کہ میں شوہردار خاتون ہوں۔

سورہ برأت کے نزول سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف دفاعی جنگ کرتے تھے اور جو قوم لڑائی سے کنارہ کش ہوتی تو آپ بھی اس قوم کے خلاف لشکر کشی نہیں کرتے تھے اور آپ کا یہ عمل قرآن کریم کی اس آیت مجیدہ کے مطابق تھا: فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ (النساء:۹۰) ''اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور لڑنے سے باز رہیں اور تمھاری طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمھارے لیے ان پر دست درازی کی کوئی سبیل نہیں رکھی''۔

لیکن جب سورہ برأت نازل ہوئی تو اس کے بعد آپؐ کے غزوات کی نوعیت دفاعی حیثیت تک محدود نہ رہی البتہ صفوان بن امیہ و سہل بن عمرو جیسے افراد اس سے مستثنیٰ تھے کیونکہ انھوں نے فتح مکہ کے دن آپؐ کے ساتھ ایک مخصوص مدت کا معاہدہ کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ برأت کی ابتداء میں مشرکین کو چار ماہ کی مدت دی اور ماہ ذی الحجہ کے ۲۰ دن، ماہ محرم، ماہ صفر، ماہ ربیع الاول اور ماہ ربیع الثانی کے دس دن تک تمھیں مہلت دی جاتی ہے اس کے بعد جہاں جہاں بھی مشرک نظر آئیں گے انھیں قتل کر دیا جائے گا۔

جب یہ سورہ نازل ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی آیات حضرت ابوبکر کے سپرد کیں اور ان سے فرمایا کہ تم روزِ نحر منیٰ میں جا کر ان آیات کی تلاوت کرو۔ حضرت ابوبکر کی روانگی کے بعد جبریل امینؑ نازل ہوئے اور انھوں نے کہا: محمدؐ! آپ کی طرف سے اعلان وہی کر سکتا ہے جو آپ میں سے ہو۔

رسولؐ خدا نے حضرت علی علیہ السلام کو ان کے پیچھے روانہ کیا اور وہ مقام ''روحا'' میں جا کر ان سے ملے اور ان سے آیات لے لیں۔ حضرت ابوبکر رسولؐ خدا کی خدمت میں واپس آئے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا میرے متعلق کوئی چیز نازل ہوئی ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آیات کی تبلیغ یا میں خود کروں یا وہ کرے جو مجھ سے ہو۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں مکہ جا کر اعلان کروں کہ آئندہ کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور اس برس کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور میں بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ...... کی تلاوت کروں۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا
يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ
صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى
الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٠﴾
اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣١﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا
نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ
الْكٰفِرُوْنَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ
يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

"یہ کام مشرکین کا نہیں ہے کہ وہ خدا کی مساجد کو آباد کریں جب کہ وہ خود اپنے اوپر کفر کے گواہ ہیں۔ ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اللہ کی مساجد کو تو صرف وہ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ انھی سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ پر چلیں گے۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آبادی کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرا لیا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے یہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بلند ترین درجہ کے مالک ہیں اور وہی لوگ ہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب انھیں اپنی رحمت اور رضائے کثیر اور ان باغات کی بشارت دیتا ہے جہاں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ کے ہاں اجرِ عظیم ہے۔

اے اہلِ ایمان! خبردار اپنے باپ دادا، اور بھائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح دیں، تم میں سے جو بھی انھیں دوست بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے۔

آپ کہہ دیں کہ اگر تمھارے باپ دادا، اولاد، برادران، بیویاں، تمھارے قبیلے اور تمھارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمھارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور

تمھارے وہ گھر جو تمھیں پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے اور اللہ فاسقین کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

بے شک اللہ نے کثیر جگہوں پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے روز بھی تمھاری مدد کی ہے جب تمھیں اپنی کثرت پر ناز تھا لیکن اس نے تمھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ اس کے بعد تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور صاحبانِ ایمان پر تسکین نازل فرمائی اور وہ لشکر بھیجے جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں پر عذاب نازل کیا اور یہی کافروں کی جزا ہے۔ پھر اللہ جس کو چاہتا ہے توبہ کرنے کی توفیق دے دیتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

اے ایمان والو! مشرکین تو محض ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد وہ مسجد الحرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تمھیں تنگ دستی کا خوف ہے تو عنقریب اللہ تمھیں اپنے فضل سے مالا مال کر دے گا۔ یقیناً اللہ صاحبِ علم اور صاحبِ حکمت ہے۔

ان اہلِ کتاب سے جنگ کرو جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جس چیز کو خدا اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے وہ اسے حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذلت کے ساتھ تمھیں جزیہ پیش کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا فرزند ہے۔ یہ سب بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنے منہ سے نکال رہے ہیں۔ ان باتوں میں یہ ان کی مثل ہیں جو ان سے پہلے کفار کہا کرتے تھے۔ ان پر خدا کی مار پڑے یہ کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔

انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح سے مسیح ابن

مریم کو بھی۔ حالانکہ انھیں صرف ایک معبود کی بندگی کے سوا اور کسی کی بندگی کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ ان کے مشرکانہ خیالات سے پاک و پاکیزہ ہے۔

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کے پھونکوں سے بجھا دیں حالانکہ خدا اس کے علاوہ کچھ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ وہ اپنے نور کو تمام کرے چاہے کافروں کو یہ کتنا ہی برا کیوں نہ لگے۔ اور وہ وہی تو خدا ہے، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنائے چاہے مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ لگے۔

اے اہلِ ایمان! اہلِ کتاب کے اکثر علماء اور درویش لوگوں کے مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ لوگ جو سونے چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے، آپ انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔
جس دن وہ سونا چاندی آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا کہ یہ وہ ذخیرہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ اب اپنے ذخیرے کا مزہ چکھو"۔

مومن ہی مساجد کو آباد کرسکتے ہیں مشرک آباد نہیں کرسکتے

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝

"یہ کام مشرکین کا نہیں کہ وہ مساجد خدا کو آباد کریں جب کہ وہ خود اپنے اُوپر کفر کے گواہ ہیں۔ ان کے تمام اعمال ضائع ہو چکے ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اللہ کی مساجد کو تو صرف وہ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور اللہ کے

سوا کسی سے نہ ڈریں انہی سے یہ توقع ہے کہ وہ سیدھی راہ پر چلیں گے"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مساجد کی آبادی اور تعمیر و مرمت کی مشرکین سے نفی کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کام مشرک کا نہیں ہے کہ وہ مساجد خداوندی کو آباد کرے کیونکہ وہ اپنے قول و فعل سے اپنے کفر کی گواہی دے رہا ہوتا ہے۔ بعض اوقات کفریہ کلمات سے اور بعض اوقات بت پرستی جیسے فعل سے وہ اپنے کفر کا اظہار کر رہا ہوتا ہے اور اگر کوئی کافر بالخصوص کوئی مشرکِ مکہ مسجد الحرام کی تعمیر و مرمت کا کام سرانجام بھی دے لے تو بھی اس کا یہ عمل اس کے کفر کی وجہ سے ضائع ہو جائے گا اور وہ اس کے لیے سعادت اور جنت کا ذریعہ ثابت نہیں ہوگا۔

اس کے برعکس مساجد کو وہ آباد کر سکتے ہیں جو خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہوں کیونکہ مساجد کی آبادی اور مساجد کی رونق کا دارومدار نمازیوں پر ہے جتنے نمازی زیادہ ہوں گے مسجد اتنی ہی آباد اور پُر رونق دکھائی دے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مساجد آباد کرنے والے اہلِ ایمان کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔

مساجد آباد کرنے والوں کی سب سے بڑی علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ "اللہ کے سوا وہ کسی سے نہ ڈرتے ہوں" یعنی وہ خشیت دین رکھتے ہوں۔ یہاں پر "خشیت عزیزی" کی بحث نہیں کی گئی کیونکہ "خشیت عزیزی" سے تو صرف انبیاء و رسل اور خدا کے اولیاء ہی محفوظ ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: اَلَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخۡشَوۡنَهٗ وَلَا یَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ (الاحزاب:۳۹) "وہ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے نہیں ڈرتے"۔

چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ نتیجہ دیا ہے: فَعَسٰۤی اُولٰٓئِكَ اَنۡ یَّكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُهۡتَدِیۡنَ ۝ ایسے لوگوں سے ہی توقع ہے کہ وہ سیدھی راہ پر چلیں گے۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن المیزان)

خدمتِ حرم اور ایمان و جہاد برابر نہیں ہیں

اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَةَ الۡحَآجِّ وَعِمَارَةَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ كَمَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسۡتَوٗنَ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۝ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ ۙ اَعۡظَمُ دَرَجَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آبادی کو اس جیسا سمجھ لیا ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے۔ یہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بلند ترین درجہ کے مالک ہیں اور وہی لوگ ہی کامیاب ہیں"۔ ان کا رب انھیں اپنی رحمت اور رضائے کثیر اور ان باغات کی بشارت دیتا ہے جہاں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہوں گی"۔

تفسیر علی بن ابرہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: یہ آیات حضرت علیؑ، عباس اور شیبہ کے متعلق نازل ہوئیں۔ عباس نے کہا کہ میں افضل ہوں کیونکہ میں حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری ادا کرتا ہوں۔ شیبہ نے کہا کہ میں افضل ہوں کیونکہ میں بیت اللہ کا حاجب ہوں اور میں کعبہ کا کلید بردار ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں افضل ہوں کیونکہ میں نے تم دونوں سے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔ میں نے ہجرت کی ہے اور جہاد کیا ہے۔

پھر تینوں بزرگ فیصلہ کے لیے رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تینوں نے اپنا موقف بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیات نازل فرمائی: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ ...... اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

ابوالجارود بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ...... کی آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: عبدالمطلب نے زمانۂ جاہلیت میں پانچ سنتیں قائم کی تھیں جنھیں خدا نے اسلام میں جاری رکھا۔ انھوں نے چاہِ زمزم کی از سرِ نو کھدائی کی تھی اور اس کا نام سقایۃ الحاج رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا رکھا ہوا یہ نام اتنا پسند آیا کہ قرآن مجید میں بھی اللہ نے اسی نام کو برقرار رکھا اور فرمایا: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ......

روضہ کافی میں ابوبصیر نے صادقین علیہما السلام سے اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ ...... کی آیت کے متعلق یہ روایت نقل کی

ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ یہ آیت حمزہ، علی، جعفر، عباس اور شیبہ کے متعلق نازل ہوئی۔ انھوں نے ''سقایہ'' اور ''حجابہ'' کے مناصب کا فخر کیا۔ اس کے جواب میں اللہ نے اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ کی آیت نازل فرمائی۔

توضیح: اس روایت میں تاریخی بُعد پایا جاتا ہے کیونکہ حضرت جعفر بن ابوطالب نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور وہ جنگِ خیبر کی فتح کے وقت وہاں سے تشریف لائے تھے جب کہ حضرت حمزہ ان کی آمد سے بہت عرصہ قبل جنگِ احد میں شہید ہوگئے تھے لہٰذا اس امر کا امکان نہیں ہے کہ انھوں نے بیٹھ کر باہمی طور پر عباس اور شیبہ کے ساتھ افتخار آرائی کی ہو۔ (من المترجم عفی عنہ)

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عمر کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں حاضرین سے فرمایا تھا: میں تمھیں خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ کیا اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ کی آیت میری فضیلت میں نازل ہوئی تھی یا تم میں سے کسی کی فضیلت کے لیے نازل ہوئی تھی؟

حاضرین نے کہا: یہ آیت آپؑ کے حق میں ہی نازل ہوئی تھی۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کو سقاۃ الحاج وعمرۃ المسجد الحرام کے الفاظ سے قراءت کیا تھا اور فرمایا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عباس سے کہا کہ چچا جان آپ مکہ سے ہجرت کیوں نہیں کرتے؟

حضرت عباس نے کہا تھا میں یہاں رہ کر ہجرت سے بڑی عبادت کر رہا ہوں۔ میں حجاج بیت اللہ کو پانی پلاتا ہوں اور مسجد الحرام کو آباد رکھے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ......

حاکم ابوالقاسم الحسکانی نے اپنی اسناد سے ابن بریدہ سے اور اس نے اپنے والد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ شیبہ اور عباس ایک دوسرے پر فخر کر رہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کا ان کے پاس سے گزر ہوا۔ آپؑ نے ان سے فرمایا کہ تم دونوں کس بات پر فخر کر رہے ہو؟ عباس نے کہا: مجھے وہ فضیلت ملی ہے جس میں کوئی شریک نہیں ہے۔ میں حجاج کو

ایمان کے مقابلہ میں رشتوں اور دولت کی کوئی اہمیت نہیں ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

"اے اہلِ ایمان! خبردار، اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح دیں تم میں سے جو بھی انھیں دوست بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے۔ آپ کہہ دیں کہ اگر تمھارے باپ دادا، تمھاری اولاد، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارا قبیلہ اور تمھارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمھارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمھارے وہ گھر جو تمھیں پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے اور اللہ فاسقین کی رہنمائی نہیں کرتا"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حق سے روکنے والی اشیاء کا تذکرہ کیا ہے اور فرمایا کہ اگر تمھارے باپ دادا اور تمھارے بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیں تو تم ان سے قطع تعلق کر لو لیکن ایمان سے رشتہ نہ توڑو۔ اور اگر کوئی شخص کفر کو ایمان پر ترجیح دینے والے باپ دادا، اور بھائیوں سے تعلق قائم رکھتا ہے تو وہ ظالم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پھر بڑی تفصیل کے ساتھ فرمایا کہ اگر تمھارے آباء واجداد، اولاد، بھائی، بیویاں، قبیلہ اور تمھاری حاصل کردہ دولت، تمھارے کاروبار اور تمھاری حسین وجمیل رہائش گاہیں تمھیں اللہ، رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے۔ اللہ اپنے دین کی سربلندی کے لیے تمھاری جگہ اور قوم لے آئے گا جو اہلِ ایمان کے لیے نرم اور کافروں پر سخت ہوگی اور وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے گی اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرے گی اور وہ قوم دنیاوی علائق اور رشتہ داریوں کی کوئی پرواہ نہیں کرے گی۔ اللہ اس قوم کے ذریعہ سے اپنے دین کو سربلندی عطا کرے گا لیکن تم فاسق بن جاؤ گے اور دین کے لیے تمھاری افادیت ختم ہو جائے گی اور تم سعادت ابدی کے حصول سے ناکام ہو جاؤ گے۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن تفسیر المیزان)

تفسیر عیاشی میں جابر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ کی آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

اس آیت کا ایک باطن بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے سیاسی مخالفین کی ولایت کفر ہے اور علی بن ابی طالبؑ کی ولایت ایمان ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تمھارے باپ دادا اور بھائی علیؑ کی ولایت پر کسی مخالف کی ولایت کو ترجیح دیں تو تم ان سے قطع تعلق کرلو اور جو ان سے قطع تعلق نہ کرے گا تو وہ ظالم قرار پائے گا۔

تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کے متعلق حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ فتح مکہ سے قبل حاطب بن ابی بلتعہ نے جب خط لکھ کر قریش کو حملہ کی پیشگی اطلاع دینے کی کوشش کی تھی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی تھیں۔

توضیح: اگرچہ عمومی خطاب میں حاطب بن ابی بلتعہ بھی اس میں شامل ہے لیکن اس کے واقعہ کو ان آیات کا شانِ نزول قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس نے یہ حرکت فتح مکہ سے قبل ۸ ہجری میں کی تھی جب کہ سورہ برأت ۹ ہجری میں نازل ہوئی۔ (اضافۃ من المترجم)

شیخ صدوق اعتقاداتِ امامیہ میں رقم طراز ہیں کہ جب وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ...... (الانفال: ۲۵) (اور اس فتنہ سے بچو جو صرف ظالموں تک ہی محدود نہیں رہے گا) کی آیت نازل ہوئی تو رسولؐ خدا نے فرمایا: میری وفات کے بعد جس نے علیؑ کو میری اس سند سے محروم رکھا تو گویا اس نے میری نبوت اور مجھ سے پہلے انبیاء کی نبوت کا انکار کیا اور جو ظالم سے محبت رکھے وہ بھی ظالم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ "اے اہلِ ایمان! اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں اور جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ ظالم قرار پائے گا"۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کا ایک خطبہ مرقوم ہے جس میں آپؑ نے ایمان کے مقابلہ میں رشتہ داری کی پرواہ نہ کرنے کے متعلق یہ ارشاد فرمایا:

ہم (مسلمان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو کر اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں اور چچاؤں کو قتل کرتے تھے۔ اس سے ہمارا ایمان بڑھتا تھا۔ اطاعت اور راہِ حق کی پیروی میں اضافہ ہوتا تھا اور کرب و الم کی سوزشوں پر صبر میں زیادتی

ہوتی تھی اور دشمنوں سے جہاد کرنے کی کوششیں بڑھ جاتی تھیں۔ (جہاد کی صورت یہ تھی کہ) ہم میں ایک شخص اور فوجِ دشمن کا کوئی سپاہی دونوں مردوں کی طرح آپس میں بڑھتے تھے اور جان لینے کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹتے تھے کہ کون اپنے حریف کو موت کا پیالہ پلاتا ہے۔ کبھی ہماری جیت ہوتی تھی اور کبھی دشمن کی۔ چنانچہ جب خداوند عالم نے ہماری نیتوں کی سچائی دیکھ لی تو اس نے ہمارے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کیا اور ہماری نصرت و تائید فرمائی۔ یہاں تک کہ اسلام سینہ ٹیک کر اپنی جگہ پر جم گیا اور اپنی منزل پر برقرار ہوگیا۔ خدا کی قسم! اگر ہم بھی تمہاری طرح کرتے تو دین کا نہ تو ستون گڑتا اور نہ ایمان کا تنا برگ و بار لاتا۔ خدا کی قسم! تم اپنے کیے کے بدلے میں دودھ کی بجائے خون دھو گے اور آخر تمہیں ندامت و شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔

لفظ ''کثیر'' کا اطلاق کتنی مقدار پر ہوتا ہے؟

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ''اللہ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی ہے''۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ متوکل عباسی سخت بیمار ہوا۔ اس نے اپنی شفایابی کے لیے خدا کی بارگاہ میں منت مانی کہ اگر وہ صحت یاب ہوگیا تو وہ ''مال کثیر'' راہ خدا میں صرف کرے گا۔ خدا نے مہربانی کی اور وہ ٹھیک ہوگیا۔ ٹھیک ہونے کے بعد اس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ میں نے ''مالِ کثیر'' راہِ خدا میں دینے کی منت مانی تھی۔ اب بتاؤ کہ میں کتنا مال خرچ کروں جس سے میری نذر پوری ہوسکے۔

اس کے ساتھیوں نے کہا کہ آپ کو پانچ لاکھ درہم سے آٹھ لاکھ درہم تک رقم راہِ خدا میں خرچ کرنی چاہیے؟ متوکل نے اس مقدار کو بہت زیادہ قرار دیا۔ اس کے ایک درباری یحییٰ بن ابی منصور منجم نے کہا کہ تم اپنے ابن عم امام علی نقی علیہ السلام کی طرف خط بھیجو اور یہ مسئلہ ان سے دریافت کرو۔ متوکل نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو اس مضمون کا خط بھیجا اور لفظ ''کثیر'' کی تعداد مقرر کرنے کے لیے کہا۔

امام علیہ السلام نے جواب میں لکھا: تم اپنے رزق حلال میں سے اسّی (۸۰) درہم راہِ خدا میں خرچ کرو تمہاری نذر ادا ہوجائے گی۔

متوکل نے جب یہ جواب پڑھا تو اسے یہ رقم انتہائی قلیل محسوس ہوئی۔ اس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ تم علی نقی علیہ السلام کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ لفظ ''کثیر'' سے آپؑ نے اسّی درہم کیسے مراد لیے ہیں اور آپؑ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟

جب خلیفہ کے فرستادہ نے امام علیہ السلام سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۔ اللہ نے "کثیر" مقامات پر تمھاری مدد کی ہے اور جب رسولؐ خدا کی زندگی میں ان مقامات کو شمار کیا جائے جہاں خدا نے مدد کی ہے تو ان کی تعداد اسی بنتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی پر لفظ "کثیر" کا اطلاق صحیح ہے اور قرآن کی لغت کے عین مطابق ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم اور الکافی میں بھی یہ واقعہ مرقوم ہے۔

کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص "مال کثیر" صرف کرنے کی نذر مانے تو نذر کی ادائیگی کے لیے کتنی رقم خرچ کرے؟

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ اسی یا اس سے کچھ زیادہ درہم راہِ خدا میں خرچ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۔ اللہ نے "کثیر" مقامات پر تمھاری مدد کی ہے اور حیاتِ پیغمبرؐ میں ان مواقع کی تعداد اسی ہے۔

جنگِ حُنین

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝۲۵ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶

"اور اللہ نے حُنین کے روز بھی تمھاری مدد کی ہے جب تمھیں اپنی کثرت پر ناز تھا لیکن اس نے تمھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ اس کے بعد تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور صاحبانِ ایمان پر تسکین نازل فرمائی اور وہ لشکر بھیجے جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں پر عذاب نازل کیا اور یہی کافروں کی جزا ہے"۔

طائف کے راستہ میں ایک وادی ہے جس کا نام حُنین ہے اس کے اور مکہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ اس جنگ کو غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے جو اس مقام کا نام ہے جہاں یہ جنگ برپا ہوئی تھی۔ جب آنحضرتؐ نے مکہ فتح کیا تو قبائل ہوازن وثقیف کے امراء کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں آنحضرتؐ ان پر یلغار نہ کردیں۔ ان لوگوں نے قبیلہ بنی نصر کے ایک

۳۰ سالہ شخص مالک بن عوف کو اپنی فوج کی کمان سپرد کردی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی ہر چیز اپنے اپنے مویشی، مال و دولت اور عورتوں اور اولاد کو اپنے ساتھ لے چلیں تاکہ وہ جنگ میں ثابت قدم رہیں۔ لوگ درید بن صمہ سے متاثر تھے جو کہ اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ بعض روایات کے مطابق اس کی عمر ایک سو برس سے زیادہ تھی اور وہ آنکھوں سے نابینا ہو چکا تھا مگر اسے جنگوں کا بڑا تجربہ تھا۔ لوگ اسے جنگ حُنین کے موقع پر لے آئے۔ جب وہ اوطاس کے مقام پر پہنچا تو اس نے کہا کہ کیا بات ہے میں اُونٹوں، گدھوں، بکریوں اور گایوں کی آوازیں اور بچوں کے رونے کی صدائیں سن رہا ہوں؟

اسے بتایا گیا کہ مالک بن عوف سب کو میدان میں لے آیا ہے۔ اس نے مالک کو طلب کیا اور اس سے اس کے فعل کی توجیہہ دریافت کی۔ مالک نے کہا کہ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ ہر شخص اپنے مال مویشی اور عورتوں کے تحفظ کے لیے جم کر لڑے۔ لیکن "درید" نے اس سے اتفاق نہ کیا اور اس نے مالک کو مشورہ دیا کہ ان بال بچوں اور مال وسامان کو واپس کر دیا جائے، لیکن اس نے یہ مشورہ نہ مانا اور کہا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی رائے میں کمزوری آ گئی ہے۔ پھر مالک نے اپنے تیراندازوں کو پہاڑی گھاٹیوں میں چھپا کر بٹھا دیا اور کہا کہ جب محمد کا لشکر یہاں آ جائے تو ان پر ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی جائے۔ مالک کے لشکر کی مجموعی تعداد بیس سے ۳۰ ہزار کے درمیان تھی اور ہوازن کے لوگ مشہور تیرانداز تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فوج بارہ ہزار افراد پر مشتمل تھی جن میں دس ہزار وہ تھے جو مدینہ سے فتح مکہ کی غرض سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار وہ تھے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے۔ اس تعداد کو دیکھ کر کسی نے کہا تھا کہ آج ہمیں عددی اکثریت حاصل ہے لہٰذا ہم کسی سے مغلوب نہیں ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروز ہفتہ بتاریخ ۶ شوال ۸ ہجری کو مکہ سے روانہ ہوئے تو اہلِ مکہ پیدل وسوار حتیٰ کہ خواتین اور نومسلم سب آپؐ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ نے لشکر کی دستہ بندی کی اور لشکر کا بڑا علم حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کیا۔

جب آنحضرتؐ حُنین کے مقام پر پہنچ کر صبح سویرے وادی میں داخل ہوئے تو دشمن کے سپاہی وادی کے مختلف تنگ حصوں میں چھپے ہوئے تھے، اچانک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ نتیجتاً مسلمان شکست کھا کر پسپا ہو گئے اور جب مسلمانوں کا ہراول دستہ بھاگا تو پورا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس افراتفری کے عالم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہِ استقامت بن کر اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے اور حضرت علی علیہ السلام نے شجاعت کے بے نظیر کارنامے رقم کیے۔ اس وقت آنحضرتؐ کے پاس انتہائی کم تعداد میں مجاہد کھڑے رہے۔ اس جنگ میں آپؐ نے رجز میں یہ شعر پڑھے:

انا النبی لاکذب – انا ابن عبدالمطلب ''میں سچا نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں''۔

پھر آپؐ نے مٹھی بھر مٹی اٹھا کر دشمن کے منہ پر پھینک ماری اور فرمایا: شاھت الوجوہ ''دشمن کے چہرے مسخ ہو جائیں''۔ عباس بن عبدالمطلب بلند آواز سے پکارتے تھے: اے جماعتِ انصار، اے اصحابِ شجرہ، اے سورہ بقرہ والو! بعد میں مسلمان واپس آنے شروع ہوئے اور پھر گھمسان کی جنگ شروع ہوئی۔ آنحضرتؐ نے جنگ کا منظر دیکھ کر فرمایا: الان قد حمی ابوطین ''اب جنگ کا تنور گرم ہوا ہے''۔ آخر کار مشرکین کو شکست ہوئی۔ اس جنگ میں درید بن صمہ مارا گیا اور مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا اور آنحضرتؐ نے مکہ کے نومسلموں کی تالیفِ قلب کے لیے مالِ غنیمت کا ایک بڑا حصہ ان میں تقسیم فرمایا مگر اس کے باوجود ہر مجاہد کے حصہ میں چار چار اُونٹ اور چالیس چالیس بکریاں آئیں۔ (نقلاً عن تفسیر القمی وکتب السیرۃ والمغازی)

تفسیر عیاشی میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے، آپ نے حسن بن احمد سے فرمایا: تم لوگوں کے نزدیک ''سکینہ'' کا کیا مفہوم ہے؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ''سکینہ'' جنت کی ایک خوشبودار ہوا کا نام ہے جس کا انسان کی طرح سے چہرہ ہے وہ انبیاء کے ساتھ ہوتی ہے۔

الکافی میں علی بن اسباط سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ میں آپؑ پر قربان جاؤں ''سکینہ'' کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: ''سکینہ'' جنت کی ایک ہوا ہے جس کا انسان کی طرح سے چہرہ ہے۔ اس کی خوشبو کستوری سے بھی زیادہ بھلی ہے اور یہی وہ ''سکینہ'' ہے جسے اللہ نے جنگ حُنین میں اپنے پیغمبر پر نازل کیا تھا جس کی وجہ سے مشرکین کو شکست ہوئی تھی۔

جنگ حُنین میں ملائکہ کا نزول

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ......

''اور اللہ نے اس جنگ میں وہ لشکر نازل کیے تھے جنھیں تم نے نہیں دیکھا تھا اور اس نے کافروں کو عذاب دیا''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جنگ حُنین کے ایک قیدی نے جس کا نام شجرہ بن ربیعہ تھا، کہا: وہ سفید پوشاک اور سفید گھوڑوں کے سوار کہاں ہیں جنھوں نے ہمیں قتل کیا اور ہمیں قید کیا ہے؟ جنگ میں تو انھی کی کثرت تھی اب وہ سپاہی

کہاں ہیں؟ مسلمانوں نے کہا کہ وہ ملائکہ کی فوج تھی۔

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: جنگ حنین میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں سے چالیس افراد قتل ہوئے تھے۔

جزیہ

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

"یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں"۔

جزیہ وہ مخصوص رقم ہے جو اسلامی سلطنت اپنی غیر مسلم رعایا سے وصول کرتی ہے اور اس کے عوض ان کے جان و مال کی حفاظت کرتی ہے۔ غیر مسلم رعایا سے زکوٰۃ اور دوسرے اسلامی ٹیکس وصول نہیں کیے جاتے۔ جزیہ کی رقم اہلِ کتاب رعایا سے لی جاتی ہے اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ مجوسیوں سے بھی جزیہ وصول کیا جاتا ہے جیسا کہ حسب ذیل روایت میں اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا مجوسیوں میں بھی کوئی نبی آیا تھا؟

آپؑ نے فرمایا کہ کیا تم کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خط کے متعلق علم نہیں ہے جو آپؐ نے اہلِ مکہ کے نام لکھا تھا۔ آپؐ نے اپنے خط میں انھیں لکھا کہ یا تو اسلام قبول کریں ورنہ جنگ کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ اہلِ مکہ نے رسولِ خداؐ کے خط کے جواب میں یہ تحریر کیا کہ آپ ہم سے جزیہ لے لیں اور ہم کو بت پرستی پر چھوڑ دیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں لکھا کہ میں جزیہ صرف اہلِ کتب اقوام سے لیتا ہوں۔ اہلِ مکہ نے جواب میں لکھا: آپؐ ایک طرف سے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ صرف اہلِ کتاب ہی سے جزیہ لیتے ہیں جب کہ آپ نے "ہجر" کے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے وہ اہلِ کتاب تھوڑے ہیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں جواب میں لکھا: مجوسیوں کا ایک نبی تھا لیکن انھوں نے اسے قتل کر دیا تھا اور ان کے پاس کتاب بھی تھی جسے انھوں نے جلا ڈالا تھا۔ ان کے نبی نے ان کے سامنے خدا کی کتاب پیش کی تھی جو کہ بارہ ہزار کھالوں پر تحریر تھی۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ زہری نے حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا کہ عورتوں پر جزیہ

کیوں معاف ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان مجاہدین کو حکم دیا تھا کہ وہ دارالحرب میں عورتوں کو قتل نہ کریں۔ ہاں اگر کوئی عورت مسلمان فوج کے ساتھ جنگ کرے تو پہلے پوری کوشش کرو کہ اسے قتل نہ کرو اور اگر مجبور ہو جاؤ تو پھر اسے قتل کر سکتے ہو۔

جب دارالحرب میں عورتوں کا قتل کرنا حرام ہے تو دارالاسلام میں انھیں قتل کرنا اور زیادہ حرام ہے اور جزیہ کا حکم یہ ہے کہ جو جزیہ ادا نہ کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ جب عورت کو قتل ہی نہیں کیا جا سکتا تو پھر اس پر جزیہ بھی معاف کر دیا گیا ہے۔
شریعت اسلام میں صرف عورتوں کو ہی جزیہ کی چھوٹ حاصل نہیں ہے بلکہ اپاہج' اندھے اور بوڑھے اور بچوں کو بھی جزیہ کی چھوٹ حاصل ہے۔ جب دارالحرب میں عورتوں پر جزیہ نہیں ہے تو دارالاسلام میں، اس پر جزیہ کیسے عائد کیا جا سکتا ہے۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا کہ پاگل سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: ''اہلِ کتاب کے لیے جزیہ کی مخصوص رقم کتنی ہے جس سے کمی بیشی نہ کی جا سکے؟

آپؑ نے فرمایا: یہ حکمران کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ جس سے جتنا مناسب سمجھے جزیہ لے کیونکہ جزیہ دراصل ان کی جانوں کا فدیہ ہے اور حسبِ حیثیت لوگوں سے جزیہ لینا چاہیے۔ البتہ جزیہ اتنی مقدار میں ضرور ہونا چاہیے جسے وہ ادا کرتے وقت اپنی بیچارگی کو محسوس کر سکے اور اسے یہ رقم دیتے ہوئے کچھ تکلیف محسوس ہونی چاہیے کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے: حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ''ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے تمھیں ذلت کے ساتھ جزیہ پیش کرنے پر آمادہ ہو جائیں''۔

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: آپؑ دیکھ رہے ہیں کہ حکام ارضِ جزیہ سے خمس لے رہے ہیں اور دہقانوں سے افراد کا جزیہ لے رہے ہیں کیا اس کے لیے کوئی مقرر شدہ اصول نہیں ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو لوگ انھیں خود دینے پر آمادہ ہیں حکام کو ان سے وہ کچھ لینے کا اختیار ہے۔ امام صرف ان سے جزیہ ہی لے سکتا ہے۔ اگر افراد سے جزیہ لے تو ان کے اموال کا جزیہ لینے کا اسے حق نہیں ہے اور اگر اموال سے جزیہ لے تو افراد سے جزیہ وصول کرنے کا اسے کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

میں (راوی) نے کہا تو اس خمس کا کیا بنے گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: رسولؐ خدا نے اس بات پر ان سے مصالحت کی تھی۔

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا ''ذمی'' رعایا۔ سے جزیہ کے علاوہ کچھ اور بھی وصول کیا جا سکتا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: ان کے مال مویشی سے جزیہ کے علاوہ اور کچھ نہیں لیا جا سکتا۔

یہود و نصاریٰ سے مباحثہ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝

''یہودیوں نے کہا کہ عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا: مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ سب بے حقیقت باتیں ہیں جنھیں وہ اپنے مونہوں سے نکال رہے ہیں ان باتوں میں یہ پچھلے کافروں کی باتوں کی مانند ہیں۔ ان پر خدا کی مار پڑے۔ یہ کہاں بھٹکے چلے جا رہے ہیں''۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پانچ مذاہب یعنی یہودی، نصاریٰ، دہریہ، مجوسی اور مشرکین عرب کے نمائندے جمع ہوئے۔ یہودی علماء نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ ہم حضرت عزیر کو خدا کا فرزند مانتے ہیں۔ اب ہم آپ کا نظریہ معلوم کرنے آئے ہیں۔ اگر آپ ہمارے نظریہ کی تائید کرتے ہیں تو ہم نے اس نظریہ کو آپ سے پہلے اپنایا ہے اسی لیے ہم آپ سے افضل اور بہتر ہیں اور اگر آپ اس نظریہ میں ہماری مخالفت کرتے ہیں تو پھر ہم آپ سے مباحثہ کریں گے۔

نصاریٰ نے کہا کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے فرزند ہیں اگر آپؐ ہماری تائید کرتے ہیں تو ہم نے آپ سے پہلے اس نظریہ کو قبول کیا ہے اسی لیے ہم آپؐ سے بہتر اور افضل ہیں بصورت دیگر ہم آپ سے مباحثہ کریں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی علماء کی طرف رخ پھیرا اور ان سے فرمایا: کیا تم مجھ سے توقع کرتے ہو کہ میں تمھاری بات کونسی دلیل و برہان کے بغیر مان لوں گا؟

یہودی علماء نے کہا: نہیں، ہمارے پاس اپنے دعویٰ کی دلیل موجود ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: پھر بیان کرو کہ تم نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کیوں تسلیم کیا؟

یہودی علماء نے کہا کہ عزیر نے تورات تلف ہونے کے بعد اسے از سر نو بنی اسرائیل کے پاس زندہ کیا اور انھوں نے

ایسا اس لیے کیا کہ وہ خدا کے فرزند تھے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اس طرح سے حضرت عزیرؑ خدا کے فرزند قرار پاتے ہیں تو تم لوگ حضرت موسیٰؑ کے متعلق کیا کہو گے جو صاحبِ تورات تھے اور صاحبِ تورات ہونے کے باوجود بھی وہ خدا کے عبد ہی رہے؟ جب خود صاحبِ تورات ہی فرزند خدا نہیں ہے تو اس تورات کا ایک حافظ کس طرح سے خدا کا فرزند کہلا سکتا ہے؟ اب اگر تم لوگ عزیر علیہ السلام کو اس معنی و مفہوم میں خدا کا فرزند کہتے ہو جس طرح سے دنیا میں فرزندی کا سلسلہ قائم ہوتا ہے پھر تم خدا کے منکر قرار پاؤ گے کیونکہ تم نے خالق میں مخلوق کی صفت تسلیم کی ہے اور اس صورت میں اللہ حادث قرار پائے گا اور حادث کو اپنے وجود کے لیے کسی اور خالق کی احتیاج ہوتی ہے جو اسے عرصۂ کتم سے نکال کر منصۂ شہود پر لائے۔

یہ سن کر یہودیوں نے کہا: ہم انھیں حقیقی معنوں میں اللہ کا فرزند نہیں مانتے ہم تو انھیں اللہ کا اعزازی بیٹا مانتے ہیں اور ویسے بھی دنیا کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی بڑا آدمی کسی چھوٹے پر مہربانی کرتا ہے تو وہ اسے اپنا بیٹا کہہ کر پکارتا ہے حالانکہ ان دونوں میں کوئی نسب نہیں ہوتا۔

جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ مثال سنی تو فرمایا: تمھاری اس مثال سے تو اور بھی قباحتیں جنم لیں گی کیونکہ بعض دفعہ آدمی کسی غیر کو پیار سے بیٹا کہتا ہے اور کبھی انسان اپنے بزرگ کو چچا یا ابا کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور گفتگو کا یہ اسلوب قدیم الایام سے جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اب جب کہ تورات کا حافظ فرزند خدا کہلاتا ہو تو صاحبِ تورات کو تو نعوذ باللہ خدا کا چچا، ماموں یا بزرگ کہنا چاہیے اور جب تم صاحبِ تورات کو ان الفاظ سے یاد نہیں کرتے تو اپنے اُوپر رحم کرو اور عزیر کو بھی اللہ کا فرزند نہ کہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دندان شکن جواب سن کر یہودی چکرا گئے اور کہنے لگے: آپ ہمیں مہلت دیں تاکہ ہم اپنے اس نظریہ کے متعلق مزید غور وخوض کر سکیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: جاؤ تمھیں مہلت ہے خوب اچھی طرح سے اپنے نظریہ پر غور کرو لیکن یہ غور وخوض انصاف پر مبنی ہونا چاہیے۔

نصاریٰ کی تردید

پھر آپؐ نصاریٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تمھارا دعویٰ ہے کہ اللہ جو کہ ''قدیم'' ہے، اس نے ایک ''حادث''

یعنی مسیح سے اتحاد کرلیا ہے اس دعویٰ سے تمھاری کیا مراد ہے؟ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ جب قدیم نے حادث سے اتحاد کیا تو وہ قدیم اپنی صفت قدامت سے دستبردار ہوکر حادث بن گیا یا بصورت دیگر حادث اس اتحاد کی وجہ سے قدیم ہوگیا؟ یا تمھارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اسی خصوصی کرامت سے سرفراز کرتے ہوئے اپنا بیٹا بنالیا؟ اگر تم سمجھتے ہو کہ قدیم حادث بن گیا تو یہ محال ہے اسی طرح سے حادث کا بھی قدیم بن جانا محال ہے۔

نصاریٰ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو معجزات عطا فرمائے اور خدا نے اسے اعزازی طور پر اپنا بیٹا بنایا ہے۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس شکل میں تمھیں وہی جواب دیا جائے گا جو ہم نے یہود کو دیا ہے۔

یہ سن کر ایک نصرانی نے کہا کہ آپ بھی حضرت ابراہیمؑ کو "خلیل اللہ" کہتے ہیں اگر آپ ابراہیمؑ کی اضافت اللہ کی طرف کریں تو جائز اور اگر ہم حضرت مسیحؑ کو "ابن اللہ" کہہ دیں تو وہ ناجائز کیوں ہوگا؟

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے غلط سمجھا اور تمھیں سخت مغالطہ ہوا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کو "خلیل اللہ" کہتے ہیں لیکن سب سے پہلے یہ سمجھو کہ اس لفظ کا مفہوم کیا ہے اور خُلّۃ اور "خلیل" کے معنی کو سمجھو۔ لفظ "خلیل" خُلّۃ سے مشتق ہے اور لفظ خُلّۃ کے دو معانی ہیں:

۱- خُلّۃ بمعنی فقر و فاقہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف اپنے خدا سے ہی غرض رکھتے تھے اور وہ مشکلات کے حل کے لیے مخلوق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور وہ ماسوا اللہ سے اتنے بے نیاز تھے کہ جب انھیں نارِ نمرود میں پھینکا گیا اور جبریلؑ ان کی مدد کو آئے۔ آپؑ اس وقت منجنیق سے نکل کر ہوا میں پہنچ چکے تھے۔ جبریلؑ نے کہا مجھے کوئی حکم دیں میں آپؑ کی مدد کرنے آیا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تمھاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں اپنے خدا پر بھروسا رکھتا ہوں اور وہ بہترین کارساز ہے۔ چنانچہ اس "انقطاع الی اللہ" اور مخلوق سے بے نیازی کی وجہ سے اللہ نے انھیں "خلیل اللہ" کا لقب دیا۔

۲- خُلّۃ کا دوسرا معنی اسرار سے آگاہ ہونا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپؑ ایسے اسرار و معارف سے آگاہ تھے جن سے اور لوگ واقف نہیں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں خُلّۃ کے دونوں معانی پائے جاتے ہیں لیکن خلیل اللہ اور ابن اللہ کے دونوں جملوں میں بڑا فرق ہے۔

اگر کوئی شخص کسی سے اپنی غرض و غایت وابستہ رکھے اور اس کے رازوں سے واقف ہو تو وہ "خلیل" کہلائے گا لیکن

اگر وہی شخص اپنی غرض و غایت دوسروں سے وابستہ کرنے لگ جائے اور اسرار و معارف کو فراموش کر دے تو اس سے لفظ ''خلیل'' سلب ہو جائے گا۔ یعنی یہ ایک عارضی صفت ہے جو لگ بھی سکتی ہے اور جدا بھی ہو سکتی ہے جب کہ فرزند ہونا یہ ایک اٹوٹ رشتہ ہے، جو کسی بھی صورت میں حذف نہیں ہو سکتا۔ کوئی بیٹا اپنے والد کا خواہ کتنا ہی نافرمان کیوں نہ ہو خواہ والد اسے گھر سے بھی کیوں نہ نکال دے پھر بھی وہ اس کا بیٹا ہی رہے گا۔

یاد رکھو! اگر معجزات کے اظہار کی وجہ سے حضرت مسیحؑ اللہ کے فرزند ہیں تو حضرت موسیٰؑ کے معجزات بھی کسی طور حضرت مسیحؑ کے معجزات سے کم نہیں تھے پھر اس کے باوجود تم نے حضرت موسیٰؑ کو خدا کا فرزند کیوں نہیں کہا؟

ایک نصرانی نے کہا کہ آسمانی کتابوں میں حضرت مسیحؑ کے یہ الفاظ موجود ہیں۔ انھوں نے فرمایا تھا: ''اب میں اپنے اور تمھارے باپ کے پاس جا رہا ہوں''۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ دلیل تو خود تمھارے نظریہ کو باطل کرنے والی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ نے تمام حاضرین سے یہ جملہ کہا تھا تو اب تمھارا کیا خیال ہے کہ وہ تمام حاضرین بھی خدا کے فرزند تھے؟ اور اگر بالفرض ان سب کو فرزندانِ خدا مان لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ مسیحؑ تو اللہ کے خاص بندے تھے، اللہ نے انھیں اپنا فرزند بنا لیا لیکن کیا اس محفل میں موجود دوسرے افراد بھی مسیحؑ کی طرح سے صاحبِ معجزات تھے جنھیں انھوں نے خطاب کر کے فرمایا کہ ''میں اپنے اور تمھارے باپ کے پاس جا رہا ہوں؟''

جب تمام حاضرین بشمول مسیحؑ فرزندانِ خدا تھے تو ان میں حضرت مسیحؑ کا امتیاز و اختصاص کیا رہے گا؟ اصل بات یہ ہے کہ تم نے مسیحؑ کے اس قول کا مطلب سمجھا ہی نہیں ہے یا تم نے کبھی سمجھنے کی زحمت ہی برداشت نہیں کی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے اس جملہ کا یہ مفہوم بھی تو ہو سکتا ہے کہ اب میں تم سے جدا ہو رہا ہوں اب میں اپنے اور تمھارے باپ آدمؑ و نوحؑ کی طرف جا رہا ہوں۔

آنحضرتؐ کا یہ استدلال سن کر نصاریٰ خاموش ہو گئے اور کہا کہ ہم نے آپؐ سے زیادہ کسی کی دل نشین گفتگو نہیں سنی اور آپؐ کے استدلال سے بڑھ کر کسی کے استدلال کو مضبوط نہیں پایا۔ آپؐ ہمیں مہلت دیں ہم اپنے عقیدہ پر مزید غور و خوض کریں گے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دیگر مذاہب کے علماء سے بھی مباحثہ کیا اور سب کو لاجواب کر دیا۔ پھر تین دن بعد تمام مذاہب کے وہ علماء آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک یہودی نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا: وہ کون سی چیز ہے جو اللہ کے لیے نہیں ہے؟ اور وہ کون سی چیز ہے جو خدا کی طرف سے نہیں ہے اور وہ کون سی چیز ہے جس کا خدا کو علم نہیں ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کے لیے شریک نہیں ہے' اللہ کی طرف سے ظلم نہیں ہے اور تم یہودیوں نے عزیر کے ابن اللہ ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے خدا کو اس بیٹے کا کوئی علم نہیں ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ابتداء میں تمام درخت پھل دیتے تھے یہاں تک کہ لوگوں نے اللہ کے بیٹے کا عقیدہ قائم کرلیا۔ رحمٰن اس سے کہیں بلند ہے کہ اس کے ہاں بیٹا ہو۔ یہ ناحق بات سن کر درخت کانپ اُٹھے اور ان پر کانٹے اُگ آئے کہ کہیں ان پر عذاب نہ آجائے۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جب یہودیوں نے عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہا تو ان پر خدا کو بہت غصہ آیا اور جب نصاریٰ نے مسیح بن مریم کو اللہ کا بیٹا کہا تو ان پر اللہ کا سخت غضب نازل ہوا اور اللہ کا اس پر سخت غضب نازل ہوگا جو میرا خون بہائے گا اور مجھے میری عترت کے متعلق اذیت دے گا۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام نے قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ کا یہ مفہوم بیان کیا کہ یہاں لفظ قَاتَلَ لَعَنَ کے معنی میں استعمال کیا ہے اور لعنت کو ''قتال'' سے تعبیر فرمایا۔

''رب'' ماننے کا مفہوم

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

''انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنالیا ہے''۔

مجمع البیان میں عدی بن حاتم سے منقول ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت میرے گلے میں صلیب لٹکی ہوئی تھی۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا: عدی! اپنی گردن سے اس بت کو نکال دے۔ چنانچہ میں نے صلیب اتار پھینکی۔ میں آگے بڑھا تو آپؐ سورہ برأت کی یہ آیت پڑھ رہے تھے: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ہم نے علماء ورُہبان کی کبھی عبادت نہیں کی تھی تو ہم نے انھیں کیسے رب مان لیا تھا۔ علماء ورُہبان کو رب ماننے کا ہم پر اتہام ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے کہ تمھارے علماء ورُہبان خدا کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار

دیتے تو تم بھی ان کی دیکھا دیکھی حرام قرار دیتے تھے اور جب وہ کسی حرام کو حلال قرار دیتے تھے تو تم بھی اسے حلال قرار دیتے تھے؟ میں نے کہا: جی ہاں، ایسا تو ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: بس یہ ان کی عبادت ہے اور یہ ان کو رب ماننا ہے۔

اصول کافی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کا مطلب پوچھا: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنالیا ہے)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! ان کے علماء و رُہبان نے انھیں اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی تھی اور اگر بالفرض وہ انھیں اپنی عبادت کی دعوت بھی دیتے تو وہ لوگ پھر بھی قبول نہ کرتے۔ بات یہ ہے کہ وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیتے تھے تو اہلِ کتاب ان کی اس میں پیروی کرتے تھے اور یوں لاشعوری طور پر وہ ان کی عبادت کرنے لگ گئے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس نے اللہ کی نافرمانی میں کسی شخص کی اطاعت کی تو اس نے اس کی عبادت کی ہے۔

تفسیر عیاشی میں اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے تحت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! اہلِ کتاب نے علماء و رُہبان کے لیے نہ تو روزے رکھے تھے اور نہ ان کے لیے نمازیں پڑھی تھیں۔ علماء و رُہبان نے ان کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا تھا اور انھوں نے اس میں علماء و رُہبان کی پیروی کی تھی۔

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں لیکن انھوں نے خدا کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کی تھی۔

جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اسی آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: اہلِ کتاب نے علماء و رُہبان کو اپنا معبود نہیں بنایا تھا۔ بات اتنی تھی کہ ان کے علماء و رُہبان نے ان کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا تھا اور ان لوگوں نے ان کی پیروی کی تھی۔ اسی لیے وہ "ارباب من دون اللہ" قرار پائے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ کی آیت پڑھ کر فرمایا: مسیح علیہ السلام کی انھوں نے نافرمانی کی تھی اور انھوں نے اپنے دل و دماغ میں مسیحؑ کی اتنی تعظیم کی کہ وہ اسے معبود اور ابن اللہ سمجھنے لگے۔ ایک گروہ نے کہا کہ وہ تین میں ایک ہے۔ ایک اور گروہ نے کہا کہ مسیح خود اللہ ہے۔ اور جہاں تک علماء و رُہبان کے رب ماننے کا تعلق ہے تو اہلِ کتب احبار و رُہبان کی اطاعت کرتے تھے اور ان کے احکام کی پیروی کرتے تھے اور جو کچھ انھوں نے کہا تھا لوگوں نے ان کے اقوال کو دین کا درجہ

دے دیا تھا اور یوں لوگوں نے اللہ کے فرمان، کتب الٰہی اور انبیاء کو چھوڑ دیا تھا اور علماء واحبار کی پیروی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پیروی کو ارباب من دون اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرزِ عمل کا ہماری کتاب میں اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ ہم نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو شرم دلاتے ہوئے فرمایا: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝ ''حالانکہ انھیں ایک معبود کی بندگی کے سوا اور کسی کی بندگی کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور وہ ان کے مشرکانہ خیالات سے پاک و پاکیزہ ہے''۔

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝

''وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ کے پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں حالانکہ خدا اس کے علاوہ کچھ ماننے پر تیار نہیں ہے کہ وہ اپنے نور کو تمام کرے چاہے کافروں کو یہ کتنا ہی برا کیوں نہ لگے''۔

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے سربراہوں کی ان کوششوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ابطال کے لیے بجا لا رہے تھے اور جس طرح سے وہ پیغمبر کے ان دلائل کو چھپا رہے تھے جو آپ کی شریعت کی صحت اور دین کی قوت پر دلالت کرتے تھے۔ اللہ نے ان کی اس حرکت کو پھونکوں سے نورِ خدا بجھانے کے مترادف قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی پھونکوں سے نورِ خدا کو بجھانا چاہتے ہیں۔ نور سے وہ شواہد مراد ہیں جو آپ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اور آنحضرتؐ کی نبوت کے دلائل و شواہد بے حد زیادہ ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات آپؐ کی نبوت کی دلیل ہیں کیونکہ معجزہ کے متعلق دو امکان پیش کیے جاسکتے ہیں: پہلا امکان تو یہ ہے کہ معجزہ مدعی کی صداقت کا مظہر ہوتا ہے اور دوسرا امکان یہ ہے کہ معجزہ مدعی کی صداقت کا مظہر نہیں ہے۔ اگر پہلے امکان کو تسلیم کیا جائے تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صداقت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ اور اگر اہلِ کتاب دوسرے امکان کو ترجیح دیں اور کہیں کہ معجزہ دلیل صداقت نہیں ہے تو خود ان کے لیے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت کا اثبات مشکل ہو جائے گا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے کسی مکتب و مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی، مگر آپؐ نے قرآن کی شکل میں وہ نسخۂ کیمیا پیش کیا جس کی نظیر لانے سے دنیا کے تمام اہلِ علم عاجز آ گئے تھے۔

علاوہ ازیں آپ کی شریعت کا ماحصل تعظیم الٰہی' ثنائے پروردگار' اطاعت خدا کا اختیار کرنا' اپنے نفس کو حب دنیا سے بچانا اور سعادت آخرت کا حصول ہے اور عقل اس بات کی تائید کرتا ہے کہ خدا تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے اس کے علاوہ خدا تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں بے عیب شریعت پیش کی ہے۔ آپؐ کی شریعت میں ایسی کوئی بات شامل نہیں ہے جو اللہ کے مقامِ عظمت کے خلاف ہو اور آپؐ کی شریعت میں سارا زور دعوت الی اللہ پر ہی دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ کی زندگی میں ایک زمانہ ایسا بھی آیا ہے جب آپؐ سلطانِ عرب تھے اس کے باوجود بھی آپؐ نے دنیا جمع نہیں کی۔ الغرض آنحضرتؐ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ آپؐ کی نبوت کا معجزہ ہے۔ اہلِ کتاب چاہتے تھے کہ نور اسلام دنیا میں پھیلنے سے رُک جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ سورج کی روشنی کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں جو کہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اللہ اس نور میں روز بروز اضافہ کرے گا اور اسلام کو روز بروز ترقی سے ہمکنار کرتا رہے گا۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن الفخر الرازی)

تفسیر نور الثقلین میں اس آیت کے ضمن میں ''قاعدہ جری'' کے تحت چند روایات مرقوم ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں مگر ان روایات کو تطبیق و تاویل اور بمنزلہ جز من الکل سمجھنا چاہیے۔

کتاب الشیبۃ میں ہے کہ علی بن حمزہ نے مذہب واقفیہ اختیار کرلیا تھا اور اس نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کا انکار کر کے امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کی مخالفت کی تھی۔

شیخ الطائفہ نے اس کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپؑ نے فرمایا: علی بن حمزہ چاہتا ہے کہ خدا کے آسمان و زمین میں اس کی عبادت نہ کی جائے' جب کہ اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ وہ لعین و مشرک اسے ناپسند ہی کیوں نہ کرے۔

راوی نے کہا: مولا وہ مشرک ہے؟ فرمایا: ہاں یہ ان لوگوں میں شامل ہے جو نورِ خدا کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حق ہمیشہ ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچے ذبح کرائے تھے لیکن موسیٰؑ پھر بھی اپنے وقت پر آ ہی گئے تھے۔ بنی امیہ اور بنی عباس بھی سن چکے ہیں کہ قائم آلِ محمدؐ کا ظہور ہوگا

اور ان کے ہاتھوں ان کی حکومت ختم ہو جائے گی اسی لیے وہ ہم سے عداوت کرتے ہیں اور ہمیں قتل کرنے کے درپے ہیں تاکہ اس طرح سے قائم نہ پیدا ہو سکے لیکن کوئی بھی ظالم خدا کے امر پر غالب نہیں آ سکتا۔ اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا اگرچہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں بھی یہ روایت انھی الفاظ سے مذکور ہے۔

تفسیر عیاشی میں مذکور ہے کہ احمد بن محمد نے کہا: بنی زریق کے معاملہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام میرے پاس ٹھہرے اور پکار کر فرمایا: احمد! میں نے لبیک کہا: آپؑ نے فرمایا کہ رسالت مآب کی وفات کے بعد لوگوں نے نورِ خدا کو بجھانے کی کوششیں کی تھیں لیکن اللہ نے امیر المومنین علی علیہ السلام کے ذریعے سے اپنے نور کو پیدا کیا۔

حمیری قرب الاسناد میں احمد بن محمد بن نصر کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ہم سے دارِ معاویہ کی مسجد میں رات کے وقت ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ آپؑ حسبِ وعدہ تشریف لائے اور سلام کیا پھر فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں نے نورِ خدا کو بجھانے کی کوششیں کی تھیں لیکن اللہ نے اپنے نور کو مکمل کیا تھا اور میرے والد کی وفات کے بعد علی بن حمزہ بھی خدا کے نور کو پھونکوں سے بجھانا چاہتا ہے جب کہ اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا۔ اللہ نے تمھیں اس امر کی ہدایت دی ہے جس سے لوگ ناواقف ہیں اس نعمت پر خدا کی حمد بجالاؤ۔

دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا

هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ۝

"وہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنائے خواہ مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو"۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا: خدا کی قسم! ابھی تک اس آیت کی تاویل ظاہر نہیں ہوئی۔ اس کی تاویل حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے ظہور کے وقت ظاہر ہوگی۔ جب قائمؑ خروج کریں گے تو ہر مشرک و کافر کو ان کا خروج ناگوار گزرے گا اور جب ان کا خروج ہو جائے گا تو اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ نصیب ہوگا اور کافر و مشرک اگر اُس دور میں کسی چٹان میں بھی چھپے ہوں گے تو چٹان وہاں سے

گزرنے والے مومن کو صدا دے کر کہے گی کہ اے مومن! میرے اندر کافر چھپا بیٹھا ہے مجھے توڑ اور اسے باہر نکال کر قتل کر دے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے اندر بارہ مہدیؑ ہیں۔ پہلے مہدی امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں اور آخری مہدیؑ میری نسل میں سے نواں امام ہے اور وہ قائم بالحق ہے۔ اس کے ذریعہ سے اللہ مُردہ زمین کو زندگی عطا کرے گا اور اس کے ہاتھ سے اللہ دین حق کو تمام ادیان پر غالب کرے گا۔ اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔

محمد بن مسلم ثقفی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا' انھوں نے فرمایا: ہمارے قائمؑ کی رعب سے مدد کی جائے گی اور نصرتِ الٰہی سے اس کی تائید ہوگی۔ اس کے لیے زمین کی طنابیں سمیٹ دی جائیں گی اور اس کے لیے خزانے ظاہر کردیئے جائیں گے۔ اس کی حکومت مشرق و مغرب تک ہوگی۔ اس کے ذریعہ سے خدا اپنے دین کو تمام ادیان پر غلبہ عطا کرے گا۔ اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ لگے۔ ہر ویران زمین اس کے دورِ حکومت میں آباد ہو جائے گی۔ روح اللہ عیسٰیؑ بن مریمؑ نازل ہو کر ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

احتجاج طبرسی میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں۔ اس امر کا مالک اپنے عذر کے واضح ہونے کے بعد غائب ہو جائے گا کیونکہ اس وقت دلوں میں فتنہ رچ بس چکا ہوگا اور حالت یہ ہوگی کہ ان کا قریب ترین شخص بھی ان کا بدترین دشمن ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص لشکروں سے جو تمھیں دکھائی نہ دیں گے' اس کی تائید کرے گا اور اللہ اس کے ہاتھوں اپنے نبی کے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے گا اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ لگے۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ حضرت قائم علیہ السلام کے دورِ حکومت میں کوئی بھی فرد ایسا نہ ہوگا جو رسالتِ محمدیہؐ کی تصدیق نہ کرے گا۔

مجمع البیان میں حضرت مقداد بن اسود سے منقول ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا' آپؐ نے فرمایا: زمین پر اینٹ اور خیمہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہے گا جہاں کلمہ اسلام داخل نہ ہوگا۔ کچھ لوگوں کو خدا عزت دے گا اور وہ اسلام کا اقرار کر کے مزید عزت والے بن جائیں گے اور کچھ لوگوں کو اتنا ذلیل کرے گا کہ انھیں اسلام قبول کرنا ہی پڑے گا۔

سونا چاندی ذخیرہ کرنے والوں کے لیے وعید

......وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ

اَلِیۡمٍ ۙ﴿۳۴﴾ یَّوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡہَا فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ فَتُکۡوٰی بِہَا جِبَاہُہُمۡ وَ جُنُوۡبُہُمۡ وَ ظُہُوۡرُہُمۡ ؕ ہٰذَا مَا کَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَکۡنِزُوۡنَ ﴿۳۵﴾

"اور وہ لوگ جو سونا چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے آپ انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔ جس دن وہ سونا چاندی آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جسے تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا تھا اب اپنے ذخیرہ کا ذائقہ چکھو"۔

الکافی میں معاذ بن کثیر سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ ہمارے شیعوں کو اختیار ہے جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے اسے اچھے طریقہ سے خرچ کریں لیکن جب ہمارے قائمؑ کا ظہور ہوگا تو وہ ہر ذخیرہ اندوز پر اس کا ذخیرہ حرام کردیں گے اور اسے حاضر کرنے کا حکم دیں گے اور اس کے ذریعہ سے دشمن کے خلاف مدد حاصل کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ الَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّہَبَ وَ الۡفِضَّۃَ وَ لَا یُنۡفِقُوۡنَہَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۙ فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۙ "وہ لوگ جو سونا چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے آپ انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں"۔

شیخ الطائفہ امالی میں لکھتے ہیں کہ جب وَ الَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّہَبَ وَ الۡفِضَّۃَ ...... کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو وہ ذخیرہ (کنز) نہیں ہے۔ اگرچہ ساتویں زمین کے نیچے بھی اس کا مال کیوں نہ رکھا ہو۔ اور جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو تو وہ ذخیرہ (کنز) ہے اگرچہ وہ زمین کے اوپر ہی کیوں نہ رکھا ہو۔

مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: جب دولت چار ہزار سے بڑھ جائے تو وہ کنز (ذخیرہ) ہے خواہ اس کی زکوٰۃ ادا ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور جو دولت چار ہزار سے کم ہو وہ نفقہ میں شامل ہے۔ ذخیرہ کرنے والوں کو عذابِ الیم کی بشارت دی گئی ہے۔

سالم بن ابی الجعد کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہلاکت ہے چاندی کے لیے۔ آپؐ نے اس جملہ کو تین بار دہرایا۔ آپؐ کے صحابہ کو یہ بات ناگوار گزری۔ حضرت عمر نے آپؐ سے پوچھا: یارسولؐ اللہ! ہم کون سا مال اپنے پاس رکھیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے پاس ذکر کرنے والی زبان' شکر کرنے والا دل اور صاحب ایمان بیوی رکھو جو ہر شخص کو دین کے لیے مددگار ثابت ہو۔

تفسیر علی بن ابراہیم کی ایک طویل روایت میں یہ الفاظ بھی مرقوم ہیں: حضرت عثمان بن عفان نے کعب الاحبار کی طرف دیکھا اور اس سے کہا: ابواسحاق! یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اپنے مال میں سے زکوٰۃ کا فریضہ ادا کرے تو اس کے بعد بھی اس کے ذمے کوئی شے باقی رہ جاتی ہے؟

کعب الاحبار نے کہا: نہیں' اگرچہ وہ ایک اینٹ سونے کی بنائے اور ایک اینٹ چاندی کی بنائے اس پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔

حضرت ابوذرؓ نے اپنا عصا بلند کر کے کعب کے سر پر مارا' پھر اس سے کہا: کافرہ یہودیہ عورت کا بیٹا! تو کیا جانے اور احکام دین میں غور و نظر کیا کرے گے؟ اللہ کا فرمان تیرے قول سے کہیں زیادہ سچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ "وہ لوگ جو سونا چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے آپ انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ...... کی آیت پڑھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی ذخیرہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور اسے راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: حضرت ابوذر غفاریؓ روزانہ شام کی گلیوں اور بازاروں اور لوگوں کے محلات کے سامنے کھڑے ہوکر یہ آیت پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ذخیرہ کرنے والوں کو بشارت ہو کہ ان کی پیشانیوں کو داغا جائے گا اور ان کے پہلوؤں کو داغا جائے گا اور ان کی پشت کو داغا جائے گا یہاں تک کہ آگ ان کے شکم میں داخل ہو جائے گی۔

کتاب الخصال میں امیرالمومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "درہم و دینار نے تم سے پہلی اُمتوں کو ہلاک کیا تھا اور یہ تمھیں بھی ہلاک کریں گے"۔

ایک حدیث مرفوع میں مذکور ہے کہ سونا اور چاندی یہ دونوں مسخ شدہ پتھر ہیں جو ان سے محبت کرے گا وہ ان کے ساتھ محشور ہوگا۔

ابن سعد' ابن ابی شیبہ' بخاری' ابن ابی حاتم' ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے زید بن وہب سے نقل کیا ہے' اس نے کہا کہ میں "ربذہ" میں ابوذر غفاری کے پاس سے گزرا۔ میں نے ان سے کہا کہ اس سرزمین پر آپ کو کس چیز نے اُتارا ہے؟ انھوں

نے کہا کہ ہم شام میں تھے وہاں میں : الَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّہَبَ وَالۡفِضَّۃَ وَلَا یُنۡفِقُوۡنَہَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۙ فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۙ کی آیت پڑھتا تھا۔ معاویہ نے کہا کہ یہ آیت ہمارے متعلق نازل نہیں ہوئی۔ یہ اہلِ کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں یہ آیت ہمارے اور ان کے متعلق یکساں طور پر نازل ہوئی ہے۔

مسلم اور ابن مردویہ نے احنف بن قیس کی زبانی نقل کیا کہ ابوذر آئے اور انھوں نے کہا کہ ذخیرہ کرنے والوں کو ایسے داغ دینے کی بشارت ہو جو ان کی پشت پر لگائے جائیں گے اور ان کے پہلوؤں سے نکلیں گے اور ان کی پیشانی پر داغ دیا جائے گا جو پسِ گردن سے نکلے گا۔ میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ ابوذر نے فرمایا: میں نے وہی کچھ کہا ہے جو میں نے ان کے نبی سے سنا ہے۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن الدر المنثور)

اِنَّ عِدَّۃَ الشُّہُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰہِ اثۡنَا عَشَرَ شَہۡرًا فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ یَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡہَاۤ اَرۡبَعَۃٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ۬ۙ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡہِنَّ اَنۡفُسَکُمۡ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ کَآفَّۃً ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُحِلُّوۡنَہٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوۡنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوۡا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوۡا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ ؕ زُیِّنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ اَعۡمَالِہِمۡ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۳۷﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَکُمۡ اِذَا قِیۡلَ لَکُمُ انۡفِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَی الۡاَرۡضِ ؕ اَرَضِیۡتُمۡ بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیۡلٌ ﴿۳۸﴾

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾ انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾ عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿٤٤﴾ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ
اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ
فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا
زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ
وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا
الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ
اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ
ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ اِنْ
تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ
اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا
مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ
وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ
بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا
اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَا

Presented by Ziaraat.Com

مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ
وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا
وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۚ اِنَّمَا يُرِيْدُ
اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ
كٰفِرُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۗ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ
وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ
مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي
الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا
هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ
وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى
اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ
عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۖ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾

"جس دن سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس دن سے ہی خدا کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ ان میں سے چار مہینے محترم ہیں۔ یہی سیدھا اور محکم دین ہے۔

لہٰذا ان مہینوں میں اپنے اُوپر ظلم نہ کرنا اور مشرکین سے تم سب مل کر لڑو جیسا کہ وہ مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ اہلِ تقویٰ کے ہی ساتھ ہے۔

محترم مہینوں میں تقدیم و تاخیر کفر میں مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے کافر گمراہی میں مبتلا کیے جا رہے ہیں کہ وہ ایک سال سے اسے حلال بنا لیتے ہیں اور دوسرے سال اسے حرام کر دیتے ہیں تا کہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی تعداد پوری کر دیں اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی کر لیں۔ ان کے بُرے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیئے گئے ہیں اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اے اہلِ ایمان! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمھیں اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چپک کر بیٹھ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے عوض دنیا پر قناعت کر لی ہے؟ دنیاوی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے مقابلہ میں انتہائی کم ہے۔ اگر تم نہ اُٹھو گے تو خدا تمھیں دردناک عذاب دے گا اور تمھارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو خدا نے اس وقت ان کی مدد کی ہے جب کافروں نے انھیں نکال دیا تھا۔ جب دو میں سے دوسرا تھا (اور اس وقت بھی مدد کی) جب غار میں وہ دو تھے (اور خدا نے اس وقت بھی مدد کی) جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ رنج نہ کرو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت اللہ نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور ان کی تائید ان لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے۔ اللہ نے کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول تو اُونچا ہی ہے۔ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہی تمھارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اگر آسانی سے ملنے والا فائدہ ہوتا اور سفر ہلکا

ہوتا تو وہ ضرور تمھارے پیچھے چلنے پر آمادہ ہوجاتے۔ مگر ان کے لیے راستے کی طویل مسافت مشکل بن گئی ہے اور یہ عنقریب خدا کی قسمیں کھا کر کہیں گے اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم آپ کے ساتھ ضرور نکل پڑتے۔ وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

اللہ آپ سے درگزر کرے، آپ نے انھیں پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دے دی (تمھیں چاہیے تھا کہ انھیں اس وقت تک رخصت نہ دیتے) یہاں تک کہ آپ پر سچ بولنے والے واضح ہوتے اور جھوٹوں کو بھی آپ معلوم کر لیتے۔

جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ ہرگز آپ سے یہ درخواست نہیں کریں گے کہ انھیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ متقین کو اچھی طرح سے جانتا ہے۔ ایسی اجازت تو صرف وہ لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک میں ہی اُلٹ پلٹ رہے ہیں۔

اگر یہ نکلنے کے خواہش مند ہوتے تو وہ اس کے لیے کچھ تیاری بھی کرتے لیکن خدا کو ان کا نکلنا ہی پسند نہیں ہے اور ان سے کہا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تمھارے ساتھ جہاد پر نکلتے تو تمھارے اندر خرابی کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور وہ تمھارے درمیان فتنہ پردازی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے اور خود تمھارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کی باتوں کو کان لگا کر سنتے ہیں، اللہ ظالموں کو اچھی طرح سے جانتا ہے۔

اس سے پہلے بھی انھوں نے فتنہ انگیزی کی کوششیں کی ہیں اور تمھیں ناکام کرنے کے لیے ہر طرح کی تدبیروں کا اُلٹ پھیر کر چکے ہیں یہاں تک کہ حق آ گیا اور حکمِ خدا غالب آ گیا اور یہ لوگ اسے ناپسند ہی کرتے رہ گئے۔

اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رہنے کی اجازت دیجیے اور مجھے آزمائش میں مت ڈالیے۔ سن رکھو! یہ لوگ فتنہ ہی میں تو پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو انھیں ناگوار گزرتی ہے اور اگر آپ پر کوئی مصیبت آجائے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا معاملہ پہلے ہی درست کرلیا تھا اور وہ خوش و خرم واپس چلے جاتے ہیں۔

آپ کہہ دیں کہ ہمیں تو بس وہی بھلائی یا تکلیف پہنچے گی جو خدا نے ہمارے لیے لکھی ہوگی۔ وہی ہمارا سرپرست ہے اور اہلِ ایمان کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔ آپ کہہ دیں تم ہمارے متعلق جس بات کا انتظار کر رہے ہو وہ تو ہمارے لیے دو میں سے ایک بھلائی کی حیثیت رکھتی ہے جب کہ ہم تمھارے لیے اس بات کے منتظر ہیں کہ خدا اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے تمھیں عذاب میں مبتلا کرے۔ اب تم انتظار کرو ہم بھی تمھارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔ آپ کہہ دیں تم اپنے مال خواہ راضی خوشی خرچ کرو یا بکراہت' بہر حال وہ قبول نہ کیے جائیں گے تم یقیناً فاسق لوگ ہو۔

ان کے خرچ کیے ہوئے مال کے قبول نہ ہونے کی اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے۔ یہ نماز بھی سُستی اور کسل مندی کے ساتھ بجا لاتے ہیں اور بادل نخواستہ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کے اموال اور اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈال دیں۔ خدا کا ارادہ تو یہی ہے کہ انھی کے ذریعہ سے انھیں دنیاوی زندگی میں عذاب دے اور انکارِ حق کی حالت میں ہی ان کی جانیں نکلیں۔

اور وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ یہ تمھیں میں سے ہیں حالانکہ یہ تم میں سے نہیں ہیں۔ یہ تو بزدل قسم کے لوگ ہیں۔ اگر وہ کوئی جائے پناہ پالیں یا انھیں کوئی کھوہ یا گھس جانے کی جگہ مل جائے تو وہ بھاگ کر اس میں جا چھپیں گے۔

اے نبیؐ! ان میں سے کچھ لوگ زکوٰۃ کی تقسیم کے لیے آپ پر اعتراض کرتے ہیں اگر انھیں اس میں سے کچھ دے دیا جائے تو خوش ہوجاتے ہیں اور اگر انھیں اس میں سے کچھ نہ ملے تو ناراض ہوجاتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ اور رسول نے انھیں جو کچھ دیا تھا وہ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ عنقریب وہ اور اس کا رسول اپنے فضل واحسان سے ہمیں عطا کریں گے۔ ہم یقیناً خدا کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں۔

صدقات (زکوٰۃ) تو دراصل فقیروں اور مساکین کے ہیں اور جو عاملینِ زکوٰۃ ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو اور گردنوں کو آزادی دلانے کے لیے اور قرض داروں کے لیے اور راہِ خدا میں اور غربت زدہ مسافروں کے لیے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے۔ اللہ خوب جاننے والا اور صاحبِ حکمت ہے"۔

مہینے بارہ ہیں اور ان میں چار مہینے حرام ہیں

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۶ اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔـوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۷

"جس دن سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس دن سے ہی خدا کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ یہ خدا کی کتاب تکوین کا فیصلہ ہے ان میں چار مہینے محترم ہیں۔ یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے لہٰذا ان مہینوں میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا اور تم سب مل کر مشرکین سے لڑو جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ یقیناً اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے"۔

محترم مہینوں میں تقدیم و تاخیر کفر میں مزید اضافی حرکت ہے جس سے کافر گمراہی میں مبتلا کیے جا رہے ہیں کہ وہ

اسے ایک سال حلال بنا لیتے ہیں اور ایک سال حرام بنا لیتے ہیں تا کہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی تعداد پوری کردیں اور جسے اللہ نے حرام کیا ہے اسے حلال بھی کرلیں۔ ان کے بُرے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیئے گئے ہیں اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

مذکورہ بالا آیات میں چار مہینوں یعنی رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم کی حرمت کے استقلال کا حکم دیا گیا ہے اور زمانۂ جاہلیت کی رسم نسی کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ان آیات میں مشرکین سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دنیا میں دو قسم کے مہینے رائج ہیں۔ اکثر اقوام و ملل کے ہاں شمسی مہینے رائج ہیں جب کہ اسلامی عبادات بالخصوص روزے اور حج کا تعلق قمری مہینوں سے ہے۔ قمری مہینہ عام انسانی حاسۂ چشم سے محسوس کیا جاسکتا ہے کیونکہ چاند کے بڑھنے اور گھٹنے سے یہ مہینہ تشکیل پاتا ہے۔ ایک شمسی سال تین سو پینسٹھ دن کا ہوتا ہے جب کہ ہر چار سال بعد اس میں مزید ایک دن کا اضافہ کر دیا جاتا ہے اور قمری سال تقریباً تین سو چون دنوں پر مشتمل ہوتا ہے اور قمری مہینے کسی خاص موسم کے پابند نہیں ہوتے۔

بارہ مہینوں سے ایک سال تشکیل پاتا ہے لیکن واضح رہے یہ تقسیم کار استوائی اور معتدل مناطق کے لیے ہے اور یہ زمین کے ۶۷ درجہ تک محدود ہے جب کہ شمالی اور جنوبی قطب میں یہ حساب کارآمد نہیں ہے کیونکہ قطبین میں ایک دن اور ایک رات ایک سال کا درجہ رکھتے ہیں۔

جزیرہ عرب میں لوٹ مار کا عام رواج تھا اور اکثر قبائل کی معیشت کا انحصار بھی اسی لوٹ مار پر ہوتا تھا۔ قبیلہ ''مضر'' عرب کا ایک طاقتور قبیلہ تھا وہ ماہِ رجب کو انتہائی محترم سمجھتے تھے اسی لیے کتب حدیث میں ''رجب مضر'' کے الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کے حج کو رواج دیا تھا۔ حج بیت اللہ کے لیے اہلِ عرب نے تین مہینوں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کو محترم قرار دیا تھا تا کہ حجاج ان مہینوں میں بے خوف ہو کر سفر حج کرسکیں اور حج کر کے واپس اپنے گھروں کو لوٹ سکیں۔ اور یوں اہلِ عرب ان چار مہینوں کو ''اشہر الحرم'' کہا کرتے تھے۔ ان مہینوں کے تقدس کا خصوصی خیال رکھا جاتا تھا اور کوئی کسی پر حملہ آور نہیں ہوتا تھا۔ مگر اہلِ عرب میں جہاں اور برائیاں موجود تھیں۔ وہاں ایک اور برائی ''نسئ'' کی شکل میں بھی موجود تھی۔ یعنی محترم مہینوں کو آگے پیچھے کر دیتے تھے۔ مثلاً اگر کسی قبیلہ نے دوسرے قبیلہ سے انتقام لینا ہوتا تو وہ قبیلہ اعلان کرا دیتا کہ اس سال ''محرم'' کا مہینہ محترم نہیں ہوگا اس کی بجائے ''صفر'' کا مہینہ محترم ہوگا اور یوں وہ حرمت والے مہینوں کو آگے پیچھے کر کے اپنا مقصد حاصل کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حرکت کو کفر میں اضافہ سے تعبیر کیا ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے' آپؑ نے اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ...... کی آیت پڑھ کر فرمایا: سال کے مہینے بارہ ہیں۔ ان میں سب سے محترم مہینہ خدا کا مہینہ رمضان المبارک ہے اور ماہِ رمضان کا دل شب قدر ہے۔ قرآن مجید ماہ رمضان کی چاندرات میں نازل ہوا تھا۔ تم اس مہینہ کا استقبال قرآن کے ساتھ کرو۔

بیت اللہ کی حرمت اور ''کعب الاحبار'' کی تردید

زرارہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ حرم بیت اللہ میں بیٹھا تھا۔ آپؑ زانو اٹھائے ہوئے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے تھے' آپؑ نے فرمایا: آگاہ رہو! کعبہ شریف کا دیکھنا عبادت ہے۔ اتنے میں بنی بجیلہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص آیا جس کا نام عاصم بن عمرو تھا۔ اس نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا کہ کعب الاحبار کہا کرتا تھا کہ روزانہ فجر کے وقت کعبہ بیت المقدس کو سجدہ کرتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''کعب الاحبار'' کے اس قول کے متعلق تیرا اپنا نظریہ کیا ہے؟

اس شخص نے کہا کہ میری نظر میں کعب الاحبار نے سچ کہا تھا۔ یہ سن کر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: تو نے جھوٹ کہا اور تیرے ساتھ کعب الاحبار نے بھی جھوٹ کہا۔ امام علیہ السلام نے یہ فقرات بڑے غیظ وغضب کے عالم میں فرمائے۔

زرارہ کا بیان ہے کہ اس سے پہلے میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی زبان سے ''تو نے جھوٹ کہا'' کا جملہ کبھی نہیں سنا تھا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین کا کوئی ایسا ٹکڑا پیدا نہیں کیا جو اسے کعبہ سے زیادہ محبوب ہو۔ پھر آپؑ نے اپنے ہاتھ سے کعبہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اس سے زیادہ خدا کو کوئی ٹکڑا عزیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی زیارت اور حج کے لیے شوال' ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے تین مہینوں کو مسلسل حرام کیا اور رجب کو علیحدہ حرام بنایا تا کہ اس میں لوگ عمرہ کر سکیں۔

شیخ الطائفہ کتاب الغیبۃ میں رقمطراز ہیں کہ جابر جعفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ کی آیت مجیدہ کی تاویل دریافت کی تو آپؑ نے ٹھنڈی سانس بھری اور فرمایا:

جابر! سال میرے نانا جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اس کے بارہ مہینوں سے ہم بارہ امام ہیں جن کا

پہلا فرد حضرت علی علیہ السلام اور آخری فرد حضرت مہدی علیہ السلام ہیں۔ یہ سب خلقِ خدا پر حجت ہیں اور آنحضرتؐ کی وحی اور ان کے علم کے امین ہیں اور ان میں چار محترم مہینوں سے وہ امام مراد ہیں جن کا نام علیؑ ہے یعنی حضرت علی علیہ السلام، میرے والد علی زین العابدین علیہ السلام، پھر علی بن موسیٰ علیہ السلام اور پھر علی بن محمد علیہ السلام۔ چنانچہ ان کا اقرار ہی دین قیم ہے۔"ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو" مقصد یہ ہے کہ سب کی امامت کا عقیدہ رکھو تاکہ تم ہدایت یافتہ بن سکو۔

تفسیر عیاشی میں امیرالمومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری نے زور پکڑا تو آپؐ نے فرمایا:

لوگو! ایک سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: رجب اکیلا ہے۔ پھر ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے مسلسل تین مہینے ہیں۔ آگاہ رہو! ماہ رمضان کے روزے فرض کیے گئے ہیں۔ جب رمضان کا چاند دکھائی دے تو روزہ رکھو اور جب شوال کا چاند دکھائی دے تو افطار کرو۔ اگر چاند دکھائی نہ دے تو پھر شعبان کے تیس دن پورے کرو۔ اکتیسویں دن روزہ رکھو۔

کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (خدا کے ہاں کتاب تکوین میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اس میں چار مہینے حُرمت والے ہیں) بارہ مہینوں کے نام یہ ہیں: محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الاخر، جمادی الاول، جمادی الاخر، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوقعدہ اور ذوالحجہ۔ اور ان میں حرمت والے چار مہینے یہ ہیں: ذی الحجہ کے آخری بیس دن، محرم، صفر، ربیع الاول اور ربیع الآخر کے پہلے دس دن۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مہینے بارہ مقرر فرمائے اور ان کے دنوں کی تعداد اصولی طور پر تین سو ساٹھ دن بنتی تھی لیکن اس میں سے تخلیق ارض وسماء کے چھ دن نفی کیے گئے اسی لیے قمری سال کے دن تین سو ساٹھ سے کم ہیں۔

عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ رسولِ خدا پر ایام تشریق میں اذاجآء نصر اللّٰہ......کی سورت نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے یہ استنباط کیا کہ آپ کی زندگی کے ایام ختم ہونے والے ہیں۔ چنانچہ آپؐ اپنی ناقہ "عضباء" پر سوار ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کے بعد فرمایا:

لوگو! مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں: ۱- رجب' جو کہ جمادی الاخر اور شعبان کے درمیان ہے ۲- ذوقعدہ ۳- ذی الحجہ ۴- محرم۔ ان کی حرمت کو پامال کر کے اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً کے ضمن میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ کــافة کا معنی ہے ''مل کر''۔ یعنی آیت مجیدہ کا معنی یہ ہے کہ تم سب مل کر مشرکین سے جنگ کرو جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں۔

حرمت والے مہینوں کی تقدیم و تاخیر کفر میں اضافہ ہے

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهٗ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهٗ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ اَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ﴿۳۷﴾

''محترم مہینوں میں تقدیم و تاخیر کفر میں اضافہ ہے جس سے کافر گمراہی میں مبتلا کیے جا رہے ہیں کہ وہ اسے ایک سال حلال بنا دیتے ہیں اور دوسرے سال اسے حرام قرار دیتے ہیں تا کہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی تعداد پوری کر دیں اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی کر لیں۔ ان کے برے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیے گئے ہیں اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اس آیت مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ بنی کنانہ کا ایک شخص ایام حج میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیتا تھا کہ اس سال میں نے ماہ محرم کو حلال کر دیا ہے اور اس کے عوض ماہ صفر کو حرام کر دیا ہے اور آئندہ سال محرم حرام رہے گا اور صفر حلال رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی غلط رسم کے ابطال کے لیے إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ...... کی آیت نازل فرمائی۔

کتاب الخصال میں بھی یہ روایت مرقوم ہے البتہ اس میں یہ اضافی الفاظ موجود ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شیطان تمھارے علاقہ میں اپنی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے نسئ کو الــنَّســیُ بروزن الهــدیٰ پڑھا۔ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ مشرکین کی عادت تھی کہ وہ ہر سال کے دو ماہ میں حج پڑھتے تھے مثلاً وہ ذی الحجہ میں دو سال حج پڑھتے تھے' پھر

دو سال محرم میں حج پڑھتے تھے پھر دو سال صفر میں حج پڑھتے تھے اور یوں سال کے دو ماہ میں حج پڑھتے تھے۔ حجۃ الوداع سے ایک سال قبل مشرکین نے ماہ ذی قعدہ میں حج پڑھا تھا پھر ۱۰ ہجری میں آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع کیا تو اس سال حج ماہ ذی الحجہ میں ہی ہونا تھا اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطبہ میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے:

''آج زمانہ اپنی گردش مکمل کر کے اسی مقام پر پہنچ گیا ہے جس مقام پر وہ ارض وسماء کی تخلیق کے وقت تھا۔ ایک سال کے بارہ مہینے ہیں۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں جن میں سے ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ ہیں اور ان کے علاوہ ماہ رجب حرمت والا مہینہ ہے جو کہ جمادی الاخر اور شعبان کے درمیان ہے''۔

ان الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دراصل یہ پیغام دیا تھا کہ حرمت والے مہینے اب اپنے اصل مقام پر پہنچ چکے ہیں اور حج اپنے صحیح مہینہ ذی الحجہ میں آچکا ہے اور تقدیم وتاخیر کا قانون باطل ہے۔

ترغیب جہاد

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۳۸ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـــًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹

''اے اہلِ ایمان! تمھیں کیا ہوگیا ہے جب تمھیں اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چپک کر بیٹھ گئے۔ کیا تم نے آخرت کے عوض دنیا پر قناعت کرلی ہے جب کہ دنیاوی زندگی کا سازوسامان آخرت کے مقابلہ میں انتہائی کم ہے۔ اگر تم نہ اُٹھو گے تو خدا تمھیں دردناک عذاب دے گا اور تمھارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے''۔

نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں: خدا تم پر رحم کرے اپنے دشمنوں سے لڑنے کے لیے چل پڑو اور سست ہوکر زمین سے چپٹے نہ رہو۔ ورنہ یاد رکھو کہ ظلم وستم سہتے رہو گے اور ذلت میں پڑے رہو گے اور تمھارا حصہ انتہائی پست ہوگا۔ سنو! جنگ آزما ہوشیار و بیدار رہا کرتا ہے اور جو سو جاتا ہے دشمن اس سے غافل ہوکر سویا نہیں کرتا۔

شب ہجرت

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

''اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو خدا نے اس وقت ان کی مدد کی ہے جب کافروں نے اسے نکالا تو وہ دو میں کا دوسرا تھا۔ خدا نے اس وقت مدد کی جب وہ غار میں دو تھے۔ خدا نے اس وقت مدد کی جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ رنج نہ کر یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل کی اور ایسے لشکروں سے ان کی مدد کی جو تمھیں دکھائی نہ دیئے اور کافروں کا بول پست کر دیا اور خدا کا بول تو اُونچا ہی ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

اس رکوع کی اکثر آیات کا تعلق جنگِ تبوک سے ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگِ تبوک کے لیے روانہ ہونے اور لشکر کو تیار کرنے کا اعلان کیا تو اس وقت موسم سخت گرم تھا اور کھجوروں کی فصل پکنے کے قریب تھی۔ اس لیے منافقین نے ٹال مٹول سے کام لیا اور مختلف حیلے بہانے شروع کیے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو جہاد کی ترغیب دی اور ان آیات میں انھیں غیرت دلائی تھی کہ تم کیسے مومن ہو جب تمھیں راہِ خدا میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو زمین پر چپک کر بیٹھ جاتے ہو اور ہلنے جلنے کا نام تک نہیں لیتے۔ اگر تم نے اپنی روش کو نہ بدلا تو خدا تم پر دردناک عذاب نازل کرے گا اور اسلام کی خدمت کے لیے خدا تمھارے عوض کسی دوسری قوم کا انتخاب کرے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہی رات کے تین مواقع کا تذکرہ کیا اور فرمایا: ان تین مواقع پر تمھاری کوئی مدد شامل نہیں تھی۔ میں نے ہی اپنے حبیب کی ان مواقع پر مدد کی۔ پہلا موقع وہ تھا جب گھر میں دو فرد تھے ایک رسولؐ خدا تھے اور ایک علی مرتضیٰ تھے۔ رسولؐ خدا نے گھر چھوڑا تو اس وقت علی مرتضیٰ گھر میں محمد مصطفیٰ کے بستر پر سو گئے۔ باہر نبی اکرمؐ کے دشمنوں نے گھر کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ اس وقت میں نے ہی اپنے حبیب کو خون آشام درندوں کے درمیان میں سے خیر و عافیت کے ساتھ گزارا۔ کسی بھی دشمن نے نبی کو گھر سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔

دوسرا موقع وہ تھا جب غار میں دو ہو چکے تھے۔ چنانچہ اس ساتھی کا غار میں آنا بھی سخت مصیبت کا موقع تھا۔ اس موقع پر بھی میں نے ہی مدد کی تھی۔ تیسرا موقع اس وقت پیش آیا جب کافر نشانِ قدم کو دیکھتے ہوئے غار کے دروازہ پر پہنچ گئے اور

ساتھی نے تقاضائے بشریت سے مجبور ہو کر جزع فزع شروع کر دی۔ اگر کافر اس کی آواز سن لیتے تو وہ غار میں چلے آتے اور حبیبؐ خدا کو شہید کر دیتے۔ چنانچہ اس حساس اور فیصلہ کن لمحہ پر بھی میں نے ہی اپنے حبیبؐ کی مدد کی تھی۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ رسولؐ خدا نے اپنے مضطرب ساتھی کو کئی بار تسلی دی تھی۔ پھر اللہ نے اپنی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تسکین نازل فرمائی اور ان کی مدد کے لیے ایسے لشکر بھیج دیئے جو کسی کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ یوں کافروں کا منصوبہ ناکام رہا اور خدا کا بول بالا رہا اور جہاں تک خدا کی معیت کی بات ہے تو اس سے معیت عمومی مراد ہے جو کہ ہر کسی کو حاصل ہے۔

کتاب الخصال میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: ایک یہودی سربراہ نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ نے نبی کی زندگی میں آپؑ کی کتنی بار آزمائش کی تھی؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں میری سات مقامات پر آزمائش کی اور خدا کی نعمت سے میں ہر آزمائش میں سرخرو ہوا۔

میری دوسری آزمائش اس وقت ہوئی جب قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا منصوبہ تشکیل دیا اور اس منصوبہ سازی کے وقت ابلیس لعین ایک کانے ثقفی کی صورت میں موجود تھا۔ اس نے مختلف آراء سننے کے بعد قریش کو مشورہ دیا تھا کہ قریش کے ہر گھرانے میں سے ایک ایک شخص لیا جائے اور سب مل کر بیک وقت محمدؐ پر حملہ کر دیں۔ اس طرح بنی ہاشم انتقام نہیں لے سکیں گے اور یوں محمدؐ کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔

جبریل امینؑ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے اور انھیں قریش کے منصوبہ سے مطلع کیا اور بتایا کہ وہ فلاں رات آپؐ پر آخری حملہ کریں گے۔ جب وہ رات آئی تو نبی اکرمؐ نے مجھے بلایا اور کفار کے منصوبہ سے مجھے آگاہ کیا اور مجھے اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا۔ میں نے خوش ہو کر تعمیلِ حکم کا وعدہ کیا۔ آپؐ ہجرت کر کے چلے گئے اور میں آنحضرتؐ کے بستر پر سو گیا۔ قریش ساری رات انتظار کرتے رہے۔ صبح کے وقت وہ گھر میں داخل ہوئے جیسے ہی وہ اندر آئے تو میں تلوار لے کر ان کے مقابلہ پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبہ کو ناکام کیا اور اپنے پیغمبرؐ کی حفاظت فرمائی۔

پھر آپؑ نے وہاں پر موجود افراد سے فرمایا: لوگو! کیا ایسا نہیں ہے؟ سب نے کہا: جی ہاں، آپؑ نے صحیح فرمایا۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر کو خطاب کر کے فرمایا تھا تجھے خدا کی قسم! یہ بتاؤ شب ہجرت رسولؐ خدا کی قربانی بن کر تم سوئے تھے یا میں سویا تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: آپؑ سوئے تھے۔

آپؑ نے مجلس شوریٰ کے اراکین کے سامنے بھی اپنی اس لازوال قربانی کی داستان کو دہرا کر فرمایا تھا کہ بتاؤ شب ہجرت رسولِ اکرمؐ کی جان تم نے بچائی تھی یا میں نے بچائی تھی؟ وہاں پر موجود حاضرین نے کہا کہ آپؑ نے ہی رسولِ خداؐ کی جان بچائی تھی۔

الخصال کے باب ''مناقب امیرالمومنین وتعدادھا'' میں حضرت علی علیہ السلام کی زبانی مرقوم ہے، آپؑ نے فرمایا: میری ساتویں فضیلت یہ ہے کہ جب رسولِ خداؐ ہجرت کر کے غار کی طرف گئے تھے تو اس رات آپؑ نے مجھے اپنے بستر پر سلایا تھا اور آپؑ نے مجھے اپنی چادر اڑھائی تھی۔ جب مشرکین آئے تو وہ سمجھے یہ محمدؐ ہے۔ انھوں نے مجھے بیدار کیا۔ جب انھوں نے نبی اکرمؐ کی جگہ مجھے دیکھا تو کہا محمدؐ کہاں گئے ہیں؟

میں نے کہا وہ کسی ضرورت کے تحت باہر گئے ہیں۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: اگر محمدؐ بھاگ گیا ہوتا تو یہ بھی اس کے ساتھ بھاگ گیا ہوتا۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عمر کی قائم کردہ مجلس شوریٰ میں اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا: بتاؤ، رسولِ خداؐ کے پاس غار میں کھانا لے کر کون جاتا تھا اور انھیں مکہ کے حالات سے کون آگاہ کرتا تھا۔ کیا یہ کام تم نے کیا تھا یا میں نے کیا تھا؟ حاضرین نے کہا کہ یہ کام آپؑ نے ہی کیا تھا۔

احتجاج طبرسی میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انبیائے سابقین پر فضیلت کی ایک طویل گفتگو مرقوم ہے جو حضرت علی علیہ السلام نے یہودی علماء کے سوالات کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی۔ اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے:

یوسف علیہ السلام اگر کنوئیں میں رہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی غار میں پوشیدہ رہے اور غار میں قیام کے دوران آپؐ نے اپنے ساتھی سے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (رنج نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے) کے جملے ارشاد فرمائے تھے۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت ابوطالب نے تحفظ پیغمبر کی مصلحت کے پیش نظر اپنے ایمان کو مخفی رکھا تھا۔ جب ان کی وفات ہوگئی تو اللہ نے اپنے پیغمبر کو وحی فرمائی کہ اب آپ مکہ چھوڑ دیں یہاں آپ کا کوئی مددگار باقی نہیں رہا۔

روضہ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رفیق غار سے فرمایا کہ پرسکون رہو جب کہ آپؐ کے ساتھی پر کپکپی طاری تھی اور اسے کسی طرح سے سکون نہیں آ رہا تھا۔ جب آنحضرتؐ نے ساتھی کی یہ حالت مشاہدہ فرمائی تو اس سے فرمایا: اگر چاہو تو میں تمھیں اپنے انصار ساتھی دکھاؤں جو اپنی محافل میں محوِ گفتگو ہیں

اور اگر چاہو تو میں تمھیں جعفر (بن ابی طالب) اور اس کے ساتھی دکھاؤں جو سمندر میں غوطہ خوری کر رہے ہیں؟

ساتھی نے کہا: جی ہاں، اس کے بعد آنحضرتؐ نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو اس نے انصار کو ان کی محافل میں محو گفتگو دیکھا اور جعفر اور اس کے ساتھیوں کو سمندر میں غوطہ خوری کرتے ہوئے دیکھا۔ چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ یہ روایت تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی مرقوم ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا میں "ہ" کی ضمیر کا مرجع رسولِ خدا کی ذات بابرکات ہے۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حسن بن جہم نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ لوگ ہمارے سامنے ثَانِيَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ کی آیت پڑھ کر ہمارے خلاف استدلال کرتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مگر یہ تو دیکھو اس کے بعد یہ الفاظ ہیں: فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا۔ اگر کسی ساتھی کی رفاقت منظورِ خدا ہوتی تو اللہ واحد کی بجائے تثنیہ کے صیغے استعمال کرتا۔ جب کہ اللہ نے واحد کے صیغے استعمال کیے ہیں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی اسی مفہوم کی ایک اور روایت مروی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اور سعد کا مکالمہ مذکور ہے جس میں یہ گفتگو بھی مرقوم ہے: سعد! تمھارے مخالف نے اپنے نظریہ کے اثبات اور تمھارے عقیدہ کے ابطال کے لیے تمھارے سامنے یہ دلیل پیش کی ہے کہ جب رسولِ مختار کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوا تو آپؐ نے ہجرت کی اور ہجرت کے موقع پر ایک بزرگ کو اپنا ساتھی بنایا اور اسے ساتھی بنانے میں مصلحتِ نبوت یہ تھی کہ رسولِ خدا نے دیکھا کہ اسلام اور قرآن کے لیے جتنا میرا وجود ضروری ہے اتنا میرے اس ساتھی کا وجود بھی ضروری ہے کیونکہ اسے مستقبل میں اُمت کی باگ ڈور سنبھالنا ہے اور اس نے حدود الٰہی کو قائم کرنا ہے اور بلاد کفر کو فتح کرنے کے لیے اس نے لشکر روانہ کرنے ہیں۔ لہٰذا اسلام کو جتنی میری ضرورت ہے اتنی ہی میرے ساتھی کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ یہی سوچ کر رسولِ خدا نے انھیں اپنا رفیقِ سفر بنایا تھا۔ جب کہ نبی اکرمؐ نے دیکھا کہ علیؑ کا وجود ایک بوجھ ہے اور علیؑ رہا تو رہا اور اگر نہ بھی رہا تو بھی اسلام کو اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ اسی لیے نبی اکرمؐ نے علیؑ کی جان کی حفاظت کی فکر نہیں کی تھی اور اسے بستر موت پر سلا دیا تھا۔ کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ اگر علیؑ بالفرض

مارے بھی گئے تو اُمت میں ایسے بہت سے افراد موجود ہیں جو علیؑ جیسے کارنامے ادا کر سکتے ہیں۔

سعد نے کہا مولاؑ! آپؑ نے بالکل سچ فرمایا۔ مخالف نے مجھ سے یہی گفتگو کی تھی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا تمھیں اس کے جواب میں یہ کہنا چاہیے تھا کہ تم لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خلفاء پیغمبر چار ہیں اور نبی اکرمؐ نے ان کی خلافت کی پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا الخلافة بعدی ثلاثون سنة "میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی" اور اس حدیث کے تحت چار خلفاء ہی خلفائے راشدین تصور کیے جاتے ہیں۔ اگر نبی اکرمؐ کا صرف ایک ہی خلیفہ ہوتا تو تمھاری مذکورہ گفتگو صحیح ہوسکتی تھی جب کہ آپ کے بعد تو چار افراد نے منصب خلافت پر فائز ہونا تھا۔ بھلا اس میں کیا حکمت تھی کہ نبیؐ اپنے ایک خلیفہ کو بچانے کے لیے تو اتنے سرگرم تھے اس کے علاوہ باقی تین خلفاء کی جانوں کو آپؐ نے اہمیت کیوں نہیں دی تھی؟؟

اگر مقصد اپنے خلیفہ کی جان کی حفاظت تھا تو دوسرے تین خلفاء کو اپنے ساتھ لے کر کیوں نہ گئے کیا باقی تین خلفاء اسلام کے لیے غیر ضروری تھے؟ اگر تم مخالف کو یہ جواب دیتے تو اس کے استدلال کا تار و پود ہی بکھر جاتا۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ جنگِ جمل کے بعد مسجد کوفہ میں یہ بحث چلی کہ اگر حضرت علی علیہ السلام کے سابقہ سیاسی حریف حق پر نہ ہوتے تو آپؑ ان سے بھی ویسے ہی جنگ کرتے جیسا کہ آپؑ نے طلحہ و زبیر سے جنگ کی ہے۔

یہ بات حضرت علی علیہ السلام تک پہنچی آپؑ نے الصلاۃ الجامعة کی منادی کرائی۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ منبر پر تشریف لائے اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔ لوگوں نے کہا: امیرالمومنینؑ! واقعی ہم نے یہ باتیں کی ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: میں نے اپنے مخالفین سے جنگ نہ کر کے چھ انبیاء کی سنت کی پیروی کی ہے۔ میں نے جنگ نہ کر کے حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہم کی پیروی کی ہے۔

تمھیں علم ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی قوم سے خطرہ محسوس کیا تو آپؐ نے گھر چھوڑا اور غار میں جا کر چھپ گئے تھے اور مجھے اپنے بستر پر سلایا تھا۔ اب اگر تم کہو کہ رسولؐ خدا نے خوف کے بغیر گھر چھوڑا تھا تو کافر بن جاؤ گے اور اگر کہو کہ خوف لاحق تھا جس کی وجہ سے انھوں نے ہجرت کی تھی اور مجھے اپنے بستر پر سلایا تھا تو جب نبیؐ نے مخالفین سے جنگ نہیں کی تھی تو وصی نے بھی مخالفین سے جنگ نہ کر کے ان کی سنت پر عمل کیا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (نکلو ہلکے ہو کر اور بوجھل ہو کر) کا مفہوم یہ ہے کہ تم

جوان ہو تو بھی جہاد کے لیے نکلو اور اگر بوڑھے ہو تو بھی جہاد کے لیے نکلو۔

طولانی سفر جہاد سے مانع تھا

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّا تَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

"اگر آسانی سے ملنے والا فائدہ ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور تمھارے پیچھے چلنے پر آمادہ ہو جاتے لیکن ان کے لیے راستے کی طویل مسافت مشکل بن گئی ہے اور یہ عنقریب خدا کی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکل پڑتے۔ وہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں جب کہ خدا جانتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں"۔

کتاب التوحید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ وہ لوگ جہاد کے لیے سفر کرنے کی استطاعت رکھتے تھے لیکن وہ دو وجوہات کی بنا پر جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ انھیں مالِ غنیمت ملنے کا یقین نہیں تھا اور دوسری وجہ راستے کی دُوری تھی۔

ایک اور روایت میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اللہ نے ان کے اس قول کی تردید کی ہے کہ ان کے پاس سفر کی استطاعت نہیں تھی۔ وہ لوگ سفر کے لیے مطلوب وسائل سے مالا مال تھے۔

تفسیر عیاشی میں بھی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ روایت منقول ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ عَرَضًا قَرِيبًا سے جلد ملنے والی غنیمت مراد ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک سے طویل اور اس سے زیادہ پُرمشقت سفر نہیں کیا تھا۔ شام کے علاقہ میں رہائش پذیر نبطی نسل کے لوگ اشیاء کی خرید وفروخت کے لیے مدینہ آیا کرتے تھے۔ ایک سال جب وہ مدینہ آئے تو انھوں نے یہاں پہنچ کر یہ خبر دی کہ رومی رسولؐ خدا سے جنگ کے لیے جمع ہو چکے ہیں اور جنگ کے لیے انھوں نے بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے اور رومیوں کی مدد کے لیے ہرقل بھی اپنی افواج لے کر ان کے ساتھ شامل ہو گیا ہے اور ان کی مدد کے لیے عنان، جذام، بہراء اور عاملہ قبائل کے لوگ بھی ان کے لشکر میں شامل ہو چکے ہیں اور رومیوں کا لشکر "بلقاء" تک پہنچ چکا ہے اور رومی سلطان "حمص" میں قیام پذیر ہے۔

جب رسولؐ خدا نے یہ خبر سنی تو آپؐ نے تبوک کی طرف سفر کرنے کا حکم دیا۔ تبوک بلقاء کا ایک قصبہ ہے۔ آپؐ نے بنی خزاعہ، مزنیہ اور جہینیہ قبائل کی طرف قاصد روانہ فرمائے اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ آپؐ نے مدینہ سے باہر ثنیۃ الوداع نامی مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ آپؐ نے اہلِ ثروت کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کی تیاری کرائیں جن کے پاس سفر کے وسائل موجود نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں آپؐ نے بلیغ خطبہ دیا جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور دُور دُور سے عرب آکر آپ کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔ مگر اس حساس موقع پر منافقین نے اپنی منحوس روش کو قائم رکھا۔ ان منافقین نے لوگوں کو رومیوں کی قوت سے ڈرایا اور کہا کہ یہ جنگ کسی عرب قبیلہ سے نہیں بلکہ ایک مضبوط اور مستحکم حکومت سے جنگ ہے لہٰذا اس جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کے دور تک آثار دکھائی نہیں دیتے۔

ایسے ہی منافقین میں ایک منافق جد بن قیس بھی تھا۔ آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا: ابو وہب! ہمارے ساتھ تم بھی جہاد پر چلو۔ اس بدبخت نے ایک عجیب بہانہ بنایا اور کہا: یارسولؐ اللہ! میں آپؐ کے ساتھ ضرور چلتا لیکن میں اپنی ایک فطری مجبوری کے تحت آپؐ کے ساتھ نہیں جانا چاہتا اور آپ بھی مجھے اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہ کریں۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میں حسین عورتوں کو دیکھ کر دیوانہ ہو جاتا ہوں اور جس علاقہ میں آپؐ نے جانا ہے وہاں کی عورتیں بڑی خوبصورت ہوتی ہیں لہٰذا میں اس علاقہ میں جا کر اپنے آپ کو گناہ گار کرنا پسند نہیں کرتا۔ آپؐ میری اس مجبوری کو مدنظر رکھیں اور مجھے گھر میں ہی رہنے دیں۔

اس نے اسی طرفہ بہانے پر ہی اکتفا نہیں کی تھی بلکہ اس نے لوگوں سے یہ بھی کہا تھا کہ شدید گرمی پڑ رہی ہے تم بھی اس گرمی میں سفر پر مت نکلو۔ محمدؐ کو غلط فہمی ہے۔ اس نے رومیوں کو بھی اعراب قبیلہ سمجھ رکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان میں سے کوئی بھی بچ کر گھر واپس نہیں آئے گا۔

اس کے بیٹے نے باپ کی باتیں سنیں تو اس نے باپ کو غیرت دلاتے ہوئے کہا کہ تجھے ایسی باتیں بناتے وقت حیا آنی چاہیے۔ اگر اللہ نے ان باتوں کو قرآن میں نازل کر دیا تو لوگ اسے قیامت تک پڑھتے رہیں گے اور تیری رسوائی ہوتی رہے گی۔ چنانچہ اللہ نے اس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ۝ "اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ آپ مجھے گھر میں ٹھہرنے کی اجازت دے دیں اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں آگاہ رہو کہ وہ فتنہ میں تو پڑ ہی چکے ہیں اور دوزخ کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے"۔

خطاب نبیؐ سے ہے اور مراد اُمت ہے

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ مامون الرشید نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ عصمتِ انبیاء کے قائل ہیں؟ آپؑ نے کہا: جی ہاں۔

مامون نے کہا: اگر انبیاء معصوم ہیں تو پھر عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (خدا آپ کو معاف کرے آپ نے انھیں گھر رہنے کی اجازت کیوں دی؟) کی آیت مجید کا کیا مقصد ہے؟

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: قرآن مجید میں کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن میں خطاب نبی اکرم سے ہے لیکن اس سے مراد ان کی اُمت ہے اور یہ آیت بھی انھی آیات میں شامل ہے۔ اسی طرح سے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الزمر: ۶۵) ''اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے اور تو نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا'' اور وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۴) ''اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ بھی ان کی طرف کچھ نہ کچھ ضرور مائل ہو جاتے'' کی آیات کا تعلق بھی آیات کی اسی قسم سے ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (اللہ آپ سے درگزر کرے آپ نے انھیں پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دے دی یہاں تک کہ آپ پر سچ بولنے والے واضح ہوتے اور جھوٹوں کو بھی آپ معلوم کر لیتے) کی آیت مجیدہ کے ضمن میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیؐ سے یہ فرمایا ہے کہ آپؐ انھیں اجازت اس وقت دیتے جب آپؐ کو معلوم ہو جاتا کہ ان میں سے معذور کون ہیں اور بغیر عذر شرعی کے گھر میں بیٹھنے کے خواہش مند کون ہیں؟

شک بڑی مصیبت ہے

...... فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ ''وہ اپنے شک میں ہی اُلٹ پلٹ رہے ہیں''۔

کتاب الخصال میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: جو اپنے شک میں اُلٹا پلٹتا رہے گا تو پہلے اس سے سبقت حاصل کر لیں گے اور پیچھے آنے والے اسے مل جائیں گے اور شیاطین کے سُم اس کے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔

نہج البلاغہ میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا: جو شک میں الٹا پلٹتا رہا تو شیاطین کے سُم اسے پامال کر دیں گے۔

تفسیر عیاشی میں مغیرہ سے منقول ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً (اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کچھ تیاری بھی کرتے) کی آیت مجیدہ میں عُدَّةً سے نیت مراد ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ان کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو دل میں نکلنے کا قصد تو کرتے لیکن انھوں نے تو آج تک اس طرح کا قصد ہی نہیں کیا ہے۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: جب تم حج کا ارادہ کرو تو اشیائے سفر کی خریداری کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً "اگر ان کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو وہ اس کی تیاری تو کرتے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ (اور اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو انھیں بری محسوس ہوتی ہے) میں حَسَنَةٌ (بھلائی) سے مراد غنیمت اور عافیت ہے۔

دو بھلائیوں میں سے ایک

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝

"آپ کہہ دیں کہ تم ہمارے متعلق جس بات کا انتظار کر رہے ہو وہ تو ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی کا درجہ رکھتی ہے جب کہ ہم تمھارے متعلق اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ خدا اپنی طرف سے تم پر عذاب نازل کرے یا ہمارے ہاتھوں سے تمھیں عذاب دے۔ تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمھارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ آپ منافقین سے کہہ دیں جو کہ اس امر کے منتظر ہیں کہ یا تو انھیں فتح ملے گی یا یہ قتل ہو جائیں گے۔ یہ دونوں باتیں ہمارے لیے بھلائی کا درجہ رکھتی ہیں کیونکہ اگر ہمیں فتح ملی تو ہم کامیاب رہیں گے اور اگر بالفرض ہم اعلائے کلمۃ الحق کے لیے مارے بھی گئے تو بھی یہ ہمارے لیے نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ شہادت ہمارے لیے باعثِ افتخار ہے۔ دونوں صورتوں میں ہمارا فائدہ ہی فائدہ ہے جب کہ ہم تمھارے متعلق دو امور

میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمیں تمھارے متعلق عذاب خدا کا انتظار ہے اور دوسرا انتظار یہ ہے کہ خدا ہمارے ہاتھوں تمھیں عذاب دے۔

اسی آیت مجیدہ کو مدنظر رکھ کر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے شیعوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا جیسا کہ روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ تمھارے مخالفین تمھارے متعلق دو میں سے ایک بات کے منتظر ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تم اطاعتِ الٰہی میں مرجاؤ گے اور یہ صورت تمھارے لیے ایک بھلائی کا درجہ رکھتی ہے۔ تمھارے مخالفین تمھارے متعلق دوسرا انتظار یہ کر رہے ہیں کہ تم ظہورامام کو حاصل کرلو گے اور یہ بات بھی تمھارے لیے باعث اعزاز ہے جب کہ ہمیں ان کے متعلق دو باتوں کا انتظار ہے۔ پہلا انتظار تو یہ ہے کہ خدا اپنی طرف سے عذاب بھیج کر ان کو مسخ کر دے گا اور دوسرا انتظار یہ ہے کہ خدا ہمیں ان پر غلبہ دے کر انھیں ہمارے ہاتھوں سے قتل کرا دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا تھا: فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ۝ (تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں) اور تَـرَبُّصْ دشمنوں پر آزمائش نازل ہونے کے انتظار کو کہا جاتا ہے۔

نہج البلاغہ میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں۔ اسی طرح سے وہ مسلمان جو بددیانتی سے پاک دامن ہو دو اچھائیوں میں سے ایک کا منتظر رہتا ہے یا اللہ کی طرف سے بلاوا آئے یا اس شکل میں اللہ کے یہاں کی نعمتیں ہی اس کے لیے بہتر ہیں اور یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے (دنیا کی) نعمتیں حاصل ہوں تو اس صورت میں اس کے مال بھی ہے اور اولاد بھی اور پھر اس کا دین اور عزتِ نفس بھی برقرار رہے۔

منافقین کے اعمال قبول کیوں نہیں ہیں؟

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ۝

"ان کے خرچ کیے ہوئے مال کے قبول نہ ہونے کی اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور یہ نماز بھی ادا کرتے ہیں تو سُستی اور کسل مندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور وہ بادل نخواستہ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان کے اموال اور اولاد آپ کو حیرت

میں نہ ڈالیں۔ خدا کا ارادہ تو یہی ہے کہ وہ انھیں اسی کے ذریعہ سے دار دنیا میں عذاب دے اور حالتِ کفر میں ہی ان کی جا میں نکلیں"۔

آیاتِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ حیاتِ پیغمبرؐ میں منافقین کی دو مشہور علامتیں تھیں:

۱- وہ نماز کسل مندی اور سستی سے پڑھتے تھے جب کہ مومن پورے شوق و اخلاص کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ منافق مسجد میں یوں تنگ ہوتا ہے جیسا کہ پرندہ پنجرے میں تنگ ہوتا ہے اور مومن مسجد میں یوں خوش ہوتا ہے جیسا کہ مچھلی پانی میں خوش ہوتی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق خواہ کتنے ہی برے تھے لیکن وہ بدبخت تارک الصلاۃ نہیں تھے۔ نجانے آج کے بے نماز مسلمان کیسے ہیں جو مہینوں تک نماز نہیں پڑھتے پھر بھی وہ اپنے آپ کو اسلام کا شیدائی قرار دیتے ہیں!!

۲- منافقین کی دوسری علامت یہ تھی کہ وہ اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرتے تھے وہ اسے بادل نخواستہ بجالاتے تھے۔

مذکورہ بالا علامات کے علاوہ منافقین کی ایک علامت یہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام سے بغض رکھتے تھے جیسا کہ روایات میں مروی ہے کہ ہم گروہِ انصار منافقین کو بغضِ علیؑ سے پہچانتے تھے۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے خود فرمایا تھا کہ نبی اُمی نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ سوائے مومن کے اور کوئی مجھ سے محبت نہیں کرے گا اور منافق کے علاوہ کوئی مجھ سے بغض نہیں رکھے گا۔ (اضافۃ من المترجم)

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک طویل حدیث کے دوران فرمایا: خدا کی قسم! اگر کوئی شخص پوری زندگی دن کے روزے رکھے اور راتوں کو قیام کرے اور پھر خدا کے حضور ہماری ولایت کے بغیر پیش ہو تو خدا اس کا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا خدا ایسے شخص پر ناراض ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا۔ پھر آپؑ نے مذکورہ بالا آیت کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا: ایمان کے ساتھ عمل نقصان نہیں دیتا اور کفر کی موجودگی میں کوئی عمل فائدہ نہیں دیتا۔

احتجاج طبرسی میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے یہ کلمات بھی ارشاد فرمائے:

ہر وہ عمل جو خدا کے منتخب بندوں کے علاوہ کسی اور کے ہاتھوں نافذ ہو تو بندوں کے ذاتی قائم کردہ حدود، عہود، قوانین، رسوم اور ان کے آئین و دستور کی کوئی اہمیت نہیں ہے وہ قابلِ قبول نہیں ہیں۔ اگرچہ ظاہری طور پر ان پر ایمان کے الفاظ کا

اطلاق ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔ ہر وہ شخص جو اولیاء الٰہی کے حق کا منکر ہو تو اس کا خدا پر ایمان لانا اس کے لیے فائدہ مند ثابت نہ ہوگا اور اس کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایمان کے ساتھ عمل نقصان نہیں دیتا اور کفر کی موجودگی میں کوئی عمل فائدہ نہیں دیتا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے فرمایا: وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ......

محمد بن یحییٰ سے بھی یہی روایت منقول ہے۔

کتاب الخصال میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: نماز میں سُستی اور کسل مندی سے کھڑے نہ ہونا اور اپنے دل میں بُرے خیالات نہ لانا۔ ذہن میں یہ تصور کرو کہ تم خدا کے سامنے کھڑے ہو۔ بندہ کی نماز کا وہی حصہ قبول کیا جائے گا جو اس نے اخلاص سے ادا کیا ہوگا۔

روضہ کافی میں سعید بن ہلال سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: میں تجھے خدا کے تقویٰ اور راست گفتاری' پرہیزگاری اور جدوجہد کی وصیت کرتا ہوں اور جان لو کہ اس جدوجہد کا کوئی فائدہ نہیں جس میں پرہیزگاری نہ ہو۔ خبردار! اپنے سے اُوپر والوں کی طرف مت دیکھو اور ہمیشہ خدا کے اس فرمان پر نظر رکھو: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ (ان کی دولت اور ان کی اولاد سے آپ کو حیرت میں نہ ڈالو)

مجمع البیان میں ابن عباس اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' انھوں نے فرمایا کہ لفظ مُدَّخَلًا سے زمین کی کھوہ مراد ہے۔

خوارج کے متعلق پیشین گوئی

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

"اور ان میں سے کچھ لوگ زکوٰۃ کی تقسیم کے لیے آپ پر اعتراض کرتے ہیں اگر ان میں سے انھیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہوجاتے ہیں اور اگر انھیں اس میں سے کچھ نہ ملے تو ناراض ہوجاتے ہیں"۔

مجمع البیان میں ابوسعید خدری سے منقول ہے' انھوں نے ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ حنین کے غنائم تقسیم کر رہے تھے کہ حرقوص بن زہیر جو کہ ابن ذی الخویصرہ تمیمی کے نام سے مشہور تھا' اس نے آنحضرتؐ سے کہا: محمدؐ! عدل کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تجھ پر افسوس اگر میں نے ہی عدل نہ کیا تو دنیا میں اور کون عدل کرے گا؟

حضرت عمر نے کہا: یارسولؐ اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن کاٹ دوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے رہنے دیں' عنقریب اس کی ایک جماعت ہوگی۔ ان کی نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے اور ان کے روزوں کے سامنے تم اپنے روزوں کو قلیل سمجھو گے۔ وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے جب تم اس کے پھل کو دیکھو گے تو تمھیں کچھ بھی دکھائی نہ دے گا۔ ان کا پرچم ایک سیاہ فام شخص کے ہاتھ میں ہوگا جس کے ایک ہاتھ پر عورت کے پستان کی طرح سے پستان ہوگا۔ جب وہ خروج کریں تو تم انھیں قتل کر دینا۔ چنانچہ اس کے متعلق وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ کی آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسولؐ خدا سے یہ بات سنی تھی اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ علی علیہ السلام نے ہی انھیں قتل کیا تھا اور جنگ نہروان کے موقع پر میں موجود تھا کہ اس شخص کی لاش لائی گئی تو اس کے ہاتھ پر پستان موجود تھا اور جو نشانی رسولؐ خدا نے بیان کی تھی وہ نشانی اس میں موجود تھی۔

اصول کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگوں کی دو تہائی اکثریت فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ۞ کی مصداق ہے۔

مصارف زکوٰۃ

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۖ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۞

"صدقات (زکوٰۃ) تو دراصل فقیروں اور مساکین کے لیے ہیں اور جو عاملینِ زکوٰۃ ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو اور گردنوں کو آزادی دلانے کے لیے اور قرض داروں کا قرض اُتارنے کے لیے اور راہِ خدا میں اور غربت زدہ مسافروں کے لیے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے

فریضہ ہے۔ اللہ خوب جاننے والا اور صاحب حکمت ہے''۔

اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے' آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا: جو مسلمان اور مومن مر جائے اور قرض چھوڑ جائے بشرطیکہ وہ اسراف اور فساد کی وجہ سے مقروض نہ ہوا ہو تو حاکم کا فرض ہے کہ اس کا قرض ادا کرے۔ اگر حاکم نے اس کا قرض ادا نہ کیا تو وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ مقروض کے لیے اللہ نے زکوٰۃ میں حصہ رکھا ہے اور وہ حصہ حاکم کے پاس ہے۔ اور اگر حاکم نے اس کا حصہ ادا نہ کیا تو گناہ گار قرار پائے گا۔

الکافی میں زرارہ اور محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ ہم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ کی آیت پڑھی اور ہم نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر مستحقین زکوٰۃ عقیدہ امامت کے عارف نہ ہوں تو اس کے باوجود بھی انھیں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: حاکم کو چاہیے کہ وہ تمام طبقات کو زکوٰۃ دے کیونکہ وہ سب کے سب اس کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔ ہم نے کہا: اگر وہ عقیدہ امامت کے عارف نہ ہوں پھر بھی انھیں زکوٰۃ دینی چاہیے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر زکوٰۃ صرف عقیدہ امامت کے عارف مستحقین کو ہی دی جائے اور دوسروں کو نہ دی جائے تو پھر زکوٰۃ کی رقم آخر کہاں خرچ کی جائے گی (کیونکہ عارف مستحقین کی تعداد انتہائی کم ہے اور غیر عارف افراد کی تعداد زیادہ ہے) جو معرفت نہیں رکھتا اسے زکوٰۃ اس لیے دی جاتی ہے تا کہ اسے دین کی رغبت ہو اور وہ دین پر ثابت قدم رہے۔ لیکن آج سے تم اور تمھارے ساتھی صرف انھیں زکوٰۃ دو جو حق کے عارف ہوں۔ تمھیں مسلمانوں میں جو عارف دکھائی دیں انھیں تم زکوٰۃ دو۔

پھر آپؑ نے فرمایا: مؤلفۃ القلوب اور غلاموں کے آزاد کرانے کا حصہ عام ہے باقی حصے خاص ہیں۔ ہم نے کہا کہ اگر مستحقین زکوٰۃ نہ ملیں تو پھر کیا کیا جائے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ ایک فریضہ مقرر کرے اور اس کا مستحق ہی موجود نہ ہو۔ ہم نے کہا: اگر صدقات کی رقم ان کی ضروریات کی کفایت نہ کرے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے دولت مندوں کے مال میں اتنی رقم فرض کی ہے جو ناداروں کے لیے کافی ہے اور اگر وہ کافی نہ ہوتی تو خدا اور فرض کرتا۔ غریب اس لیے غریب نہیں ہیں کہ خدا نے ان کے لیے حصہ تھوڑا مقرر کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دولت مند طبقہ ان کا پورا حق ادا ہی نہیں کر رہا جس کی وجہ سے ان کی غریبی ختم نہیں ہوئی۔ اگر لوگ ان کے حقوق پورے ادا

کرتے تو سب لوگ خیریت سے زندگی بسر کرتے۔

ابوبصیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ...... کی آیت تلاوت کی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: فقیر وہ ہے جو لوگوں سے سوال نہ کرتا ہو۔ مسکین وہ ہے جو اس سے بھی بُری حالت میں ہو اور "بائس" وہ ہے جو فقیر و مسکین سے بھی زیادہ تنگ دست ہو۔ اللہ نے تجھ پر جو عمل فرض کیا ہے اسے برملا ادا کرنا چھپ کر ادا کرنے سے بہتر ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی واجب زکوٰۃ اُٹھا کر علی الاعلان لوگوں میں تقسیم کرے تو اس کا یہ عمل بہتر اور اچھا ہوگا۔

عبدالکریم بن عتبہ ہاشمی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپؑ کے پاس فرقہ معتزلہ کے کچھ لوگ آئے۔ ان میں اس فرقہ کا مشہور عالم عمرو بن عبید بھی موجود تھا۔ امام علیہ السلام اور اس کے درمیان کافی گفتگو ہوئی۔ آپؑ نے دورانِ گفتگو اس سے فرمایا: صدقات کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟

عمرو بن عبید نے جواب میں اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ...... کی آیت پڑھی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ تو درست ہے۔ میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم صدقات کو کس طرح سے تقسیم کرو گے؟ اس نے کہا: میں اس کے آٹھ حصّے بناؤں گا اور ہر طبقہ کو ایک ایک حصّہ دوں گا۔

آپؑ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ اگر ایک طبقہ کے حق داروں کی تعداد دس ہزار ہو اور دوسرے طبقہ کے افراد کی تعداد دو یا تین افراد پر مشتمل ہو تو کیا دو تین افراد کو بھی اتنا ہی حصّہ دو گے جو تم نے دس ہزار کو دیا تھا؟ عمرو بن عبید نے کہا: جی ہاں' میں ایسا ہی کروں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ تمھارے پاس کچھ صدقات دیہات سے اور کچھ صدقات شہر سے جمع ہوتے ہیں تو کیا تم اسے دیہات اور شہر میں برابر تقسیم کرو گے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم ایسا کرو گے تو تم سیرتِ رسولؐ کے خلاف کرو گے کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ آپؐ دیہات والوں کے صدقات دیہات والوں میں اور شہر والوں کے صدقات شہر والوں میں ہی تقسیم کرتے تھے۔ آپؐ برابر تقسیم نہیں کرتے تھے۔ آپؐ حاضرین کی تعداد کو دیکھ کر ہی تقسیم کر دیا کرتے تھے اور اس کے لیے آپؐ کا کوئی مخصوص طرزِ عمل نہیں تھا۔ اور اگر میری بات سن کر تمھیں تسکین نہیں ہو رہی تو پھر اہلِ بصرہ سے جا کر پوچھ لینا وہ تمھیں رسولؐ خدا کے طرزِ عمل سے آگاہ کر دیں گے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ کہا گیا ہے کہ ''فقیر'' سے وہ مفلس مراد ہے جو لوگوں سے سوال نہ کرتا ہو اور مسکین سے وہ مفلس مراد ہے جو دستِ سوال لوگوں کے سامنے دراز کرتا ہو۔ ابن عباس، حسن، زہری اور مجاہد کا خیال ہے کہ لفظ ''مسکین'' سکنۃ سے مشتق ہے اور مسکنت کے لیے سوال ضروری ہے۔ یہی مفہوم حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ فقیر وہ ہے جو سوال کرتا ہو اور مسکین وہ ہے جو سوال نہ کرتا ہو۔ حدیث میں ایسے الفاظ وارد ہیں جو اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، آپؐ نے فرمایا:
مسکین وہ نہیں ہے جس کے پاس ایک دو وقت کا کھانا نہ ہو یا جس کے پاس ایک دو کھجوریں نہ ہوں۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا کچھ نہ ہو جو اس کے لیے کفایت کر سکے اور وہ لوگوں سے سوال نہ کرتا ہو اور اس کی حالت دیکھ کر اسے مفلس نہ سمجھا جاتا ہو کہ اس کو صدقہ دیا جا سکے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے مستحقین زکوٰۃ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:
''فقراء'' وہ ہیں جو لوگوں سے سوال نہ کرتے ہوں اور ان پر ان کے گھر کی ذمہ داریاں عائد ہوں اور اس کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے۔ خداوند عالم نے سورہ البقرہ میں فرمایا:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۗ

''خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسب معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں''۔

اور مساکین سے معذور، اپاہج، اندھے، محتاج، لنگڑے اور جذامی افراد کے ساتھ ساتھ تمام اپاہج مرد و عورتیں مراد ہیں۔ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا سے وہ افراد مراد ہیں جو زکوٰۃ کی رقم اور غلّہ اور مویشی جمع کرتے ہیں اور اسے اس کے پاس لاتے ہیں جو تقسیم کرنے والا ہے۔ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ سے وہ لوگ مراد ہیں جو خدا کی توحید کے قائل ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک رسالتِ محمدیہ کی معرفت ان کے دلوں میں داخل نہ ہوئی ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی تالیفِ قلب کرتے تھے

اور مال زکوٰۃ میں سے انھیں کچھ حصہ دیتے تھے تاکہ انھیں معرفت حاصل ہو اور ان کے دلوں میں اسلام کی رغبت پیدا ہو۔

ابوالجارود کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ رسولؐ خدا نے ابوسفیان بن حرب بن امیہ، سہیل بن عمرو جس کا تعلق بنی عامر بن لوی سے تھا اور ہمام بن عمرو اور اس کے بھائی، صفوان بن اُمیہ بن خلف قرشی الجمحی، اقرع بن حابس تمیمی، احد بن حازم، عینیہ بن حصین الفرازی، مالک بن عوف اور علقمہ بن علاثہ میں سے ہر ایک کو مؤلفۃ القلوب سمجھ کر ایک ایک سو اُونٹ چرواہوں سمیت عطا کیے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اُونٹ عطا کیے تھے۔

اصول کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ اسلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: مولفۃ القلوب وہ لوگ ہیں جو خدا کو واحد سمجھتے ہوں اور غیر اللہ کی عبادت سے دست کش ہو چکے ہوں لیکن ان کے دلوں میں رسالتِ محمدیہ کی معرفت داخل نہ ہوئی ہو۔ رسولؐ خدا ان کی تالیفِ قلب فرماتے تھے تاکہ وہ معرفت حاصل کر کے پکے مسلمان بن جائیں۔

زرارہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مؤلفۃ القلوب کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: وہ ایسی قوم ہے جو خدا کو واحد مانتی ہو اور غیر اللہ کی عبادت چھوڑ چکی ہو اور وہ منہ سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے ہوں لیکن انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض تعلیمات میں شک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ ان کی مال و دولت سے تالیفِ قلب کریں، تاکہ وہ اچھے مسلمان ثابت ہوں اور جس دین میں داخل ہوئے ہیں وہ اس میں پختہ ہو جائیں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگِ حُنین کے موقع پر قریش اور قبیلہ حضر کے سرداروں کی تالیف قلب کی تھی۔ آپؑ نے ابوسفیان بن حرب اور عینیہ بن حصین الفرازی جیسے افراد کو بہت سا مالِ غنیمت عطا کیا تھا جس کی وجہ سے انصار ناراض ہوئے تھے اور انھوں نے سعد بن عبادہ سے اس بات کی شکایت کی تھی۔

سعد بن معاذ مقام ''جعرانہ'' پر پہنچے تو انھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ عرض کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپؑ نے فرمایا: ہاں میری طرف سے تمھیں اجازت ہے۔ سعد نے عرض کیا جس طرح سے آج آپؑ نے دولت کو ان لوگوں میں تقسیم کیا ہے اگر اس کے متعلق کوئی حکمِ خداوندی نازل ہوا ہے تو ہم راضی ہیں اور اگر اس کے لیے حکمِ خداوندی نازل نہیں ہوا تو پھر ہم راضی نہیں ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصاری افواج سے فرمایا: کیا تم سب اپنے سردار سعد کے قول کی تائید کرتے ہو؟ انصار نے کہا: ہمارا سردار اللہ اور اس کا رسول ہے۔ رسولؐ خدا نے دوبارہ دریافت کیا تو انصار نے کہا کہ ہمارا سردار اللہ اور اس کا رسول ہے۔ نبی اکرمؐ نے تیسری مرتبہ یہ بات دریافت کی تو انھوں نے کہا: جی ہاں، ہم سعد کی رائے رکھتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے ان کا نور ختم کر دیا اور مؤلفۃ القلوب کا حصّہ صدقات میں مقرر کر دیا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جتنے مؤلفۃ القلوب آج ہیں اتنے پہلے کبھی نہ تھے اور مؤلفۃ القلوب وہ لوگ تھے جنھوں نے خدا کو واحد مان لیا تھا اور شرک کی حدود سے نکل گئے تھے لیکن حضرت محمد مصطفیؐ کی معرفت ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ رسول اکرمؐ نے ان کی تالیفِ قلب کی تھی اور رسولؐ خدا کے بعد اہلِ ایمان بھی ان کی تالیفِ قلب کرتے آرہے ہیں تاکہ انھیں معرفت حاصل ہو سکے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ وَفِي الرِّقَابِ گردنیں آزاد کرانے سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر قتلِ خطا، ظہار، حرم میں عمداً شکار کرنے یا قسم کی وجہ سے غلام آزاد کرنا ضروری ہو جائے اور اس کی استطاعت سے یہ امر زیادہ ہو تو صدقات میں سے اس کی مدد کرنی چاہیے تاکہ وہ غلام آزاد کر سکے۔

من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا: اگر کوئی "مکاتب غلام" اپنی آزادی کے لیے کچھ رقم ادا کر چکا ہو اور اس کے پاس مزید رقم نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: مال صدقات میں سے اس کی مدد کرنی چاہیے تاکہ وہ باقی ماندہ رقم ادا کر کے آزادی حاصل کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے معارف صدقات میں وَفِي الرِّقَابِ کہہ کر غلاموں کی آزادی کے لیے حصّہ مقرر فرمایا ہے۔

الکافی میں موسیٰ بن بکر سے منقول ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے لیے رزق حلال تلاش کرے تو وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے۔ اگر محنت مزدوری کے باوجود بھی وہ پریشان حالی کا شکار ہو جائے تو خدا اور رسولؐ پر بھروسہ کر کے اتنا قرض لے جس سے وہ اپنے اہل و عیال کی روزی فراہم کر سکے اور اگر وہ قرض ادا کرنے سے پہلے مر جائے تو حاکم کو چاہیے کہ وہ اس کا قرض ادا کرے۔ اگر حاکم قرض ادا نہیں کرے گا تو اس کا بوجھ اسی پر ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مصارفِ صدقات میں وَالْغٰرِمِيْنَ کہہ کر مقروض افراد کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

ابو محمد جزائری کا بیان ہے کہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک شخص نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ قرض خواہ کو حکم دیا ہے: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (البقرہ:۲۸۰) "اگر مقروض تنگدست ہو تو فراخ دستی تک اسے مہلت دی جانی چاہیے" تو کیا اس مہلت کی کوئی حد اور میعاد بھی ہے کہ کب تک اسے

مہلت دی جائے جب کہ مقروض نے قرض خواہ سے اُدھار لیا ہے اور اس کی رقم بیوی بچوں کو کھلا چکا ہے۔ اب مقروض کے پاس زرعی کھیت نہیں ہیں کہ جہاں سے غلّہ وصول ہونے کی توقع ہو اور مقروض نے کسی سے قرض بھی نہیں لینا جس کے ملنے کی امید ہو۔ مقروض کے پاس کوئی غائب مال بھی نہیں ہے جس کے آنے کی آرزو ہو۔ آخر قرض خواہ کی حق رسی کی کیا صورت ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ اتنا عرصہ صبر کرے کہ مقروض کی خبر حاکم تک پہنچ سکے۔ اگر مقروض نے رقم اُدھار لے کر معصیتِ خدا میں خرچ نہیں کی تو حاکم کا فریضہ ہے کہ وہ اس کے قرض کو بیت المال سے ادا کرے۔ اور اگر مقروض ادھار کی رقم کو معصیتِ خدا میں خرچ کر چکا ہو تو پھر حاکم پر اس کی ادائیگی ضروری نہیں ہے۔ سائل نے کہا: اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے ادھار کی رقم جائز مصرف میں خرچ کی تھی یا ناجائز مقام پر صرف کی تھی تو اس صورت میں قرض خواہ کی حق رسی کیسے کی جائے گی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: مقروض کا مال قرق کر کے اس کی رقم وصول کی جائے گی۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ وہ افراد جنھوں نے قرض لیا ہو اور اسے اطاعتِ خدا میں صرف کیا ہو اور اسراف بھی نہ کیا ہو تو حاکم پر واجب ہے کہ مال صدقات سے ان کی اعانت کرے اور انھیں قرض سے نجات دلائے اور جو مجاہد جہاد پر جانا چاہتے ہوں اور ان کے پاس سفر خرچ اور سواری نہ ہو تو بھی حاکم پر واجب ہے کہ مال صدقات سے ان کی تیاری کرائے۔ کچھ مسلمان حج پر جانے کے خواہش مند ہوں اور ان کے پاس زادِ راہ نہ ہو تو حاکم "فی سبیل اللہ" کی مد میں سے ان کی مدد کرے۔ اس کے علاوہ فی سبیل اللہ کی مد کے تحت ہر نیکی کے کام میں مدد کی جاسکتی ہے۔

کتاب معانی الاخبار میں حسین بن عمر سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ایک شخص نے مرتے وقت کچھ دولت میرے پاس رکھی تھی اور وصیت کی تھی کہ اسے "فی سبیل اللہ" خرچ کرنا۔ اب آپؑ بتائیں میں اس رقم کو کہاں خرچ کروں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم وہ رقم حج میں صرف کرو۔ میں (سائل) نے کہا کہ اس نے مجھے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی وصیت کی تھی؟ آپؑ نے فرمایا: حج سے بڑھ کر فی سبیل اللہ کا اور کوئی مصرف مجھے دکھائی نہیں دیتا۔

حسن بن راشد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مدینہ میں پوچھا تھا کہ اگر ایک شخص کچھ رقم کے متعلق وصیت کر جائے کہ اسے فی سبیل اللہ خرچ کرنا ہے تو وہ رقم کہاں خرچ کی جائے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس رقم سے ہمارے شیعوں کی مدد کی جائے۔ ہمارے شیعہ ہی فی سبیل اللہ کا بہترین مصرف

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے اگر کچھ مسافر ایسا سفر کر رہے ہوں جو خدا کی اطاعت کے ضمن میں شامل ہو، راستے میں ڈاکہ پڑ جائے اور ان کا مال ختم ہو جائے تو حاکم کو چاہیے کہ مالِ صدقات میں سے انھیں ان کے گھروں تک پہنچائے۔ کیونکہ مصارف زکوۃ آٹھ ہیں اور اس میں مسافروں کا حصہ بھی ہے۔ حاکم کی صوابدید پر منحصر ہے کہ جہاں مناسب سمجھے مالِ صدقات کو خرچ کر سکتا ہے۔

آلِ رسولؐ پر صدقہ حرام ہے

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے دربارِ مامون میں ایک نشست کے دوران اُمت اور آل کے درمیان بارہ فرق بیان کیے تھے۔ اس تقریر کے دوران آپؑ نے یہ کلمات بھی فرمائے:

اللہ نے جو چیز اپنے اور اپنے رسولؐ کے لیے پسند کی وہی چیز ذی القربیٰ آنحضرتؐ کے قرابت داروں کے لیے بھی پسند فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آیت خمس میں یہ ترتیب قائم رکھی اور فرمایا: فان للّٰہ خمسہ وللرسول ولذی القربٰی۔ اس آیت میں سب سے پہلے اللہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر رسولِ خدا کا ذکر کیا ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہی ترتیبِ آیت اطاعت میں ہے جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹) اور یہی ترتیب آیت ولایت میں ہے جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۝ (المائدہ: ۵۵)

اللہ نے فَۓ، انفال، خمس، اطاعت اور ولایت میں خاندانِ محمدؐ کو آنحضرت کے ساتھ شامل رکھا اور جب صدقات کی تقسیم کی باری آئی تو اللہ نے اس میں اپنے آپ کو شامل نہ کیا اور نہ ہی اپنے رسول کو اس میں شامل کیا اور نہ ہی آنحضرتؐ کے خاندان کو اس میں شامل کیا۔ اللہ نے آلِ رسولؐ پر صدقات کو حرام کیا ہے کیونکہ صدقات لوگوں کے ہاتھ کی میل کچیل ہے جب کہ آلِ محمدؐ ہر میل کچیل سے پاک ہیں۔ اللہ نے آلِ محمدؑ کو طہارت دی ہے اور انھیں منتخب کیا ہے اسی لیے اللہ نے انکے لیے وہی کچھ پسند کیا جو اپنے لیے پسند کیا اور ان کے لیے وہی کچھ ناپسند کیا جو اپنے لیے ناپسند کیا۔

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: بنی ہاشم کے لیے صدقہ حرام ہے البتہ دو مقامات پر جائز ہے۔ جب وہ پیاسے ہوں انھیں پانی ملے تو پانی پی لیں اور ان کا باہمی صدقہ ان کے لیے حلال ہے۔

من لایحضرہ الفقیہ اور معانی الاخبار کی دو احادیث کا ماحصل یہ ہے کہ لفظ سہم (حصّہ) کا اطلاق آٹھویں حصے پر ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کے ایک "سہم" کی وصیت کرے تو اس سے اس کی جائیداد کا آٹھواں حصہ مراد ہوگا۔

تہذیب الاحکام میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں بنی ہاشم کے کچھ افراد نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم رسولؐ خدا سے عرض کریں کہ آپ ہمیں "عامل زکوٰۃ" مقرر کریں تاکہ اس طرح سے ہمیں کم از کم "عاملینِ زکوٰۃ" کی مد میں سے کچھ نہ کچھ حصہ مل جائے گا۔ یہ سوچ کر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور ان سے یہ درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے اولادِ عبدالمطلب! صدقہ نہ تو میرے لیے حلال ہے اور نہ تمھارے لیے حلال ہے۔ خدا نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ کیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے آپ سے شفاعت کا وعدہ کیا ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے جب آنحضرت جنت کے کنڈے کو پکڑ کر کھڑے ہوں گے تو کیا وہ اوروں کو بنی عبدالمطلب پر ترجیح دیں گے؟

زید شحام کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ بنی ہاشم پر کون سا صدقہ حرام ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ان پر واجب زکوٰۃ حرام ہے۔ ہمارے باہمی صدقات ایک دوسرے پر حرام نہیں ہیں۔

ابن سنان بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: صدقہ اولادِ عباس اور ان جیسے دوسرے بنی ہاشم پر حرام ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ

الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ
بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا
تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ
ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا
قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ
نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ
وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ ۙ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ
قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ
بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ
كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ

نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ
وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ
ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا
النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ
قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ
وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ
يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا

نَصِيرٍ (٧٤) وَمِنْهُمْ مَنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ
لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (٧٥) فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ
بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (٧٦) فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ
اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا
يَكْذِبُوْنَ (٧٧) اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ
اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (٧٨) اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ
فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ط سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ز وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (٧٩)
اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً
فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (٨٠) فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ
بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ط قُلْ نَارُ
جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ط لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ (٨١) فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا
وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ج جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (٨٢) فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ

إِلَىٰ طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿٨٣﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨٤﴾

''اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو پیغمبر کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو محض کان ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ وہ تمھاری بھلائی کے لیے کان ہیں۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اہلِ ایمان کی باتوں پر اعتماد کرتا ہے اور وہ تم میں سے صاحبانِ ایمان کے لیے سراسر رحمت ہے اور جو لوگ رسولِ خدا کو اذیت دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یہ لوگ تمھیں راضی کرنے کے لیے خدا کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ اگر یہ مومنین ہیں تو انھیں اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ کیا انھیں معلوم نہیں ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ بہت بڑی رُسوائی ہے۔

منافق اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ کہیں کوئی ایسی سورہ نازل نہ ہو جائے جو ان کے دلوں کے بھید کھول کر رکھ دے۔ آپ کہہ دیں کہ تم مذاق اُڑاؤ' اللہ اس چیز کو کھول دینے والا ہے جس کے کھلنے سے تم ڈر رہے ہو۔ اور اگر ان سے پوچھو کہ تم یہ کیا باتیں کر رہے تھے تو وہ فوراً کہہ دیں گے کہ ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ آپ کہہ دیں کیا تم نے اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا ہی مذاق اُڑانا ہے۔

عذر مت تراشو۔ تم ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر چکے ہو۔ اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیا تو دوسرے گروہ کو ہم ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہیں۔ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں۔ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں، اور اپنے ہاتھوں کو راہِ خدا میں خرچ کرنے سے روکتے ہیں۔ انھوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے' اللہ نے بھی انھیں نظر انداز کر دیا ہے۔ منافق ہی فاسق ہیں۔

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار سے نارِ جہنّم کا وعدہ کیا ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لیے موزوں ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

تمھاری مثال تم سے پہلے والوں کی سی ہے جو تم سے زیادہ طاقتور تھے اور وہ تم سے زیادہ مالدار اور صاحبِ اولاد بھی تھے۔ پھر انھوں نے دنیا میں اپنے حصّے کے مزے لوٹ لیے اور تم نے بھی اپنے حصّے کے مزے اسی طرح لوٹے جیسے انھوں نے لوٹے تھے۔ اور تم بھی ویسی ہی بحثوں میں پڑے جیسی بحثوں میں وہ پڑے تھے ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں تباہ ہو گئے اور وہی لوگ خسارہ اُٹھانے والے ہیں۔

کیا ان کے پاس ان سے پہلے والے لوگ قومِ نوح' عاد' ثمود' قومِ ابراہیم' اصحابِ مدین اور اُلٹ دی جانے والی بستیوں کی تاریخ نہیں پہنچی۔ جن کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے تھے۔ پھر یہ اللہ کا کام نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنے آپ پر خود ہی ظلم کرتے تھے۔ مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ان پر عنقریب خدا رحمت کرے گا۔ یقیناً اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں ایسے باغات دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور سدا بہار باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ رہائش گاہیں ہوں گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انھیں خدا کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے آخر کار ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو بدترین ٹھکانا ہے۔ یہ لوگ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے وہ بات نہیں کہی۔ حالانکہ انھوں نے ضرور وہ کافرانہ بات کہی ہے اور اسلام لانے کے بعد انھوں نے کفر کیا ہے اور انھوں نے وہ ارادہ کیا تھا جسے وہ حاصل نہ کر سکے۔ انھیں غصہ ہے تو اس بات پر کہ اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر دیا ہے۔ اب اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب نازل کرے گا اور روئے زمین پر ان کا کوئی سرپرست اور مددگار نہ ہوگا۔

ان میں بعض ایسے بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل سے ہم کو نوازا تو ہم اس کی راہ میں صدقہ دیں گے اور ہم صالح بن کر رہیں گے۔ مگر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دولت مند بنا دیا تو وہ بخل پر اُتر آئے اور کنارہ کش ہو کر پلٹ گئے۔

ان کے بخل نے ان کے دلوں میں نفاق راسخ کر دیا جو خدا کے حضور پیشی کے دن تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گا کیونکہ انھوں نے خدا سے وعدہ خلافی کی ہے اور اس کا سبب یہ بھی ہے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

کیا انھیں یہ بات معلوم نہیں ہے کہ اللہ کو ان کے مخفی راز اور پوشیدہ سرگرمیاں معلوم ہیں اور یقیناً اللہ غیب کی تمام باتوں کو جاننے والا ہے۔ وہ لوگ جو راہِ خدا میں فراخدلی سے حصہ لینے والے مومنین اور ان غریبوں پر جن کے پاس ان کی محنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے الزام

لگاتے ہیں پھر ان کا مذاق اُڑاتے ہیں اللہ ان مذاق اُڑانے والوں کا مذاق اُڑاتا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اگر تم ستر مرتبہ بھی معاف کرنے کی درخواست کرو گے تو اللہ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

جن لوگوں کو پیچھے رہنے کی اجازت دی گئی تھی وہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انھیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں اپنی دولت اور جانوں سے جہاد کریں۔ انھوں نے کہا: گرمی میں مت نکلو آپ کہہ دیں کہ دوزخ کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش انھیں اس کا شعور ہوتا۔ ان کو ہنسنا کم اور رونا زیارہ چاہیے۔ یہ ان کے اعمال کی جزا ہے۔

اگر اللہ آپ کو ان کے درمیان واپس لے جائے اور آئندہ ان میں سے کوئی گروہ جہاد کے لیے آپ سے اجازت مانگے تو صاف کہہ دینا کہ اب تم میرے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے اور نہ میری معیت میں کسی دشمن سے لڑو۔ تم نے پہلے بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا تو اب گھر بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

اور اگر ان میں سے کوئی مرے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ مرے ہیں تو اس حال میں کہ وہ فاسق تھے۔

پیغمبر اکرمؐ کے متعلق گستاخی

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو پیغمبر کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو محض کان ہیں۔
آپ کہہ دیں کہ وہ تمھاری بھلائی کے لیے کان ہیں۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اہلِ ایمان کی باتوں پر اعتماد کرتا ہے اور وہ تم میں سے صاحبانِ ایمان کے لیے سراسر رحمت ہے اور جو لوگ رسولِ خدا کو اذیت دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اس آیتِ مجیدہ کے متعلق منقول ہے کہ ایک منافق کا نام عبداللہ بن نفیل تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ کر آپؐ کی باتیں سنتا تھا اور آپؐ کی گفتگو منافقین کے سامنے بیان کرتا تھا اور وہ چغل خوری کرتا تھا۔ جبریل امینؑ آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ایک شخص آپؐ کی چغل خوری کرتا ہے اور آپؐ کی باتیں منافقین سے بیان کرتا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: وہ کون ہے؟ جبریل امینؑ نے عرض کیا کہ وہ سیاہ رنگ کا شخص، اس کے سر پر گھنے بال ہیں، اس کی آنکھیں کسی ہانڈی کی طرح سے ہیں اور وہ زبانِ شیطان سے گفتگو کرتا ہے۔

رسولِؐ خدا نے اسے بلایا اور اسے ملامت کیا۔ اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ رسولِؐ خدا نے اس کا عذر قبول کیا اور اس سے فرمایا کہ آئندہ منافقین کے ساتھ مت بیٹھنا۔

وہ آنحضرتؐ کے پاس سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ لوگو! محمد تو نرے کان ہی کان ہیں (یعنی وہ کانوں کے کچے ہیں) اللہ نے اسے میرے متعلق خبر دی ہے کہ میں ان کے متعلق چغل خوری کرتا ہوں اور ان کے حالات لوگوں سے بیان کرتا ہوں۔ میں نے جب انھیں اپنے متعلق یقین دلایا تو انھوں نے میری باتوں کا بھی یقین کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۚ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۚ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۔

اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو پیغمبر کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو محض کان ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ ''آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ بھلائی کا کان ہے اور وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اہلِ ایمان کی باتوں پر اعتماد کرتے ہیں اور جو تم میں سے اہلِ ایمان ہیں ان کے لیے وہ سراسر رحمت ہیں اور وہ لوگ جو رسولِؐ خدا کو اذیت دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

اس آیت میں "مومنین" سے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان کے دعوے دار ہیں جب کہ ان کے عقیدہ میں یقین نہیں پایا جاتا۔

کتاب احتجاج طبرسی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپ نے حضرت علی علیہ السلام کے مناقب کا تذکرہ کیا اور منافقین کے طرزِ عمل کو بیان فرمایا اور اس کے ضمن میں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: منافقین نے مجھے اتنی ایذائیں دیں کہ انھوں نے میرا نام ہی "کان" رکھ دیا ہے اور اگر میں چاہوں تو ان لوگوں کے نام بھی لے سکتا ہوں اور اگر میں ان کی طرف اشارہ کرنا چاہوں تو بھی میں کر سکتا ہوں لیکن میں پھر بھی ان کا بھرم رکھ رہا ہوں اور ایسا نہیں کروں گا۔

مومنین کی باتوں پر اعتماد کرنا چاہیے

الکافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا: بیٹا! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا ایک وصف یہ بھی بیان کیا ہے: يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مومنین کی باتوں پر اعتماد کرتا ہے) لہٰذا جب مومن تمھارے پاس کسی بات کی گواہی دیں تو تم بھی ان پر اعتماد کیا کرو۔

ایک مرتبہ حضرت اسماعیلؒ اپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میں فلاں شخص کو کچھ رقم دینا چاہتا ہوں تاکہ وہ اس سے تجارت کرے اور اس سے مجھے منافع حاصل ہوگا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ وہ تو شراب پیتا ہے؟ حضرت اسماعیلؒ نے کہا: ابا جان! مجھے چند مومنین کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ وہ شراب پیتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: تمھیں ان کی بات پر اعتماد کر لینا چاہیے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اہلِ ایمان کی باتوں پر اعتماد کرتے تھے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

تفسیر عیاشی میں اس روایت کے بعد ان الفاظ کا اضافہ ہے کیونکہ آنحضرتؐ مومنین پر شفیق اور مہربان تھے۔

منافقین کس بات سے خوفزدہ تھے؟

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝

''منافق اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ کہیں کوئی ایسی سورہ نازل نہ ہو جو ان کے دلوں کے بھید کھول کر رکھ دے۔ آپ کہہ دیں کہ تم مذاق اڑ وَ۔ اللہ اس چیز کو کھول دینے والا ہے جس کے کھلنے سے تم ڈرتے ہو''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب رسولؐ خدا جنگِ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو منافقین آپس میں ہنسی مذاق کر کے کہتے تھے کہ کیا محمدؐ نے رومیوں سے جنگ کرنے کو عام لوگوں سے جنگ کرنے کے برابر سمجھ رکھا ہے۔ اس جنگ میں کوئی بھی زندہ بچ کر واپس نہیں آئے گا۔

اس محفل میں ایک منافق نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا: یار یہ باتیں نہ کرو ممکن ہے کہ اللہ محمد کو ہماری ان باتوں سے آگاہ کردے اور قرآن کی کوئی سورت ہمارے متعلق بھیج دے جس میں ہمارے قلبی جذبات کا بھید کھول کر رکھ دے۔ بعد میں لوگ اسے قرآن سمجھ کر پڑھتے رہیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی منافقین کی اس گفتگو کی خبر ہوئی۔ آپؐ نے عمار یاسرؓ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان لوگوں کی خبر لو وہ حق کی دشمنی میں جل رہے ہیں۔

حضرت عمارؓ اس گروہ کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ تم نے کیا کہا؟ وہ کہنے لگے کہ ہم تو یہاں بیٹھ کر ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے۔ اس پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں: يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

آنحضرتؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ...... کی آیت ان بارہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی جنھوں نے تبوک سے واپسی پر عقبہ ہرشی کے مقام پر رات کے وقت آنحضرتؐ کی ناقہ کو بدکا کر آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

جب آنحضرتؐ اس گھاٹی میں داخل ہوئے تو منافق وہاں پر چھپے بیٹھے تھے۔ انھوں نے وہاں ناقہ کو بدکانے کے لیے ٹین اور ڈرم لڑھکائے۔ اس وقت حضرت حذیفہؓ اور عمارؓ آنحضرتؐ کے ساتھ چل رہے تھے۔ جبریل امینؑ نے ان لوگوں کو وہاں سے بھگا دیا اور رسولؐ خدا کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔ جب وہ گھاٹی سے بھاگ کھڑے ہوئے تو آنحضرتؐ نے حذیفہؓ سے فرمایا: کیا تو

نے ان لوگوں کو پہچانا تھا؟ حذیفہ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ آنحضرتؐ نے حذیفہؓ کو سب کے نام بتا دیئے۔

حذیفہؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ انھیں قتل کیوں نہیں کرا دیتے؟

آپؐ نے فرمایا: مجھے اہلِ عرب کی یہ بات سننا پسند نہیں ہے کہ محمدؐ نے اپنے صحابہ کے ذریعہ کامیابی حاصل کرنے کے بعد انھیں قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔

یہ روایت ابن کیسان سے منقول ہے جب کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور انھوں نے ایک دوسرے سے کہا تھا کہ اگر محمد کو ہماری اس گفتگو کا پتہ چل گیا تو ہم کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی مذاق میں یہ باتیں کر رہے تھے اور اگر اسے پتہ نہ چلا تو ہم اپنے منصوبہ کے مطابق اسے قتل کر دیں گے۔

تفسیر عیاشی میں صفوان جمال سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے آسمان سے جتنی بھی کتابیں نازل فرمائیں ان کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے فرمائی اور جب جبریل امینؑ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لاتے تو آنحضرت کو معلوم ہو جاتا تھا کہ سابقہ سورہ ختم ہو چکی ہے اور اب نئی سورہ شروع ہو رہی ہے۔

جابر جعفی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ ...... نُعَذِّبْ طَآئِفَةً کی آیات مجیدہ کا شانِ نزول دریافت کیا اور ان کی تفسیر پوچھی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے جو بھی آیت نازل فرمائی ہے اس کی کوئی نہ کوئی تفسیر ضرور ہے۔ یہ آیات ان بارہ منافقین کے لیے نازل ہوئیں جو رسولؐ خدا کو شہید کرنے کی غرض سے چھپ کر بیٹھے تھے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۚ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ (عذر مت تراشو تم ایمان کے بعد کافر ہو چکے ہو۔ اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیا تو دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہیں) کی آیت مجیدہ ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو پہلے سچے مومن تھے، پھر انھوں نے شک کیا اور منافقت میں مبتلا ہوئے، وہ چار افراد تھے۔ ان میں سے ایک کا نام "مخشی بن الحمیر" تھا۔ اس نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا تھا اور توبہ کی تھی۔ اس نے رسول اکرمؐ سے عرض کیا تھا کہ مجھے میرے نام نے ہلاک کر دیا ہے۔ رسولؐ خدا نے اس کا نام عبداللہ بن عبدالرحمٰن رکھا۔ پھر اس نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ خدایا! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور کسی کو میرے متعلق علم نہ ہو کہ میری لاش کہاں ہے؟ چنانچہ اللہ

ـنے اس کی توبہ قبول فرمائی اور اس کی دعا مستجاب ہوئی۔ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوا۔ کسی کو اس کے متعلق پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں قتل ہوا ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآىِٕفَةً ...... کی آیت مجیدہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ تین افراد تھے۔ دو نے آنحضرتؐ کا مذاق اڑایا تھا اور تیسرا ہنسا تھا۔ بعد میں ہنسنے والے نے توبہ کر لی تھی۔ اس کا نام مخشی بن حمیر تھا۔ خدا نے اسے معاف کر دیا تھا۔

توضیح: اس شخص کے نام کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کتابوں میں اس کا نام مخشی بن حمیر اور بعض کتابوں میں اس کا نام مختمر اور بعض کتابوں میں اس کا نام مخشن بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اسد الغابہ، ج ۴، ص ۳۳۸۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۸۲۔ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۲۴ وغیرہ (اضافة من المحشی)

اللہ نسیان سے پاک ہے

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ...... "انھوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا نے انھیں نظر انداز کر دیا"۔

عیون الاخبار میں عبدالعزیز بن مسلم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ کی آیت مجیدہ کے متعلق پوچھا کہ کیا اللہ پر بھی نسیان طاری ہوتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ پر سہو و نسیان طاری نہیں ہوتا۔ سہو و نسیان مخلوق کی صفت ہے کیا تو نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں پڑھی: وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ (مریم:۶۴) "تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے"۔ البتہ جو بندۂ خدا کو فراموش کر دے تو خدا بدلے میں انھیں ان کے نفوس فراموش کرا دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ (الحشر:۱۹) "اور تم ان لوگوں کی طرح سے مت بنو جنھوں نے خدا کو بھلا دیا، خدا نے انھیں ان کے نفوس فراموش کر دیئے وہی فاسق ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَاۗءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا (الاعراف:۵۱) "آج ہم ان کو اسی طرح سے بھلا دیں گے جیسا کہ انھوں نے ہمارے اس دن کی ملاقات کو بھلایا تھا"۔

اس آیت میں "نسیان" ترک یعنی چھوڑ دینے کے معنی میں ہے۔ مقصدِ آیت یہ ہے کہ جس طرح سے انھوں نے روزِ آخرت کی تیاری کو چھوڑ رکھا تھا آج ہم بھی انھیں چھوڑ دیں گے۔ یہ حدیث کتاب التوحید میں بھی انھی الفاظ سے مرقوم ہے۔

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے کچھ آیات متشابہات کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے آپ سے ایک سوال یہ بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (انھوں نے خدا کو بھلایا، خدا نے انھیں بھلایا) کا کیا معنی ہے؟

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اس کا مقصد یہ ہے کہ انھوں نے دنیا میں رہتے ہوئے خدا کو فراموش کر دیا اور اللہ کی اطاعت نہ کی۔ اللہ نے انھیں قیامت میں نظرانداز کر دیا۔ یعنی اللہ نے ان کے لیے قیامت میں ثواب کا کوئی حصہ نہیں رکھا اور انھیں ہر بھلائی سے نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ ویسے یہ لفظ لغتِ عرب کے اس محاورہ سے مشتق ہے قد نسينا فلان فلا يذكرنا۔ اس محاورہ کا مفہوم یہ ہے کہ فلاں شخص نے ہمیں نظرانداز کر دیا ہے اور وہ ہماری بھلائی کے لیے کوئی احکام صادر نہیں کرتا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: نَسُوا اللّٰهَ کا معنی یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی اطاعت چھوڑ دی اور فَنَسِيَهُمْ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے انھیں چھوڑ دیا۔

ابی معمر سعدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے دارِ دنیا میں خدا کو فراموش کر دیا۔ انھوں نے خدا کی اطاعت نہ کی اور اس پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے اور خدا نے انھیں آخرت میں نظرانداز کر دیا اور ان کے لیے ثواب میں کوئی حصہ نہ رکھا اور انھیں ہر بھلائی سے فراموش کر دیا۔

عذاب شدہ دھرتی

……وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ……

"کیا ان کے پاس اُلٹی ہوئی بستیوں کی تاریخ نہیں پہنچی جن کے رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر گئے تھے"۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا کہ "مؤتفکات" یعنی اُلٹی ہوئی بستیوں سے قومِ لوط کی بستیاں مراد ہیں جنھیں خدا نے اُلٹا دیا تھا۔

من لایحضرہ الفقیہ میں جویریہ بن سہر سے منقول ہے کہ ہم حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ خوارج سے جنگ کرنے کے لیے گئے تھے جب ہم سرزمینِ بابل پر پہنچے تو نمازِ عصر کا وقت ہوا۔ آپؑ اپنی سواری سے اُترے اور لوگ بھی اپنی سواریوں

سے اُترے۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا: لوگو! یہ زمین ملعون ہے۔ اس دھرتی پر تین مرتبہ خدا کا عذاب نازل ہو چکا ہے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں کہ اس دھرتی پر دو دفعہ خدا کا عذاب نازل ہو چکا ہے اور تیسری بار بھی یہاں عذاب آنے کی توقع ہے اور یہ زمین مؤتفکات (اُلٹی ہوئی بستیوں) میں سے ایک ہے۔

مومن ایک دوسرے کے رفیق ہیں

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ

''مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے مددگار ہیں''۔

تفسیر عیاشی میں صفوان الجمال سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؑ پر فدا ہوں ایک مسلم عورت میرے پاس آتی ہے جو کہ میرے عمل اور میری نیک نامی سے آگاہ ہے اور میں بھی اس کے اسلام اور اس کی محبت اہلِ بیتؑ اور عقیدۂ ولایت سے واقف ہوں اور اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو تو کیا میں اسے اُونٹ پر سوار کر سکتا ہوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب تمھارے پاس کوئی مسلمان عورت آئے تو تم اسے سوار کر لو کیونکہ مومن مرد مومنہ خاتون کا محرم ہے۔ یہ کہہ کر آپؑ نے یہ آیت پڑھی: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ

سب سے بڑی نعمت

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۟

''اور سب سے بڑھ کر انھیں خدا کی خوشنودی کی نعمت حاصل ہوگی۔ یہی عظیم کامیابی ہے''۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: جب اہلِ جنت جنت میں جائیں گے اور خدا کے پیارے اپنے باغات و مساکن میں داخل ہوں گے ہر مومن گاؤ تکیہ پر تکیہ لگا کر بیٹھ جائے گا تو ان کے حشم و خدام انھیں گھیر لیں گے اور جنت کے میوے ان پر جھک جائیں گے اور ان کے گرد جنت کے چشمے پھوٹ رہے ہوں گے اور اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور ان کے لیے بستر بچھ جائیں گے اور ان کے خدام کچھ طلب کرنے سے قبل نعمات ان کے سامنے پیش کرنے میں مصروف ہوں گے اور انھیں حورعین کے جلوے میسر ہوں گے۔ جتنی دیر تک خدا چاہے گا وہ اس حالت میں رہیں گے۔ پھر خداوند جبار ان کی طرف متوجہ ہو کر ان سے فرمائے گا: ''اے میرے پیارو! اے میرے اطاعت گزارو! اے

میرے جوارِ قدس میں میری جنت میں رہائش پذیر لوگو! کیا ان نعمات سے بھی بڑی نعمت کے متعلق میں تمھیں خبر نہ دوں؟"
اس وقت اہلِ جنت کہیں گے: "پروردگار بھلا اس سے بڑھ کر اور نعمت کیا ہو سکتی ہے جو اس وقت ہمیں پوری طرح سے میسر ہے۔ ہمیں ہر وہ نعمت میسر ہے جس کی ہم خواہش کرتے ہیں اور تیرے جوارِ قدس میں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا ہر سامان موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ پھر اپنی بات کو دہرائے گا۔ اس وقت وہ کہیں گے: جی ہاں پروردگار! تیری رضا اور ہم سے تیری محبت ہمارے لیے تمام نعمات سے بہتر ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ "اللہ نے مومن مردوں اور عورتوں سے ان باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور سدا بہار باغات میں ان کے لیے پاکیزہ رہائش گاہیں ہوں گی اور سب سے بڑھ کر انھیں اللہ کی رضا کی نعمت میسر ہوگی۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے"۔

جنتِ عدن

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے روز شوریٰ اپنا حق خلافت جتلاتے ہوئے اپنے بہت سے فضائل و مناقب بیان کیے تھے۔ ان فضائل و مناقب کو بیان کرتے ہوئے آپؑ نے ارکانِ شوریٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا رسولِ خدا نے یہ نہیں کہا تھا:
"جو میرے جیسی زندگی جینے کا خواہش مند ہو اور جو میرے جیسی موت مرنے کا مشتاق ہو اور جو میرے ساتھ اُس جنتِ عدن میں رہنے کا خواہش مند ہو جسے میرے رب نے اپنے ہاتھ سے کاشت کیا ہے۔ پھر کُنْ کہا تو وہ بن گئی۔ جسے یہ سعادت حاصل کرنے کی خواہش ہو تو وہ علی بن ابی طالبؑ اور اس کے بعد اس کے اوصیاء سے محبت رکھے۔ کیا آنحضرتؐ نے یہ ارشاد میرے لیے کہا تھا یا تمھارے لیے کہا تھا؟
ارکانِ شوریٰ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کے متعلق ہی یہ جملے ارشاد فرمائے تھے۔
مجمع البیان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا: "عدن" اللہ کا وہ گھر ہے جس جیسا آنکھ نے دیکھا نہیں ہے اور کسی انسان کے دل نے اس کا تصور تک بھی کبھی نہیں کیا۔ اس میں تین طبقات کے علاوہ اور

کوئی رہائش نہیں رکھے گا۔ اس میں انبیاءؑ صدیقین اور شہداء کی رہائش ہوگی۔ اللہ فرماتا ہے کہ ''اس کے لیے خوش خبری ہے جو تجھ میں داخل ہو''۔

کفار و منافقین سے جہاد کریں

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

''اے نبی! کفار و منافقین سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو کہ بدترین جائے بازگشت ہے''۔

اس آیت مجیدہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو طبقات یعنی کفار و منافقین سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ کفار کا کفر ظاہر ہوتا ہے لہٰذا ان سے جہاد بھی ظاہری ہوگا۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے ان سے تلوار کے ساتھ جہاد کیا تھا جب کہ منافقین کا کفر باطنی ہوتا ہے اسی لیے آپؐ نے ان سے تلوار کی بجائے زبان سے جہاد کیا۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ جس طرح سے میں نے کفار کے ساتھ تنزیل کے تحت جہاد کیا ہے اسی طرح سے تو منافقین سے تاویل کے تحت جہاد کرے گا۔

ویسے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام نے جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ کی درمیانی ''واؤ'' کی واو معیت کے معنی میں قرار دیا ہے اور اگر اس ''واؤ'' کو عطف کی بجائے معیت کے معنی میں قرار دیا جائے تو آیت مجیدہ کا ترجمہ یہ ہوگا: ''اے نبی! آپ منافقین کو اپنے ساتھ ملا کر کفار سے جہاد کریں''۔

ویسے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والے افراد جانتے ہیں کہ آپؐ ہمیشہ منافقین کو بھی غزوات میں ساتھ لے جانے کے عادی تھے۔ (اضافۃ من المترجم)

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ قراءت اہل بیتؑ میں جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ کے الفاظ وارد ہیں اور آئمہ اہل بیتؑ اس کی یہ دلیل دیتے تھے کہ اگر آنحضرت کو منافقین سے بھی کفار کی طرح جہاد کا حکم ہوتا تو آپ یقیناً ان سے جنگ کرتے جب کہ آپ کی پوری زندگی میں اس طرح کا کوئی واقعہ موجود نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے منافقین سے کبھی جنگ نہیں کی تھی۔ آپؐ نے ہر موقع پر ان کی تالیفِ قلب فرمائی تھی۔ ویسے بھی منافقین کا کفر باطنی تھا اسی لیے انھیں قتل کرنا جائز نہیں تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت مجیدہ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو حکم

دیا تھا کہ جب وہ کفار سے جہاد کے لیے جائیں تو منافقین کو بھی اپنے ساتھ لے کر جائیں۔ آنحضرت نے پوری زندگی منافقین سے جنگ نہیں کی تھی۔ اس کے برعکس آپؐ ان کی تالیفِ قلب فرمایا کرتے تھے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی اس آیت مجیدہ کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: منافقین سے جہاد کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان پر فرائض عائد کر کے ان سے جہاد کریں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے ضمن میں یہ بھی منقول ہے کہ اس آیت کے ایک حصّہ پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل کیا تھا اور دوسرے حصّہ پر حضرت علی علیہ السلام نے عمل کیا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کا جہاد بھی دراصل رسولؐ خدا کا ہی جہاد تھا۔

شیخ الطائفہ امالی میں ابن عباس کی سند سے رقم طراز ہیں کہ جب یَاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ کی آیت نازل ہوئی تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ''عمالقہ'' یعنی کفار سے ضرور جہاد کروں گا۔ اس وقت جبریل امینؑ نازل ہوئے اور انھوں نے کہا کہ آپؐ جہاد کریں گے یا علیؑ کریں گے۔

منافقین کی جھوٹی قسمیں

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَةَ الْکُفْرِ وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا

''یہ لوگ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے وہ بات نہیں کہی جب کہ انھوں نے ضرور وہ کافرانہ بات کہی ہے اور اسلام لانے کے بعد انھوں نے کفر کیا ہے اور انھوں نے وہ ارادہ کیا تھا جسے وہ حاصل نہ کر سکے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے کعبہ میں بیٹھ کر آپس میں عہد و پیمان کیا تھا کہ رسولؐ خدا کی وفات کی صورت میں وہ بنی ہاشم میں خلافت کو نہیں جانے دیں گے۔ چنانچہ یہ ان کا کلمہ کفر تھا اور پھر آنحضرت کو شہید کرنے کی غرض سے وہ تبوک سے واپسی پر ایک گھاٹی میں چھپ کر بیٹھے تھے لیکن اللہ نے ان کے منصوبہ کو ناکام کر دیا تھا اور آنحضرتؐ ان کے شر سے محفوظ رہ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا ''انھوں نے وہ ارادہ کیا تھا جسے وہ حاصل نہ کر سکے تھے''۔

تفسیر مذکور میں يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ (المجادلہ: ۱۸) (جس دن خدا ان سب کو مبعوث کرے گا تو وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح سے قسمیں کھائیں گے جیسا کہ وہ تمھارے لیے قسمیں کھاتے ہیں) کی آیت مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے: جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان تمام افراد کو جمع کرے گا جنھوں نے آلِ محمدؑ کے حقوق غصب کیے ہوں گے۔ ان کے سامنے ان کے اعمال پیش کیے جائیں گے وہ اس وقت خدا کے سامنے قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم نے اس طرح کا کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اس طرح کی جھوٹی قسمیں انھوں نے آنحضرتؐ کے سامنے اس وقت بھی کھائی تھیں جب انھوں نے بنی ہاشم میں خلافت منتقل نہ ہونے کی کافرانہ بات کہی تھی اور انھوں نے جب ایک گھاٹی کی چڑھائی پر آنحضرت کو شہید کرنے کی ناکام کوشش کی تھی تو اس وقت بھی انھوں نے جھوٹی قسمیں کھا کر آنحضرت کو اعتماد دلانے کی کوشش کی تھیں کہ ان کا دامن بالکل پاک ہے۔ انھوں نے اس طرح کی کوئی کافرانہ گفتگو اور کافرانہ حرکت نہیں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا:

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ

''وہ خدا کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے وہ بات نہیں کی ہے جب کہ انھوں نے کافرانہ گفتگو ضرور کی ہے اور اسلام لانے کے بعد کفر کیا ہے اور انھوں نے وہ ارادہ کیا تھا جسے وہ حاصل نہ کر سکے تھے اور انھیں غصہ ہے تو اس بات پر ہے کہ خدا و رسول نے اپنا فضل کرتے ہوئے انھیں غنی کر دیا ہے اور اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔ چنانچہ جس طرح سے انھوں نے رسولؐ خدا کے سامنے جھوٹی قسمیں کھائی تھیں قیامت کے روز بھی وہ خدا کے سامنے جھوٹی قسمیں کھائیں گے''۔

تفسیر عیاشی میں زید بن ارقم سے منقول ہے کہ جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم میں حضرت علی علیہ السلام کے مولا ہونے کا اعلان کیا تو اس کے بعد ہم اپنے اپنے خیموں میں چلے آئے۔ میرے خیمہ کے ساتھ ایک خیمہ نصب تھا جس میں تین قریشی افراد بیٹھے تھے جب کہ میرے خیمہ میں حذیفہ بن الیمان تھا۔ ہم نے ساتھ والے خیمے سے آواز سنی ان تین میں سے ایک نے نبی اکرمؐ کے متعلق گستاخی کی اور کہا کہ محمدؐ کیا سمجھتا ہے کہ اس کے بعد علیؑ حکومت کرے گا؟ دوسرے بدبخت نے بھی اس جیسی گستاخی کی اور اس کی تائید کی۔ تیسرے بدبخت نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور اس نے بھی آنحضرتؐ کے متعلق نازیبا کلمات کہے اور کہا: خدا کی قسم! جو کچھ محمدؐ چاہتا ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ حذیفہ کو بہت غصہ آیا

اور اس نے خیمہ کا ایک کنارا اٹھایا اور ان کے خیمہ میں سر داخل کر کے کہا: رسولِ خدا کی زندگی میں تم اس طرح کی باتیں کر رہے ہو جب کہ ابھی تک وحی الٰہی کا سلسلہ جاری ہے۔ میں آنحضرت کو تمھاری گفتگو سے باخبر کروں گا۔

انھوں نے حذیفہ سے کہا کہ بندۂ خدا ہمیں معلوم نہ تھا کہ تو بھی یہاں موجود ہے اور ہماری باتوں کو سن رہا ہے۔ مجالس کی باتیں امانت ہوتی ہیں لہٰذا تم انھیں امانت سمجھ کر اپنے پاس محفوظ رکھو۔

حذیفہ نے کہا کہ ایسی باتیں امانت نہیں ہوتیں۔ اگر میں نے آنحضرت کو اس سے مطلع نہ کیا تو میں سمجھوں گا کہ میں نے خدا اور رسول کی خیر خواہی میں کوتاہی کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو تم اپنا شوق پورا کرلو۔ ہم قسم کھا کر ان سے کہیں گے کہ ہم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی' یہ ہم پر جھوٹ ہے۔ جب ہم تین افراد قسم کھا کر بات کریں گے تو ہمیں یقین ہے کہ نبی ہمیں سچا قرار دے گا اور تمھیں جھوٹا قرار دے گا۔

حذیفہ نے کہا: خواہ کچھ بھی ہو میں خدا اور رسول کی خیر خواہی کر کے ہی رہوں گا۔ یہ کہہ کر حذیفہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اس وقت علی علیہ السلام بھی نبی اکرمؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور انھوں نے تلوار حمائل کی ہوئی تھی۔ حضرت حذیفہ نے منافقین کی گفتگو آنحضرتؐ سے نقل کی۔ رسول اکرمؐ نے انھیں بلایا۔ انھوں نے آنحضرتؐ کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ یہ سراسر جھوٹ اور افترا ہے۔ ہم نے سرے سے ایسی کوئی بات ہی نہیں کی۔

اس وقت جبریل امینؑ یہ آیت لائے: یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا ؕ وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ وَكَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِهِمۡ "یہ خدا کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے وہ بات نہیں کہی جب کہ انھوں نے کافرانہ بات ضرور کہی ہے اور وہ اسلام کے بعد کافر ہو چکے ہیں"۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: یہ جو چاہیں کہتے پھریں میری پسلیوں میں میرا دل موجود ہے اور میری تلوار میری گردن میں موجود ہے۔ اگر یہ کچھ ارادے کرسکتے ہیں تو جواب میں میں بھی ارادہ کرسکتا ہوں۔

اس وقت جبریل امینؑ نے رسولِ خدا سے عرض کیا کہ آپ علیؑ کو آنے والے واقعات کی خبر دیں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو آنے والے حالات کی خبر دی تو حضرت علی علیہ السلام نے کہا: اگر تقدیرِ خدا یہی ہے تو پھر میں بھی تقدیر کے فیصلہ پر صبر کروں گا۔

ایک اور روایت میں حضرت حذیفہؓ کے بجائے حضرت مقدادؓ کا نام بیان کیا گیا ہے اور ان کے حوالے سے مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

ثعلبہ انصاری کا واقعہ

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

''اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل سے ہم کو نوازا تو ہم اس کی راہ میں صدقہ دیں گے اور صالح بن کر رہیں گے۔ مگر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دولت مند بنا دیا تو وہ بخل پر اُتر آئے اور کنارہ کش ہو کر پلٹ گئے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ثعلبہ بن خاطب بن عمرو بن عوف کی مذمت کی ہے۔ وہ پہلے انتہائی مفلس تھا۔ اس نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر خدا نے اسے وافر مقدار میں رزق عطا کیا تو وہ زکوٰۃ و صدقات کی پابندی کرے گا۔ لیکن جب اللہ نے اسے وسیع رزق دیا تو وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہا اور اس نے بخل سے کام لیا۔ ان آیات میں اس کے طرزِ عمل کی مذمت کی گئی ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ آیات ثعلبہ بن خاطب کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس کا تعلق انصار مدینہ سے تھا اور وہ انتہائی غریب و مفلس شخص تھا۔ اس نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ وہ مجھے بہت سی دولت عطا فرمائے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: ثعلبہ وہ کم رزق جس کا تو شکر ادا کر سکے وہ اس زیادہ رزق سے بہتر ہے جس کا تم سے شکر ادا نہ ہو سکے۔ کیا میں تیرے لیے اسوۂ کامل نہیں ہوں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں ارادہ کرلوں تو یہ پہاڑ سونے اور چاندی کے ہو جائیں اور میرے ساتھ چلنے لگ جائیں۔

اس وقت ثعلبہ خاموشی سے اُٹھ کر چلا گیا۔ پھر چند دنوں بعد وہ حاضرِ خدمت ہوا اور حصولِ دولت کے لیے دعا کی التجا کی اور کہا: مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ اگر اس نے مجھے دولت دے دی تو ہر صاحب حق کو اس کا حق دوں گا۔ اس وقت رسولِ خدا نے بارگاہِ خداوندی میں درخواست کی اور کہا: پروردگار! ثعلبہ کو مال عطا فرما۔

راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا قبول ہوئی۔ اس کے گھر کی بکری کیڑے مکوڑوں کی طرح سے بچوں پر بچے دینے لگی۔ کچھ عرصہ بعد اس کے پاس اتنی بکریاں ہوگئیں کہ اس کے لیے شہر مدینہ تنگ پڑ گیا۔ اس نے

مدینہ چھوڑ دیا اور ایک وادی میں رہنے لگ گیا۔ رسولؐ خدا نے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے زکوٰۃ کے نمائندے کو اس کے پاس بھیجا لیکن اس نے یہ کہہ کر زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا کہ یہ مجھے جزیہ کی بہن دکھائی دیتی ہے۔

زکوٰۃ کا نمائندہ خالی ہاتھ واپس آیا اور اس نے رسولؐ خدا کو ثعلبہ کا جواب سنایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ثعلبہ پر افسوس۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔

علاماتِ نفاق

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

"ان کے بخل نے ان کے دلوں میں نفاق راسخ کر دیا جو خدا کے حضور پیشی کے دن تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گا کیونکہ انھوں نے خدا سے وعدہ خلافی کی ہے اور وہ جھوٹ بولتے ہیں"۔

کتاب التوحید میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا: قرآن مجید میں جہاں جہاں "لقائے رب" کے متعلق آیات ہیں مثلاً الذین یظنون انھم ملاقوا ربھم یا الی یوم یلقونہ جیسی آیات میں "لقاء" سے مراد وہ ملاقات نہیں ہے جس میں رؤیت شامل ہوتی ہے۔ "لقاء" سے خدا کے حضور پیشی مراد ہے۔

کتاب الخصال میں عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس میں چار عادات پائی جائیں وہ منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک عادت ہو تو بھی اس میں منافقت کی خصلت موجود ہے جب تک اسے چھوڑ نہ دے: ۱- جب بات کرے تو جھوٹ بولے ۲- وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے ۳- معاہدہ کرے تو غداری کرے ۴- کسی سے جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث صحیح میں وارد ہے کہ منافق کی تین علامات ہیں: ۱- جب بات کرے تو جھوٹ بولے ۲- وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے ۳- اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

اہلِ خیر پر اعتراض کرنے والے

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا

جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''وہ لوگ جو فراخ دلی سے حصہ لینے والے مومنین اور ان غریبوں پر جن کے پاس ان کی محنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے' الزام لگاتے ہیں پھر ان کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اللہ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اُڑاتا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق لکھا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے لیے لوگوں سے مالی تعاون کا سوال کیا تو کچھ فراخ دل افراد نے دل کھول کر مدد کی اور بعض مزدوروں نے اپنی آدھی مزدوری اس فنڈ میں جمع کرائی۔ منافق اسے دیکھ کر کڑھتے تھے۔ جو شخص فراخ دلی سے مدد کرتا تھا تو منافق کہتے تھے کہ یہ ریاکار اور شہرت پسند ہے اور جب کوئی غریب اپنی حسب استطاعت رقم جمع کراتا تو یہ مذاق اڑا کر کہتے تھے بھلا اس معمولی سی رقم کے ذریعہ سے بھی رومۃ الکبریٰ کے لشکر کو شکست دی جا سکتی ہے۔

ایک مرتبہ سالم بن عمیر انصاری ایک صاع (قریباً تین کلوگرام) کھجوریں لے کر آئے اور انھوں نے بارگاہ رسالتؐ میں عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں نے ساری رات ایک شخص کی کھجوروں کو ڈول بھر بھر کر پانی پلایا۔ اس نے اُجرت میں مجھے دو صاع کھجوریں دی ہیں۔ میں نے اس میں سے ایک صاع اپنے گھر رکھا ہے اور ایک صاع کھجوریں لے آیا ہوں اور یہ خدا کو قرض میں دے رہا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب صحابی کا جذبہ دیکھا تو آپؐ نے اس کے جذبات کی قدر کی اور فرمایا: اس کی کھجوروں کو عطیات کے ڈھیر پر رکھ دیا جائے۔

منافقین نے ایک دوسرے سے کہا کہ اللہ تو بڑا غنی ہے وہ بھلا اس کی کھجوروں کو کیا کرے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ ''ابوعقیل'' (سالم بن عمیر انصاری کی کنیت) تھوڑی سی کھجوریں پیش کر کے اپنے آپ کو عطیہ دہندگان میں شمار کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ایک مفلس کی خیرات سب سے افضل ہے۔

عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: اللہ مذاق نہیں کرتا' کسی کا ٹھٹھہ نہیں اُڑاتا' وہ مکر نہیں کرتا' وہ کسی کو دھوکا نہیں دیتا البتہ اللہ ان افعال کی جزا دیتا ہے' اللہ اس سے کہیں بلند و برتر ہے جو ظالم لوگ اس کے

متعلق بیان کرتے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے ایک شخص کی کھجوروں کو اُجرت پر پانی پلایا اور ہرڈول کے بدلے ایک کھجور کا دانہ اُجرت طے کیا۔ جب آپؑ کو مزدوری ملی تو آپؑ مزدوری کی کھجوریں لے کر پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! یہ کھجوریں میری طرف سے قبول فرمائیں۔ اس وقت ابن عوف دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ ...... کی آیت نازل فرمائی۔

منافقین کے لیے استغفار کی ممانعت

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۸۰

''آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کی مغفرت طلب کرو تو بھی خدا انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے۔ اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا''۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: (رسولؐ خدا اتنے مہربان تھے کہ) اللہ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر آپؐ منافقین کے لیے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو بھی خدا انھیں معاف نہیں کرے گا۔

آپؐ نے فرمایا: کوئی بات نہیں اگر ستر مرتبہ استغفار سے ان کی مغفرت نہیں ہوتی تو میں ستر مرتبہ کی بجائے سو بار ان کے لیے استغفار کروں گا ممکن ہے کہ اللہ انھیں معاف کردے۔

اللہ تعالیٰ نے پھر یہ آیات نازل فرمائیں: سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ (المنافقون:۶) ''ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں خدا انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا''۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ اگر ان میں سے کوئی مرے تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں''۔

ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے لیے استغفار کرنا چھوڑ دیا اور پھر کسی

منافق کی قبر پر کھڑے نہ ہوئے۔

مجمع البیان میں علامہ طبرسی رقم طراز ہیں کہ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو بھی خدا ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا) کی آیت مجیدہ میں "ستر" سے ستر کا عدد مراد نہیں ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ خواہ آپ کتنی بار بھی ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو بھی اللہ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

لغت عرب میں اس طرح کے محاورے عام استعمال ہوتے رہتے ہیں مثلاً عرب کہتے ہیں: لو قلت لی الف مرة ما قبلت (اگر تم ہزار بار بھی مجھ سے کہو گے تو بھی میں قبول نہیں کروں گا) اس محاورہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر تم ایک ہزار ایک بار کہو گے تو میں قبول کرلوں گا۔ چنانچہ مذکورہ آیت میں بھی اللہ نے یہی فرمایا ہے کہ آپ خواہ کتنی بار بھی ان کے لیے مغفرت طلب کریں پھر بھی میں ان کو معاف نہیں کروں گا۔ اور روایات میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "میں ان کے لیے ستر سے زیادہ مرتبہ مغفرت طلب کروں گا"۔ یہ ایک خبرِ واحد ہے جس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس خبرِ واحد سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کفار کے لیے استغفار کرتے تھے جب کہ یہ بات بالاجماع جائز نہیں ہے۔ اس کے برعکس رسولِ اکرمؐ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اگر ستر سے زیادہ بار طلب مغفرت کرنے سے ان کی مغفرت ممکن ہوتی تو میں ضرور اس کے لیے مغفرت طلب کرتا"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ......کی آیت مجیدہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس آئے اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بیمار ہوا۔ اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ جو کہ خالص مومن تھا، آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ میرا باپ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اگر آپؐ ہمارے پاس نہ آئے تو یہ ہمارے لیے ننگ و عار ثابت ہوگی۔ رسولِ خداؐ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت اس کے گرد منافق جمع تھے۔ عبداللہ بن عبداللہ نے رسولِ خداؐ سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! اس کے لیے استغفار کریں۔ آنحضرتؐ نے اس کے لیے استغفار کیا۔

حضرت عمر بھی وہاں موجود تھے انھوں نے رسولِ خداؐ سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو منافق کے استغفار سے منع نہیں کیا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا سوال سن کر نظرانداز کردیا۔ حضرت عمر نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ آنحضرتؐ

نے فرمایا: تجھ پر افسوس، اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے، میں نے استغفار کو اختیار کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۔ (آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں تو بھی خدا انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا)

عبداللہ کی موت کے بعد اس کا بیٹا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے والد کے جنازہ میں شرکت فرمائیں۔

رسولِ خدا اس کے کہنے پر جنازہ میں تشریف لے گئے اور اس کی قبر پر کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اللہ نے آپ کو منافقین کی نماز جنازہ اور ان کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع نہیں کیا؟

رسولِ خدا نے فرمایا: تجھے معلوم ہے کہ میں نے اس کے جنازہ میں کیا کہا ہے؟ میں نے تو اس کے جنازہ میں یہ کلمات کہے ہیں: اللهم احش قبره نارا وجوفه نارا واصله النار (خدایا! اس کی قبر آگ سے بھر اور اس کے پیٹ میں آگ بھر اور اسے دوزخ میں داخل کر)۔

مجمع البیان میں انس بن مالک سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تمھیں وہ معلوم ہو جائے تو تم کم سے کم ہنسو گے اور زیادہ سے زیادہ روؤ گے۔

نماز جنازہ کی تکبیرات

الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپ نے فرمایا: جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی میت کا جنازہ پڑھتے تو آپ تکبیر کہتے پھر تشہد پڑھتے تھے، پھر تکبیر کہتے اور انبیاء پر درود پڑھتے تھے۔ پھر تکبیر کہتے تھے اس کے بعد اہلِ ایمان کے لیے دعا کرتے تھے۔ پھر چوتھی تکبیر کہنے کے بعد میت کے لیے دعا کرتے تھے۔ پھر آخری تکبیر کہہ کر نماز ختم کردیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو منافقین کا جنازہ پڑھنے سے منع کیا تو آپ ان کے جنازہ پر چار تکبیرات پڑھتے تھے اور ان کے جنازہ پر میت کے لیے دعا نہیں کرتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: رسولِ خدا کچھ لوگوں پر پانچ تکبیریں پڑھتے تھے اور کچھ لوگوں پر چار تکبیریں پڑھتے تھے جس پر آپ چار تکبیریں پڑھتے تو اسے نفاق سے متہم کیا جاتا تھا یعنی اسے منافق سمجھا جاتا تھا۔

تفسیر عیاشی میں زرارہ سے منقول ہے، اس نے کہا کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا، آپ نے

فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے بیٹے سے کہا: جب تو اپنے باپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جائے تو مجھے خبر کرنا۔ کچھ دیر بعد اس نے آنحضرت کو خبر دی۔ نبی کریمؐ نے جوتا پہننے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے یہ نہیں فرمایا: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے، میں تو وہاں یہ دعا پڑھوں گا: اللھم املاء قبرہ نارا واملاء جوفہ نارا واصلہ یوم القیامۃ نارا (خدایا! اس کی قبر کو آگ سے بھر، اس کے پیٹ میں آگ بھر اور اسے قیامت کے دن دوزخ میں داخل فرما)۔

حنان بن سدیر نے اپنے والد سے، اس نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے، آپؑ نے فرمایا: ایک منافق مر گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بیٹے کی طرف پیغام بھیجا جب تم اس کا جنازہ لے کر نکلو تو مجھے اطلاع کرنا۔ جب اس کا جنازہ تیار ہوا تو انھوں نے آنحضرت کو اطلاع کی۔ آپؐ ان کی طرف چلے یہاں تک کہ آپؐ نے اس کے بیٹے کا جنازہ میں ہاتھ پکڑا اور چلنے لگے۔ حضرت عمر نے آپؐ پر اعتراض کیا اور کہا: یارسولؐ اللہ! کیا اللہ نے آپ کو منافقین کا جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں پر کھڑا ہونے سے منع نہیں کیا؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا۔ قبر پر پہنچنے سے پہلے حضرت عمر نے اپنے اعتراض کو دہرایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ہمیں اس کا جنازہ پڑھنے اور اس کی قبر پر کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اس کا بیٹا مومن ہے۔ ہم پر اس کے حق کی ادائیگی ضروری ہے۔

حضرت عمر نے کہا: میں خدا سے اس کی ناراضگی اور آپؐ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ روایات میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کا نماز جنازہ پڑھا اور اس کے کفن کے لیے آپ نے اپنی قمیص عطا فرمائی۔ اس وقت تک اللہ نے آپؐ کو منافقین کا جنازہ پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا؟ یہ روایت ابن عباس، جابر اور قتادہ سے منقول ہے۔

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو جبریل امینؑ نے آپ کا کپڑا پکڑ کر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا ...... (اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو آپؐ اس کا جنازہ نہ پڑھیں)۔

کہا جاتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ وہ تو کافر تھا اس کے باوجود آپ نے اس کے کفن کے لیے قمیص کیوں بھیجی؟

آپؐ نے فرمایا: میری قمیص خدا کے حضور اسے ہرگز فائدہ نہ دے سکے گی میں خدا سے اُمید کرتا ہوں کہ میرے اس عمل کی وجہ سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ روایات میں مذکور ہے کہ جب لوگوں نے دیکھا کہ رسولؐ خدا کے قمیص سے ان کے سردار عبداللہ بن ابی نے اپنی مغفرت کا سہارا تلاش کیا تھا تو اس وجہ سے قبیلہ خزرج کے ایک ہزار افراد نے اسلام قبول کیا۔ یہ روایت زجاج سے منقول ہے جب کہ اکثر روایت میں بیان کیا گیا کہ آنحضرتؐ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

عوالی اللئالی میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھی تو حضرت عمر نے آپؐ سے کہا: کیا آپؐ ایک دشمنِ خدا کا نماز جنازہ پڑھتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کا جنازہ پڑھنے سے منع کیا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: تجھے کیا معلوم ہے کہ میں نے کیا پڑھا تھا۔ میں نے تو یہ پڑھا ہے: اللھم احش قبرہ نارًا وسلط علیہ الحیات والعقارب "خدایا! اس کی قبر کو آگ سے بھر دے اور اس پر سانپ، بچھو مسلّط فرما"۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ لِيُؤۡذَنَ لَهُمۡ وَقَعَدَ الَّذِيۡنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ‌ ؕ سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۹۰﴾ لَيۡسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الۡمَرۡضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ مَا يُنۡفِقُوۡنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوۡا لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ‌ ؕ مَا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ مِنۡ سَبِيۡلٍ‌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۙ‏ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيۡنَ اِذَا مَاۤ اَتَوۡكَ لِتَحۡمِلَهُمۡ قُلۡتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّاَعۡيُنُهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوۡا مَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ‏ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيۡلُ عَلَى الَّذِيۡنَ يَسۡتَاۡذِنُوۡنَكَ وَهُمۡ اَغۡنِيَآءُ‌ ۚ رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَـوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۳﴾

يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ‌ ؕ قُلْ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَـكُمۡ قَدۡ نَـبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ‌ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَـكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَـكُمۡ اِذَا انْقَلَبۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ‌ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ‌ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ‌ وَّمَاۡوٰٮهُمۡ

جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ
فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾
اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ
مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ
دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ
يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ
وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ
رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ
الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ
الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ
لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ
اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا

صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ؕ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

"اور ان کے اموال و اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈال دیں۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ مال و اولاد کے ذریعہ سے انھیں دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔

اور جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور رسول کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کرو تو ان کے صاحبانِ حیثیت آپ سے درخواست کرنے لگ گئے اور انھوں نے کہا کہ ہمیں چھوڑ دیں کہ ہم بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ رہیں۔ ان لوگوں نے گھر میں بیٹھنے والیوں کے ساتھ شامل ہونا پسند کرلیا ہے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ وہ کچھ بھی نہیں سمجھیں گے۔ لیکن رسول اور ان پر ایمان لانے والوں نے اپنے مال و جان سے جہاد

میں شرکت کی ہے۔ ساری بھلائیاں انھی کے لیے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔
اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عظیم الشان کامیابی ہے۔

بدوی عربوں میں سے بھی معذرت کرنے والے آئے کہ انھیں بھی پیچھے رہنے کی اجازت دی جائے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی گھروں میں بیٹھ گئے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹا عہد کیا تھا۔ عنقریب ان کافروں پر دردناک عذاب نازل ہوگا۔
جو لوگ کمزور ہیں یا بیمار ہیں یا ان کے پاس راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے تو ان کے بیٹھے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ خدا و رسول کے خیر خواہ ہوں۔ نیک کردار لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
اسی طرح سے ان لوگوں پر بھی اعتراض کا کوئی موقع نہیں ہے جنھوں نے خود آ کر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمھارے لیے سواریوں کا کوئی انتظام نہیں کرسکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حالت یہ تھی کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انھیں اس بات کا بڑا صدمہ تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریکِ جہاد ہونے کی قدرت نہیں رکھتے۔ البتہ اعتراض تو ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہیں۔ پھر بھی تم سے درخواست کرتے ہیں کہ انھیں شرکتِ جہاد سے معاف رکھا جائے۔ انھوں نے گھر بیٹھنے والیوں میں شامل ہونا پسند کرلیا ہے۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اس لیے اب وہ کچھ نہیں جانتے۔
جب تم پلٹ کر ان کے پاس پہنچو گے تو یہ طرح طرح کے عذر پیش کریں گے۔ آپ ان سے کہہ دینا کہ بہانے مت بناؤ۔ ہم تمھاری باتوں کا اعتبار نہیں کریں گے۔ اللہ نے ہمیں تمھارے حالات سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب اللہ اور اس کا رسول تمھارے طرزِ عمل کو دیکھے

گا۔ پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو حاضر و غائب کے جاننے والا ہے۔ وہ تمہیں تمھارے اعمال کی خبر دے گا۔

عنقریب یہ لوگ تمھاری واپسی پر خدا کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ تم ان سے صرف نظر ہی کرلو۔ یہ مجسم نجاست ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو ان کی کمائی کے عوض انھیں نصیب ہوگی۔ یہ تمھارے لیے قسمیں کھائیں گے کہ کسی طرح سے تم ان سے راضی ہوجاؤ حالانکہ تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ان فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوگا۔

بدوی عرب کفرونفاق میں زیادہ سخت ہیں اور وہ اس قابل ہیں کہ جو کتاب خدا نے اپنے رسول پر نازل کی ہے وہ اس کے حدود و احکام کو نہ پہچانیں۔ اللہ خوب جاننے والا اور صاحب حکمت ہے۔

انھی اعراب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو راہِ خدا میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو وہ اسے اپنے اُوپر تاوان سمجھتے ہیں اور تمھارے لیے گردشِ زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ خود انھی پر بُری گردش کی مار ہے اور اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اور ان اعراب میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی قربت اور رسول کی دعائے رحمت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بے شک یہ ان کے لیے سامانِ قربت ہے۔ خدا عنقریب انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی ہے ان سب سے خدا راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

تمھارے گرد بدویوں میں منافق موجود ہیں اور اسی طرح خود مدینہ کے باشندوں میں بھی منافق موجود ہیں جو نفاق میں طاق ہو گئے ہیں۔ تم انھیں نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں۔ ہم عنقریب انھیں دوہری سزا دیں گے۔ پھر انھیں عذابِ عظیم کی جانب پلٹایا جائے گا۔

کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا ہے۔ انھوں نے نیک اور برے اعمال مخلوط کر دیئے ہیں۔ عنقریب خدا ان کی توبہ قبول کرلے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اے نبیؐ! آپ ان کے اموال سے صدقہ لے کر انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کے حق میں دعا کریں۔ یقیناً آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا باعث ہے اور خدا سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

کیا انھیں علم نہیں ہے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خیرات کو قبولیت عطا کرتا ہے اور یقیناً اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ آپ کہہ دیجیے تم لوگ عمل کرتے رہو کہ تمھارے عمل کو اللہ اور اس کا رسول اور اہلِ ایمان دیکھ رہے ہیں۔ پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو حاضر و غائب کے جاننے والا ہے۔ وہ تمھیں تمھارے اعمال کی خبر دے گا۔ کچھ دوسرے ہیں جن کا معاملہ ابھی خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے چاہے تو انھیں سزا دے اور اگر چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے"۔

منافقین جھوٹے ہیں

رَضُوۡا بِاَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ ....

"انھوں نے گھر میں بیٹھنے والیوں کے ساتھ شامل ہونا پسند کرلیا ہے"۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: لفظ "خوالف" سے خانہ نشین عورتیں مراد ہیں۔ منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بہانہ بناتے ہوئے کہا کہ آپ ہمیں گھر رہنے کی اجازت

دیں' کیونکہ ہمارے گھر خالی پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے گھر خالی نہیں یہ لوگ صرف بھاگنا چاہتے ہیں۔ ان کے گھر ہر لحاظ سے محفوظ ہیں۔

بے استطاعت مخلص

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ

''جو لوگ کمزور ہیں یا بیمار ہیں یا ان کے پاس راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے تو ان کے بیٹھے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے' بشرطیکہ وہ خدا اور رسولؐ کے خیر خواہ ہوں۔ نیک کردار لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اسی طرح سے ان لوگوں پر بھی اعتراض کا کوئی موقع نہیں ہے جنھوں نے خود آ کر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمھارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حالت یہ تھی کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ انھیں اس بات کا بڑا صدمہ تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریکِ جہاد ہونے کی قدرت نہیں رکھتے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ مخلص مگر مفلس اہلِ ایمان آئے۔ ان کی تعداد سات افراد پر مشتمل تھی۔ یہ افراد روتے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے سالم بن عمیر کا تعلق بنی عمرو بن عوف سے تھا اور وہ جنگِ بدر میں بھی شامل ہوئے تھے۔ ہرمی بن عمیر (ہرمی بن عبداللہ) کا تعلق بنی واقف سے تھا اور علبہ بن زید کا تعلق بنی حارثہ سے تھا۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جنگِ تبوک کے لیے فنڈ لانے کو کہا تو یہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے کہا: یارسولؐ اللہ! میرے پاس حاضر کرنے کے لیے دولت نہیں ہے۔ میں اپنی عظمت و آبرو حلال کرتا ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ میں لوگوں کے لیے اپنے عیوب بیان کرنا حلال کرتا ہوں۔ رسولِ خدا نے فرمایا کہ اللہ نے تیرا صدقہ قبول کیا ہے۔

ابویعلی عبدالرحمن بن کعب کا تعلق بنی مازن سے تھا۔ عمرو بن غنیمہ کا تعلق بنی سلمہ سے تھا۔ سلمہ بن صخر کا تعلق بنی زریق سے تھا اور ماضرہ بن ساریہ السلمی کا تعلق بنی العرز سے تھا۔ الغرض مذکورہ افراد روتے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ہمارے پاس سواریاں موجود نہیں ہیں۔ آپؐ ہمیں سواریاں مہیا کریں تاکہ ہم بھی جہاد میں شرکت کرسکیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری فراہم کرنے سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس سواریاں موجود نہیں ہیں۔ اگر سواریاں ہوتیں تو میں ضرور تمھیں سوار کراتا۔

آنحضرتؐ کا یہ جواب سن کر وہ لوگ روتے ہوئے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا اخلاص اتنا پسند آیا کہ اللہ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ ...... ''ان لوگوں پر اعتراض کا کوئی موقع نہیں ہے جنھوں نے خود آکر آپؐ کے پاس درخواست کی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمھارے لیے سواریاں فراہم نہیں کرسکتا تو وہ روتے ہوئے واپس چلے گئے''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے صاحبانِ قدرت کی مذمت کی جن کے پاس سفر کے لیے وسائل موجود تھے اس کے باوجود بھی انھوں نے جہاد کی بجائے گھر میں رہنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کے لیے فرمایا: اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ ''اعتراض تو ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہیں پھر بھی تم سے گھر میں بیٹھے رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ انھوں نے گھر میں بیٹھنے والیوں کے ساتھ شامل ہونا پسند کرلیا ہے۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔ اس لیے وہ کچھ نہیں جانتے''۔ اس طرح کی اجازت مانگنے والوں کی تعداد ۸۰ افراد پر مشتمل تھی اور ان کا تعلق مختلف قبائل سے تھا۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ خدا کی طرف سے تکلیف شرعی بقدر استطاعت ہوتی ہے اور جب کسی کے پاس استطاعت نہ ہو تو اس پر سے شرعی تکلیف ہٹا دی جاتی ہے جیسا کہ اللہ نے کمزور، بیمار اور جن کے پاس راہِ خدا میں خرچ کرنے کی استطاعت نہیں تھی۔ ان کو جہاد اور جہاد کی تیاریوں سے مستثنیٰ قرار دیا تھا اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان اہلِ ایمان کو بھی جہاد سے معذور قرار دیا تھا جنھوں نے آنحضرتؐ سے سواریوں کا مطالبہ کیا تھا۔

پھر آپؐ نے لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ ...... اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۞ کی آیات کی تلاوت فرمائی۔

من لا یحضرہ الفقیہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: ہم اپنے ان کبائر شیعوں کی شفاعت کریں گے جب کہ توبہ کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (نیک کردار لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے)

کتاب الخصال میں تمیم الداری سے منقول ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مجھے پانچ باتوں کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دوں گا۔ لوگوں نے کہا: یارسولؐ اللہ! وہ پانچ کون سی باتیں ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (۱) اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی (۲) اللہ کے رسول کی خیر خواہی (۳) کتاب خدا کی خیر خواہی (۴) اللہ کے دین کی خیر خواہی (۵) جماعت مسلمین کی خیر خواہی۔

تفسیر عیاشی میں عبداللہ بن حرب سے منقول ہے کہ جب امیر المومنین علی علیہ السلام جنگِ صفین سے واپس ہوئے اور آپ نخیلہ سے گزر کر کوفہ کے قریب پہنچے تو ہمیں وہاں ایک بزرگ دکھائی دیا جو ایک گھر کی دیوار کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر بیماری کے آثار نمایاں تھے۔ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اسے سلام کیا' اس نے باوقار طریقہ سے سلام کا جواب دیا۔ آپؑ نے اس سے فرمایا: کیا تم اس جنگ میں ہمارے ساتھ شامل ہوئے تھے؟

اس نے جواب دیا کہ امیر المومنینؑ! میری دلی خواہش تھی کہ میں آپؑ کے ہمرکاب ہو کر جنگ میں شرکت کروں' لیکن بیماری کی وجہ سے میں شرکت نہ کر سکا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس وقت یہ آیت تلاوت فرمائی: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ (جو لوگ کمزور ہیں یا بیمار ہیں یا ان کے پاس راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے تو ان کے بیٹھے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے' بشرطیکہ وہ خدا اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں۔ نیک کردار لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

عبدالرحمٰن بن کثیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے شیعوں پر گناہوں اور خطاؤں کی مہر ثبت نہیں کی جاتی۔ وہ خدا کے چنے ہوئے لوگ ہیں جنھیں خدا نے اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب کیا ہے۔ اللہ نے انھی کے لیے فرمایا ہے: مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (نیک کردار لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے)۔

حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ ...... کی آیت کے مصادیق میں عبداللہ بن یزید بن ورقاء الخزاعی بھی شامل تھے۔

(توضیح: بعض کتابوں میں اس کا نام عبداللہ بن بدیل بن ورقاء الخزاعی مرقوم ہے)

اللہ کو ناراض کر کے مخلوق کی رضامندی کی خواہش نہیں کرنی چاہیے

فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝

''اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ان فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوگا''۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کی رضا کو تلاش کرے تو اللہ بھی اس سے راضی ہوگا اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کرے گا اور جو خدا کو ناراض کر کے لوگوں کی رضامندی تلاش کرے تو اللہ اس پر ناراض ہوگا اور لوگوں کو بھی اس پر ناراض کر دے گا۔

بدوی عرب کفر ونفاق میں بہت سخت ہیں

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا

''بدوی عرب کفر ونفاق میں زیادہ سخت ہیں''۔

راغب اپنی کتاب المفردات میں لکھتے ہیں کہ عرب نسلِ اسماعیل ہیں اور لفظ ''اعراب'' کا اطلاق دیہاتی افراد پر ہوتا ہے۔ بعض علمائے لغت لکھتے ہیں کہ ''اعراب'' کی جمع ''اعاریب'' ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ دیہات کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ لوگ کفر ونفاق میں زیادہ سخت ہیں کیونکہ وہ تہذیب وتمدن سے ناآشنا ہیں اور دیہات نشین ہونے کی وجہ سے علم وادب سے محروم ہیں اسی لیے وہ زیادہ سخت مزاج ہیں۔

اصولِ کافی میں علی بن ابی حمزہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ فرمایا کرتے تھے: دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرو۔ جسے دین میں سمجھ بوجھ حاصل نہ ہو تو وہ ''اعرابی'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ وَلِيُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُوۡنَ ۝ (التوبہ:۱۲۲) ''تاکہ وہ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کریں اور اپنی قوم کو تبلیغ کریں جب وہ ان کی طرف لوٹ کر آئیں تاکہ وہ خدا کی نافرمانی سے بچ جائیں''۔

مفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: تمہیں خدا کے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنی چاہیے اور ''اعراب'' مت بنو۔ جو دین میں سمجھ بوجھ سے عاری ہو تو اللہ قیامت کے دن اس کی طرف نگاہِ

رحمت نہیں کرے گا اور اس کے اعمال میں پاکیزگی پیدا نہیں کرے گا۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہم بنی ہاشم ہیں اور ہمارے شیعہ ''عرب'' ہیں جب کہ دوسرے لوگ ''اعراب'' ہیں۔

''اعراب'' کی دو اقسام ہیں

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''انھی اعراب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو راہِ خدا میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو وہ اسے اپنے اوپر تاوان سمجھتے ہیں اور تمھارے لیے گردشِ زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ خود انھی پر گردشِ زمانہ کی مار ہے اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اور ان اعراب میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی قربتوں اور رسول کی دعائے رحمت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بے شک یہ ان کے لیے سامانِ قربت ہے۔ خدا عنقریب انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

اعراب میں کچھ لوگ ایسے تھے جو راہِ خدا میں انفاق کرنے کو اپنے لیے تاوان تصور کرتے تھے خواہ انفاق کا تعلق جہاد فی سبیل اللہ سے ہو یا صدقات و زکوٰۃ سے ہو یا کسی بھی نیک مقصد سے ہو وہ اس کو اپنے لیے خسارہ اور بھاری بھرکم تاوان سمجھتے تھے اور وہ مسلمانوں کے متعلق ہر وقت گردشِ روزگار کے منتظر رہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ مسلمان اگر آج نہیں تو کل گردشِ روزگار میں پھنسیں گے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ خود ہی گردشِ روزگار کے مارے ہوئے ہیں۔ اللہ ان کی گفتگو سن رہا ہے اور ان کے گناہوں سے خوب واقف ہے۔

ان کے برعکس اعراب میں ایسے افراد بھی موجود تھے جو خدا پر مکمل ایمان رکھتے تھے اور عقیدہ توحید پر پوری طرح سے کاربند تھے اور وہ راہِ خدا میں خرچ کرنے کو اپنے لیے تاوان اور مصیبت سمجھنے کے بجائے اسے خدا کی قربتوں اور رسول کی

دعائے خیر کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح کا انفاق ان کے لیے قرب الٰہی کا ذریعہ ثابت ہوگا اور اللہ ان سے وعدہ کر رہا ہے کہ وہ انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا کیونکہ وہ گناہوں کا بخشنے والا ہے اور اطاعت گزار مومنین کے گناہوں کو بخش دے گا۔

تفسیر عیاشی میں داؤد بن حصین سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جو اعراب خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہوں اور قربت الٰہی کی نیت سے انفاق کریں تو کیا خدا انھیں ثواب دے گا؟ آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

اصول کافی میں مرقوم ہے کہ ابوعمرو زبیری نے کہا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: کیا ایمان کے بھی منازل و درجات ہیں اور کیا مومن ایمان کے مختلف درجات پر فائز ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، ایسا ہی ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے کہا کہ آپ اس کی وضاحت فرمائیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جس طرح گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ ہوتا ہے اسی طرح سے اللہ نے اہلِ ایمان کے درمیان بھی ایمانی درجات کا مقابلہ کرایا ہے۔ پھر جتنا کسی نے سبقت کی اسے اتنے ہی درجات سے نوازا۔ لہٰذا کسی مسبوق کو سابق پر اور کسی مفضول کو فاضل پر کوئی سبقت نہیں دی گئی۔ اگر ایمان میں سبقت کرنے والوں کو فضیلت نہ دی جائے تو پھر اُمت کے آخری افراد سابقین کے برابر قرار پائیں گے۔ جب کہ اللہ نے ایمان میں سبقت حاصل کرنے والوں کو تاخیر کرنے والوں پر فضیلت دی ہے۔ اللہ نے ایمانی درجات کی وجہ سے سابقین کو مقدم رکھا اور ایمان میں تاخیر کی وجہ سے تاخیر کرنے والوں کو مؤخر رکھا۔ اگرچہ کچھ متاخرین اپنے سابقین سے نماز، روزے، حج، زکوٰۃ، جہاد و انفاق جیسے اعمال میں زیادہ ہیں لیکن پھر بھی فضیلت کے زیادہ حقدار سابقین ہی ہیں۔ اللہ آخرین کو سابقین کے درجات دینے پر رضامند نہیں ہے۔ اللہ کسی سابق کو مؤخر اور کسی مؤخر کو سابق کا رتبہ دینا نہیں چاہتا۔ کیا تم نے درجاتِ ایمانی کے لیے اللہ کا یہ فرمان نہیں پڑھا: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ...... ''مہاجرین و انصار میں سے ابتدائی سبقت حاصل کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی ہے ان سب سے خدا راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے''۔

اللہ تعالیٰ نے آیت کے آغاز میں مہاجرین اولین کا ذکر کیا۔ ان کے بعد دوسرے نمبر پر انصار کا تذکرہ کیا اور تیسرے نمبر پر نیکی کے کاموں میں ان کی اتباع کرنے والوں کا تذکرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طبقہ کے علیحدہ علیحدہ درجات مقرر کیے تھے۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں سلیم بن قیس الہلالی سے منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عثمان کے دورِ حکومت میں مسجد نبوی کے اندر مہاجرین و انصار سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: میں تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جب وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ اور وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ (الواقعہ ۱۰-۱۱) کی آیات نازل ہوئیں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سابقین کے متعلق پوچھا گیا تھا جس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ نے یہ آیات انبیاء اور ان کے اوصیاء کے متعلق نازل فرمائی ہیں۔ میں تمام انبیاء و رسل سے افضل ہوں اور علی بن ابی طالبؑ تمام اوصیاء سے افضل ہے۔

تو کیا یہ بات سچ ہے؟ مسجد میں موجود صحابہ نے کہا: بے شک یہ سچ ہے رسولؐ خدا نے ایسا ہی فرمایا تھا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ سے حضرت ابوذرؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت عمارؓ جیسے نقباء مراد ہیں جو ابتداء میں اسلام لائے اور انھوں نے تصدیق نبوت کی اور آنحضرتؐ کے بعد ولایتِ امیر المومنین علیہ السلام کے عقیدہ پر ثابت قدم رہے۔

روضہ کافی میں ابی المقدام سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا کہ میں اور میرے والد ماجد مسجد نبوی میں گئے۔ جب ہم قبر مطہر اور منبر کے درمیان پہنچے تو وہاں شیعہ موجود تھے۔ میرے والد نے ان پر سلام کیا اور فرمایا:

خدا کی قسم! مجھے تمھاری خوشبو اور تمھاری ارواح سے محبت ہے۔ تم زہد و پرہیزگاری کے ذریعہ سے میری مدد کرو اور تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری ولایت زُہد و پرہیزگاری کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ تم نے جسے اپنا امام تسلیم کیا ہے اس کے عمل کے مطابق عمل بجالاؤ۔ تم لوگ خدا کے شیعہ ہو' تم لوگ خدا کے انصار ہو۔ تم ''سابقون اولون'' اور ''سابقین آخرون'' ہو۔ تم لوگ دنیا میں سبقت حاصل کرنے والے ہو اور تم لوگ آخرت کے دن جنت کی طرف سبقت حاصل کرنے والے ہو۔

نہج البلاغہ میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: زمین میں حجتِ خدا کی معرفت کے بغیر کسی ایک کو بھی صحیح معنی میں مہاجر نہیں کہا جاسکتا' ہاں جو اسے پہچانے اور اس کا اقرار کرے وہی مہاجر ہے۔

اوّل المسلمین کون ہیں؟

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ مہاجرین میں سے پہلے مسلم کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے

کہ سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد نے اسلام قبول کیا' اس کے بعد حضرت علی بن ابی طالب نے اسلام کا اعلان کیا۔ یہ قول ابن عباس' جابر بن عبداللہ' انس' زید بن ارقم' مجاہد' قتادہ اور ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے بہت سے علماء سے منقول ہے۔

انس بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوموار کے دن مبعوث ہوئے اور حضرت علی علیہ السلام نے منگل کے دن اسلام کا اعلان کیا اور نماز پڑھی۔

مجاہد اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت علی علیہ السلام دس برس کے تھے جب انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے اسلام میں کفر شامل نہیں تھا کیونکہ رسولؐ خدا بچپن میں ہی حضرت علی علیہ السلام کو ابوطالب سے اُٹھا کر لے گئے تھے اور آنحضرتؐ نے ان کی اپنی آغوش میں ہی تربیت کی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام ہمیشہ رسولؐ خدا کے ساتھ ہی رہتے تھے' یہاں تک کہ آپ کو نبی مبعوث کیا گیا۔ روایات میں ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا تھا کہ بیٹا! یہ کون سا دین ہے' تم نے کون سا دین اختیار کیا ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے کہا: ابوجان! میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا ہوں اور وہ جو کچھ لائے ہیں میں نے ان کی تصدیق کی ہے اور میں نے ان کے ساتھ شامل ہو کر اللہ کی نماز پڑھی ہے۔

یہ سن کر حضرت ابوطالبؑ نے کہا: محمدؐ ہمیشہ بھلائی کی ہی دعوت دیتے ہیں' آپؐ ان کے ساتھ وابستہ رہو۔

عباد بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام سے سنا وہ فرماتے تھے:

انا عبداللّٰہ واخو رسولہ وانا الصدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الاکذاب مفتر صلیت قبل الناس بسبع سنین ۔

''میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کے رسول کا بھائی ہوں اور میں ہی صدیق اکبر ہوں۔ میرے بعد جو بھی صدیق اکبر کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔ میں نے لوگوں سے سات برس قبل نماز پڑھی ہے''۔

مسند سید ابی طالب ہروی میں ابوایوب انصاری سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پورے سات برس تک ملائکہ مجھ پر اور علیؑ پر رحمت بھیجتے رہے کیونکہ اس پورے عرصہ میں میرے اور علیؑ کے سوا کوئی نماز پڑھنے والا نہیں تھا۔

حاکم ابوالقاسم حسکانی عبدالرحمن بن عوف سے نقل کرتے ہیں کہ سابقین اولین قریش کے دس افراد ہیں۔ ان میں سے علی بن ابی طالب مسلم اول ہے۔

علیؑ وحیِ اوّل کے شاہد ہیں

نہج البلاغہ کے ایک خطبہ کے ضمن میں حضرت علی علیہ السلام نے اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

میں نے تو بچپن میں ہی عرب کا سینہ پیوند زمین کر دیا تھا اور قبیلہ ربیعہ و حضر کے اُبھرے ہوئے سینگوں کو توڑ دیا تھا۔ تم جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے میرا مقام ان کے نزدیک کیا تھا۔ میں بچہ ہی تھا کہ رسولؐ نے مجھے گود میں لے لیا تھا۔ آپؐ مجھے اپنے سینہ سے چمٹائے رکھتے تھے۔ آپؐ مجھے بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے۔ اپنے جسمِ مبارک کو مجھ سے مَس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سونگھاتے تھے۔ پہلے آپؐ کسی چیز کو چباتے پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں ڈالتے تھے۔ انھوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا، نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔ اللہ نے آپؐ کی دودھ بڑھائی کے وقت سے ہی فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپؐ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انھیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا اور میں ان کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اُونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔

آپؐ ہر روز میرے لیے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال (کوہِ) حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے۔ وہاں میرے علاوہ کوئی انھیں نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت رسولؐ اللہ اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام موجود نہیں تھا۔ البتہ ان میں تیسرا فرد میں تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔

جب آپؐ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی جس پر میں نے پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ! یہ آواز کیسی ہے؟

آپؐ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو چکا ہے۔ اے علیؑ! جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو۔ فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وزیر و جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن نہج البلاغہ)

لوگوں کی اقسام

اصول کافی میں حمزہ بن طیار سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: لوگوں کی چھ اقسام ہیں۔
میں (راوی) نے کہا: اگر آپؑ اجازت دیں تو میں اسے لکھ لوں؟

آپؑ نے فرمایا: ہاں اجازت ہے اور وہ چھ اقسام یہ ہیں:

۱- وہ اعراب جو انفاق فی سبیل اللہ کو اپنے لیے تاوان سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے متعلق گردش روزگار کے منتظر ہیں۔
۲- وہ اعراب جو انفاق فی سبیل اللہ کو اللہ کی قربت اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ۳- مہاجرین کے سابقین ۴- انصار میں سے سابقین ۵- نیک کاموں میں ان کی اتباع کرنے والے ۶- وہ لوگ جنھوں نے نیک اور بد اعمال کو مخلوط کر دیا ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۗ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"کچھ اور لوگ وہ بھی ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا ہے اور انھوں نے نیک اور برے اعمال مخلوط کر دیئے ہیں خدا عنقریب ان کی توبہ قبول کرلے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

میں (راوی) نے کہا: وہ کون لوگ ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: (قاتلِ حمزہ) وحشی کا تعلق بھی اسی گروہ سے ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا (جنھوں نے نیک و بد اعمال کو مخلوط کر دیا ہے) کے ضمن میں فرمایا: یہ مومنین کا وہ گروہ ہے جو ایسے گناہ سرانجام دیتے ہیں جنھیں مومن عیب شمار کرتے ہیں اور ان سے کراہت کرتے ہیں ان لوگوں کے متعلق توبہ کی قبولیت کا زیادہ امکان ہے۔

ابن شہر آشوب مناقب میں لکھتے ہیں کہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے حبیب بن مسلمہ فہری سے فرمایا: تیرے بہت سے سفر اطاعتِ خدا کے خلاف ہیں۔

اس نے کہا: لیکن میں نے جو سفر آپؑ کے والد کی طرف کیا تھا وہ تو معصیتِ خدا میں شامل نہیں تھا؟

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ تو صحیح ہے لیکن بات یہ ہے کہ تو نے تھوڑی سی دنیا کے حصول کے لیے معاویہ کی اطاعت کی ہے۔ اگر معاویہ نے اپنی دولت کے ذریعہ سے تجھے دنیاوی سہارا دیا بھی ہے تو بھی اس نے آخرت میں تجھے نقصان سے دوچار کیا ہے۔ اگر تو برے اعمال بجالاتا اور زبان سے اچھی باتیں کرتا تو تو اس گروہ میں شامل ہو جاتا جنھوں نے

نیک و بداعمال کو مخلوط کر دیا ہے۔ لیکن تیرا تعلق تو اس گروہ سے ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (المطففین: ۱۴) ”ہرگز نہیں ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا ہوا ہے“۔

تفسیر عیاشی میں خیثمہ کی زبانی منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ کی آیت پڑھ کر فرمایا کہ اس آیت سے ہمارے گناہ گار شیعہ مومن مراد ہیں۔

ابونصر کی روایت میں منقول ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے حضرت حمزہ اور جعفر طیار جیسے اہل ایمان کو شہید کیا پھر توبہ کر کے اسلام قبول کیا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: قاتلِ مومن سے توبہ کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے البتہ اللہ بندوں کی آرزو کو منقطع نہیں کرتا۔

قرآن کریم میں جہاں اللہ کے لیے لفظ ”عسیٰ“ آیا ہے تو اس کا معنیٰ ”ممکن ہے“ نہیں ہے بلکہ وہ وجوب کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

ابوبکر حضرمی کا بیان ہے کہ محمد بن سعید نے مجھ سے کہا کہ تم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے میرے نظریات وعقائد پیش کر کے پوچھو کہ آیا یہ نظریات وعقائد درست ہیں؟ تم ان سے کہنا کہ میں (محمد بن سعید) آپ حضرات سے محبت کرتا ہوں اور آپ کے دشمن سے بیزار ہوں اور میں ”قدر“ پر عقیدہ رکھتا ہوں۔

جب میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اس کا عقیدہ پیش کیا تو جواب میں آپؑ نے یہ آیت پڑھی: خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ (انھوں نے نیک اور بداعمال آپس میں مخلوط کر دیئے ہیں قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے)۔ پھر آپؑ نے فرمایا: میں اسے امیرالمومنین کے خیرخواہوں میں سے نہیں سمجھتا۔

زرارہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے پاس حق وصداقت کا ایک معیار ہے اور وہ یہ ہے کہ جو ہمارے عقائد کی موافقت کرے خواہ وہ علوی ہو یا غیر علوی ہو، اس سے ہم محبت کریں گے اور جو علوی یا غیر علوی ہمارے عقائد کی مخالفت کرے ہم اس سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: زرارہ! اللہ کا فرمان تیرے قول سے کہیں زیادہ صحیح ہے تم نے تو یہ معیار بنایا

ہے مگر یہ بتاؤ وہ لوگ کہاں جائیں گے جنھوں نے نیک اور برے اعمال کو مخلوط کر دیا ہے؟

ابولبابہ کی توبہ

تفسیر علی بن ابراہیم میں وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے انھوں نے نیک اور برے اعمال مخلوط کر دیئے ہیں۔ عنقریب خدا ان کی توبہ قبول کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) کی آیت مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ یہ آیت ابولبابہ بن عبدالمنذر کے حق میں نازل ہوئی۔ جب آنحضرتؐ نے "بنی قریظہ" کا محاصرہ کیا تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھجوایا کہ آپ ہمارے پاس اپنے صحابی ابولبابہ کو بھیجیں، ہم اس سے مشورہ لیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابولبابہ سے فرمایا کہ تم اپنے حلیف اور ساتھی قبیلہ کے پاس جاؤ۔ ابولبابہ وہاں گئے۔ بنی قریظہ نے ان سے کہا کہ اب آپ ہمیں مشورہ دیں کیا ہم محمدؐ کے فیصلہ کو حتمی جان کر قلعہ کے دروازے کھول دیں؟

ابولبابہ نے کہا: ہاں تم ان کے فیصلہ کو حتمی جان کر قلعہ سے اتر آؤ لیکن تمھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ تمھارے قتل کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا۔

ابولبابہ سے جب یہ حرکت صادر ہوئی تو وہ دل ہی دل میں اس حرکت پر نادم ہوا اور اس نے اپنے آپ سے کہا کہ میں نے ایسا کر کے خدا اور اس کے رسولؐ سے خیانت کی ہے۔ پھر وہ ان کے قلعہ سے باہر چلا آیا اور رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہونے کے بجائے سیدھا مسجد نبویؐ میں گیا اور اس نے اپنے آپ کو ایک ستون کے ساتھ جا کر باندھ دیا۔ وہ ستون مسجد نبویؐ میں اب بھی موجود ہے جسے "اسطوانہ توبہ" کہا جاتا ہے اور ابولبابہ نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ جب تک خدا اس کی توبہ قبول نہیں کرے گا اس وقت تک وہ اپنے آپ کو رسیوں سے آزاد نہیں کرے گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے متعلق اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا: اگر وہ غلطی کر کے ہمارے پاس چلا آتا تو ہم خدا کی بارگاہ میں اس کے لیے مغفرت کی درخواست کرتے۔ اب اگر اس نے خدا سے ہی براہِ راست رابطہ کر لیا ہے تو پھر خدا جانے اور وہ جانے۔ ابولبابہ دن کو روزہ رکھتا اور افطار کے وقت اس کی بیٹی اس کے لیے کھانا لے کر آتی تھی اور وہ

تھوڑا سا کھانا کھاتا جس سے اس کے جسم و جان کا رشتہ بحال رہتا تھا اور قضائے حاجت کے لیے اس کی بیٹی اس کی رسیاں کھولتی تھی۔

کچھ دن اسی حالت میں گزرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات حضرت اُم سلمہؓ کے گھر میں مقیم تھے کہ اللہ نے اس کی توبہ کی آیت نازل فرمائی۔ رسولؐ خدا نے اُم سلمہ سے فرمایا کہ اللہ نے ابولبابہ کی توبہ قبول کی ہے۔

اُم سلمہؓ نے عرض کیا: اگر آپؐ اجازت دیں تو میں اس کو اس بات کی خبر سناؤں؟ آنحضرتؐ نے اجازت دی۔ بی بی نے حجرہ سے سر نکال کر فرمایا: ابولبابہ! تجھے بشارت ہو اللہ نے تیری توبہ قبول کرلی ہے۔

ابولبابہ خدا کی حمد بجالایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑ کر آئے تا کہ اس کی رسیاں کھولیں۔ ابولبابہ نے کہا: آپ حضرات میری رسیاں نہ کھولیں میری خواہش ہے کہ رسولؐ خدا ہی مجھے آزاد کریں۔

رسولؐ خدا بنفس نفیس تشریف لائے اور آپؐ نے فرمایا: ابولبابہ! اللہ نے تیری توبہ قبول کرلی ہے اور تم یوں سمجھو کہ آج تم شکمِ مادر سے ہی پیدا ہوئے ہو۔

ابولبابہ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا میں اپنا سارا مال راہِ خدا میں صدقہ کردوں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: تو کیا میں دو تہائی مال راہِ خدا میں تصدق کردوں؟ آنحضرتؐ نے نفی میں جواب دیا۔ اس نے کہا: تو کیا میں نصف مال تصدق کردوں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: تو کیا میں ایک تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپؐ نے فرمایا: جی ہاں۔

اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیات نازل فرمائیں: وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ”کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے۔ انھوں نے نیک اور برے عمل مخلوط کردیے ہیں۔ عنقریب خدا ان کی توبہ قبول کرلے گا' بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ آپ ان کے اموال سے صدقہ لے کر انھیں پاک کریں اور اس ذریعہ سے ان کا تزکیہ کریں اور ان کے حق میں دعا کریں' یقیناً آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا موجب ہے اور خدا سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا انھیں علم نہیں ہے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خیرات کو قبولیت عطا کرتا ہے اور یقیناً اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے“۔

مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ مذکورہ آیات ابولبابہ انصاری کے متعلق نازل ہوئیں۔

عوالی اللئالی میں مرقوم ہے کہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے جن تین افراد کے متعلق وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا کی آیت نازل ہوئی اور پھر جب خدا نے ان کی توبہ قبول کی تو انھوں نے قبولیت توبہ کی آیات نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپؐ ہمارے اموال میں سے صدقہ لیں اور ہمیں اس طرح سے گناہوں سے پاک کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھے تمھارے اموال میں سے صدقہ لینے کا حکم نہیں دیا۔ (اسی لیے میں فی الحال تم سے صدقہ لینا پسند نہیں کرتا)۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ...... کی آیات نازل فرمائیں۔ اس کے بعد رسولؐ خدا نے ان سے زکوٰۃ واجبہ وصول فرمائی۔

تہذیب الاحکام میں علی بن مہزیار سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھے خط تحریر کیا جسے میں نے راہِ مکہ میں پڑھا۔ اس میں انھوں نے لکھا: اس سال جس چیز کو میں واجب قرار دے رہا ہوں۔ یہ سال دوسو بیس ہے۔ اس میں کچھ مصلحتیں ہیں۔ جن تمام مصلحتوں کا ذکر میں خوفِ انتشار سے نہیں کرتا البتہ کچھ مصلحتیں میں عنقریب تمھارے لیے بیان کروں گا۔ ان شاء اللہ!

میرے حُب دار ـــــ میں خدا سے ان کی اصلاح کی درخواست کرتا ہوں۔ سارے یا کچھ حُب داروں نے اپنے واجبات کی ادائیگی میں تقصیر کی ہے۔ میں نے اسے جان لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سال انھیں امرِ خمس سے پاک کروں اور ان کا تزکیہ کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

"آپ ان کے مال سے صدقہ لے کر انھیں پاک کریں اور اس طرح سے ان کا تزکیہ کریں اور ان کے حق میں دعا کریں یقیناً آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا باعث ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا

جانے والا ہے۔ کیا انھیں علم نہیں ہے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خیرات کو شرف قبولیت عطا کرتا ہے۔ یقیناً اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

آپ کہہ دیجیے کہ تم لوگ عمل کرتے رہو۔ تمھارے عمل کو اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان دیکھ رہے ہیں۔ پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو حاضر و غائب کا جاننے والا ہے۔ وہ تمھیں تمھارے اعمال کی خبر دے گا"۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک شاگرد نے ان سے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ...... کی آیت مجیدہ کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ حکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مخصوص ہے یا ان کے بعد کے امام کے لیے بھی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: رسولؐ خدا کے بعد یہ حکم امام کے لیے بھی ہے۔

زرارہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا کی آیت واتوا الزکوٰۃ کے مفہوم کی حامل ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: صدقات کا تعلق نباتات اور حیوانات کے ساتھ ہے جب کہ زکوٰۃ کا تعلق سونے چاندی سے ہے۔

اصول کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص یہ گمان کرے کہ امام لوگوں کے مال کا محتاج ہوتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اس کے برعکس لوگ اس بات کے محتاج ہیں کہ امامؑ ان سے قبول کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (آپ ان کے اموال سے صدقہ وصول کر کے انھیں پاک کریں اور اس ذریعہ سے ان کا تزکیہ فرمائیں)۔

ابن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ میں تم میں سے کسی ایک سے درہم لیتا ہوں، جب کہ میں پورے مدینہ کا مال دار انسان ہوں۔ اس کے باوجود میں تم سے صرف اس لیے درہم لیتا ہوں تا کہ تم پاک ہو سکو۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب آیت زکوٰۃ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا نازل ہوئی تو وہ اتفاق سے ماہِ رمضان میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے اپنے منادی کو حکم دیا جس نے لوگوں میں اعلان کرتے ہوئے کہا: اللہ نے تم پر زکوٰۃ واجب کی ہے جیسا کہ اس نے نماز واجب کی ہے۔

اللہ نے لوگوں پر سونا چاندی، اُونٹ، گائے، بکری، گندم، جَو، کھجور، منقّٰی میں سے زکوٰۃ واجب کی ہے۔ زکوٰۃ کا اعلان ماہِ رمضان میں کیا گیا تھا اور مذکورہ اشیاء کے علاوہ باقی چیزوں پر زکوٰۃ معاف کر دی گئی تھی۔ اس اعلان کے ایک سال تک لوگوں سے کچھ بھی وصول نہ کیا گیا۔ پھر جب اگلا سال شروع ہوا تو لوگوں نے روزے رکھے اور افطار کیے۔ رسولِ خدا کے منادی نے مسلمانوں میں ندا کی۔ اے مسلمانو! اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرو، تا کہ تمھاری نمازیں قبول ہوں۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاملین صدقات اور عاملین خراج روانہ کیے۔

مجمع البیان میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی سے صدقہ وصول کرتے تو آپ صَلِّ عَلَيْهِمْ کے تحت ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے تھے۔ عبداللہ بن ابی اوفٰی کا بیان ہے اور وہ بیعتِ رضوان کرنے والوں میں شامل تھا کہ میرے والد نے اپنا صدقہ رسولِ خدا کی خدمت میں پیش کیا تو رسولِ خدا نے میرے والد کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا: اللھم صل علی آل ابی اوفی (خدایا! آلِ ابی اوفٰی پر رحمت نازل فرما!)۔ اس روایت کو بخاری اور مسلم نے اپنی صحاح میں نقل کیا ہے۔

کتاب الخصال میں حفص بن غیاث نخعی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر دنیا میں بھلائی ہے تو صرف دو افراد کے لیے ہے۔ پہلا شخص وہ ہے جس کی بھلائی میں روزانہ اضافہ ہوتا اور دوسرا شخص وہ ہے جو اپنے گناہوں کی تلافی توبہ سے کرتا ہو۔ مگر توبہ کی قبولیت ہو تو کیسے ہو؟ خدا کی قسم! اگر کوئی شخص اتنے سجدے کرے کہ اس کی گردن ٹوٹ جائے جب تک اس کے دل میں ہماری ولایت نہ ہوگی اس وقت تک خدا اس کی توبہ اور سجدوں کو قبول نہیں کرے گا۔

ایک طویل حدیث کے ضمن میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب تم سائل کو کچھ عطا کرو تو اس سے کہو کہ وہ تمھارے حق میں دعا کرے، کیونکہ اس کی دعا تمھارے حق میں قبول کی جاتی ہے، جب کہ اس کی دعا خود اس کے حق میں قبول نہیں ہوتی، کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور عطا کرنے والے کو چاہیے کہ اس نے اپنے جس ہاتھ سے خیرات دی ہے وہ اپنے اس ہاتھ کو بوسہ دے، کیونکہ جب کوئی شخص خدا کی راہ میں کچھ دیتا ہے تو وہ چیز سائل کے ہاتھ میں بعد میں جاتی ہے پہلے وہ خدا کے ہاتھ میں جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ (کیا انھیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ صدقات کو قبولیت عطا

کرتا ہے۔)

کتاب التوحید کہ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ صدقات اپنے ہاتھ میں لیتا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اہلِ صدقات کا صدقہ قبول کرتا ہے اور انھیں ثواب عطا کرتا ہے۔

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ایک دن ایک دینار تصدق کیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیؑ! کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ جب کوئی شخص صدقہ دیتا ہے تو وہ صدقہ ستر شیاطین کے جبڑوں سے نکلتا ہے۔ ہر شیطان اسے کہتا ہے کہ تم صدقہ نہ کرو اور صدقہ سائل کے ہاتھ میں بعد میں پہنچتا ہے اس سے پہلے اللہ جل جلالہ کے ہاتھ میں جاتا ہے۔

پھر آنحضرتؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۝ (کیا انھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو شرف قبولیت عطا کرتا ہے اور یقیناً اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے)

تہذیب الاحکام کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ نے جتنی بھی چیزیں پیدا کی ہیں ان کا کوئی نہ کوئی خازن ہوتا ہے سوائے صدقہ کے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کو براہِ راست اپنی تحویل میں لے لیتا ہے۔ میرے والد علیہ السلام کا دستور تھا کہ جب وہ کسی سائل کو صدقہ دیتے تو پھر اس کے ہاتھ سے وہ صدقہ اُٹھا لیتے اور اسے بوسہ دیتے تھے اور اس چیز کی خوشبو سونگھا کرتے تھے۔ اس کے بعد دوبارہ وہ چیز سائل کے ہاتھ میں تھما دیتے تھے۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو خصلتیں ایسی ہیں کہ میں ان میں کسی کو اپنے ساتھ شریک کرنا پسند نہیں کرتا۔ پہلی چیز میرا وضو ہے' کیونکہ اس کا تعلق میری نماز سے ہے (اسی لیے میں نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا شخص مجھے وضو کرائے) اور دوسری چیز میرا صدقہ ہے جسے میں اپنے ہاتھ سے سائل کے ہاتھ میں دیتا ہوں' کیونکہ صدقہ براہِ راست خدا کے ہاتھ میں جاتا ہے۔

محمد بن مسلم نے صادقین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار سے یہ بات نقل کی ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا دستور تھا کہ جب آپؑ سائل کو کچھ عطا کرتے تو آپؑ اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے۔ آپؑ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو آپؑ نے فرمایا کیونکہ صدقہ بندہ کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں جاتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ہر چیز کے لیے اللہ نے کوئی نہ کوئی فرشتہ موکل کیا ہے، مگر صدقہ پر کوئی فرشتہ موکل نہیں ہے، صدقہ براہِ راست خدا کے ہاتھ میں جاتا ہے۔

فضل کا بیان ہے کہ میرا گمان ہے کہ امام علیہ السلام روٹی اور درہم کو بوسہ دیتے تھے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: میں خدا کی طرف سے ضمانت دیتا ہوں کہ صدقہ بندہ کے ہاتھ میں جانے سے پہلے رب کے ہاتھ میں جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ یعنی اللہ صدقات وصول کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ صدقات کو شرفِ قبولیت عطا کرتا ہے۔

اللہ، رسول اور مومنین اعمال کے ناظر ہیں

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

”آپ کہہ دیجیے کہ تم لوگ عمل کرتے رہو کہ تمھارے عمل کو اللہ اس کا رسول اور اہلِ ایمان دیکھ رہے ہیں۔ پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو حاضر و غائب کا جاننے والا ہے وہ تمھیں تمھارے اعمال کی خبر دے گا“۔

تفسیر عیاشی میں محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ اس نے صادقین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار سے پوچھا کہ کیا رسولِ خدا کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

امام علیہ السلام سے راوی نے کہا کہ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کا کیا مقصد ہے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے زمین پر اپنے کچھ گواہ مقرر کیے ہیں۔

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: تم چاہتے ہو کہ جو کچھ تمھارے دل میں ہے اس کی لوگ مجھ سے روایت کریں۔

ابوبصیر کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ابوالخطاب کہا کرتا تھا کہ ہر جمعرات کے دن اُمت کے اعمال رسولِ خدا کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوالخطاب کی یہ بات صحیح نہیں ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اُمت کے تمام نیک و بد افراد کے اعمال رسولِ خدا کی خدمت میں ہر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں، لہٰذا تم ہوشیار رہو۔ اور اس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے: فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۔

برید عجلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ کی آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: جب کوئی مومن یا کافر لحد میں اُتارا جاتا ہے تو اس کے اعمال رسولِ خدا اور جملہ ائمہ معصومینؑ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: وَالْمُؤْمِنُونَ سے ائمہ مراد ہیں۔

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ کی آیت مجیدہ کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: اللہ نے زمین پر شاہد مقرر کیا ہے۔ بندوں کے اعمال رسولِ خدا کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش کی داہنی جانب ایک منبر نصب کیا جائے گا، جس کی چوبیس سیڑھیاں ہوں گی۔ اتنے میں حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام آئیں گے، ان کے ہاتھ میں "لواء الحمد" ہوگا اور وہ اس منبر پر بیٹھیں گے۔ مخلوق ان کے سامنے پیش کی جائے گی جو علیؑ کو پہچانتا ہوگا وہ جنت میں داخل کیا جائے گا اور جو علیؑ کا ناآشنا ہوگا اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ (ایک معنی یہ بھی ہے کہ جسے علیؑ پہچانیں گے وہ جنت میں جائے گا اور جس کو علیؑ نہ پہچانیں گے وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا)۔ اور اس کا اشارہ اللہ نے قرآن مجید کی اس آیت میں کیا ہے: وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۔

شیخ الطائفہ امالی میں لکھتے ہیں کہ عمر بن اذنیہ نے کہا کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ میں نے عرض کیا کہ میں آپؑ پر قربان جاؤں، قرآن مجید کی اس آیت کا کیا مطلب ہے: وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے ہمیں مراد لیا ہے۔

اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ اس آیت مجیدہ میں لفظ "مومنون"، "ماموِنون" کے معانی میں ہے اور وہ ہم ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہر صبح نیک اور بد افراد کے تمام اعمال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے: وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ..... اس کے بعد آپؑ خاموش ہو گئے۔

یعقوب بن شعیب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ کی آیت مجیدہ کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: وہ ائمہ ہیں۔

عیسیٰ بن سماعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: لوگو! تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟

ایک شخص نے کہا: ہم کس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں؟ (جب کہ وہ اس وقت ہمارے اندر موجود ہی نہیں ہیں)

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ تمھارے اعمال ان کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں؟ جب آنحضرتؐ ان میں سے کوئی معصیت دیکھتے ہیں تو انھیں اس سے اذیت پہنچتی ہے۔ لہٰذا رسولؐ خدا کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ انھیں خوش کرنے کی کوشش کرو۔

عبداللہ بن ابان الزیات حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ہاں صاحب مرتبہ شخص تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن امام علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپؑ میرے اور میرے خاندان کے لیے دعا کریں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا میں ایسا نہیں کرتا؟ خدا کی قسم! تمھارے اعمال ہر شب و روز میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ عبداللہ کہتے ہیں، کہ میں نے اس بات کو بہت گراں تصور کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو خدا کی کتاب نہیں پڑھتا۔ اللہ نے فرمایا ہے: وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ خدا کی قسم! وہ علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

توضیح: فیض اپنی کتاب الوافی میں رقم طراز ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ائمہ لوگوں کے اعمال کے ناظر ہیں۔ (اضافۃ من المحشی والمترجم)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ کی آیت پڑھ کر فرمایا کہ خدا کی قسم! وہ علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

محمد بن الوشاء کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے سنا، آپؑ فرمایا کرتے تھے: تمام نیک و بد

افراد کے اعمال رسولؐ خدا کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک بار حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے کہا کہ تمھارے درمیان میرا رہنا تمھارے لیے بہتر ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (انفال:۳۲) (جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں اس وقت تک خدا انھیں عذاب نہیں دے گا)۔ اور میرا تم سے جدا ہونا بھی تمھارے لیے بہتر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ کی زندگی تو ہمارے لیے مفید ہے۔ بھلا آپؐ کی جدائی ہمارے لیے کیسے بہتر ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمھارے اعمال ہر جمعرات اور سوموار کے دن میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ میں تمھارے اعمال میں جب بھلائی دیکھتا ہوں تو اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جب برائی دیکھتا ہوں اس کے لیے خدا سے تمھارے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

کتاب جعفر بن محمد الدوریتی میں حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذرؓ! ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے اعمال خدا کے سامنے سوموار اور جمعرات کے دن پیش کیے جاتے ہیں۔ اللہ ہر مومن کے گناہ معاف کر دیتا ہے' البتہ جس کے اور اس کے بھائی درمیان بُغض ہو تو اسے معاف نہیں کرتا۔

امرِ الٰہی کے امیدوار

کتاب معانی الاخبار میں حمران سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے قولِ خداوندی الا المستضعفین کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: وہ اہلِ ولایت ہیں۔

میں نے کہا: کیسی ولایت؟ اس ولایت کی وضاحت فرمائیں۔

آپؑ نے فرمایا: وہ ولایت دینی نہیں ہے' البتہ نکاح' میراث اور اختلاط کی ولایت ہے' کیونکہ وہ مومن نہیں ہیں اور وہ کافر بھی نہیں ہیں ان کا معاملہ حکمِ خدا پر ٹھہرا ہوا ہے۔

اصولِ کافی میں عمر بن ابان سے بھی یہی روایت منقول ہے۔ اصولِ کافی میں زرارہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ (کچھ دوسرے وہ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے) کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو پہلے مشرک تھے اور انھوں نے زمانہ شرک میں

حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفرؓ جیسے افراد کو شہید کیا۔ پھر انھوں نے اسلام قبول کرلیا اور خدا کی توحید پر ایمان لائے اور شرک کو چھوڑ دیا' لیکن ان کے قلوب میں ایمان کی حرارت داخل نہ ہوسکی' اس لیے وہ مومن کامل نہ بن سکے کہ ان کے لیے جنت واجب ہوتی اور کفر وشرک کو چھوڑ چکے تھے' اسی لیے انھیں کافر بھی نہیں کہا جاسکتا تھا اور انھیں دوزخی بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ان کا معاملہ خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے چاہے تو وہ انھیں عذاب دے اور چاہے تو وہ ان کی توبہ قبول کرے۔

یہ روایت ابوالطیار کی زبانی تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی منقول ہے اور موسیٰ بن بکر کی سند سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ روایت اصولِ کافی میں بھی مروی ہے۔

تفسیر عیاشی میں ہشام بن سالم سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا اور وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ کی آیات کے متعلق فرمایا: اس سے وہ مشرک مراد ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو شہید کیا' پھر انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان لوگوں کا معاملہ خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے چاہے تو وہ انھیں عذاب دے اور اگر چاہے تو انھیں معاف کردے۔

زرارہ' حمران اور محمد بن مسلم نے حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ ...... کی آیت مجیدہ کے متعلق نقل کیا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے زمانۂ کفر میں بدر' احد اور حنین کی غزوات میں مسلمانوں سے جنگ کی اور بعدازاں اسلام قبول کرلیا۔ ان کا معاملہ خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ چاہے تو انھیں عذاب دے اور چاہے تو انھیں معاف کردے۔

ابن الطیار بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: انجام آخرت کے لحاظ سے لوگوں کی چھ اقسام ہیں جب کہ بلحاظِ نتیجہ تین اقسام ہیں: ۱- اہلِ ایمان ۲- اہلِ کفر ۳- مستضعفین ۴- وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ ۵- اپنے گناہوں کے معترف جنھوں نے نیک و بداعمال کو مخلوط کیا ہے۔ ۶- اہلِ اعراف۔ اہلِ ایمان سے جنت کا وعدہ ہے۔ اہلِ کفر سے دوزخ کا وعدہ ہے۔ باقی چاروں کا معاملہ خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے چاہے تو وہ انھیں عذاب دے اور چاہے تو انھیں معاف کردے اور ان کی توبہ قبول کرے۔

حارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا ایمان و کفر کے درمیان بھی کوئی منزلت ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں' بلکہ کئی منازل ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کا بھی کوئی انکار کرے تو اللہ اسے دوزخ میں ڈالے

گا۔ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ والے اور مستضعفین اور خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا والے اور اہلِ اعراف کا تعلق درمیانی منازل سے ہے۔

زرارہ کہتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ سے وہ لوگ مراد ہیں جو پہلے مشرک تھے اور انھوں نے زمانۂ کفر میں حمزہؓ و جعفرؑ جیسی شخصیات کو شہید کیا۔ پھر وہ اسلام میں داخل ہوگئے اور شرک چھوڑ دیا۔ ان کے دلوں میں ایمان کی حرارت داخل نہ ہوسکی، اسی لیے وہ ایسے مومن نہ بن پائے جن کے لیے خدا نے جنت واجب کی ہے اور کفر کو بھی چھوڑ چکے تھے۔ اسی لیے ان کا شمار کفار میں نہیں کیا جا سکتا، جن کے لیے دوزخ واجب کی گئی ہے۔ یہ لوگ خدا کے حکم پر ٹھہرے ہوں گے، چاہے تو انھیں عذاب دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے۔ خدا ان کے متعلق جو چاہے گا وہی فیصلہ صادر کرے گا۔ میں (راوی) نے کہا: کیا انھیں جنت سے رزق دیا جائے گا یا دوزخ سے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جہاں سے خدا چاہے گا انھیں رزق دے گا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: ان لوگوں کو خدا روک دے گا اور ان کے متعلق جو چاہے گا فیصلہ صادر کرے گا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى

شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ
قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ
اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي
التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ
فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ
السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ
اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا
تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا

يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

"اور جن لوگوں نے مسجد ضرار بنائی کہ اس کے ذریعہ اسلام کو نقصان پہنچائیں اور کفر کو تقویت بخشیں اور مومنین کے درمیان تفریق پیدا کریں اور اسے اس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسول کے خلاف برسرِ پیکار رہ چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا نہ تھا' حالانکہ خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔

آپ اس میں ہرگز کھڑے نہ ہونا۔ آپ کے کھڑے ہونے کے لیے وہی مسجد زیادہ موزوں ہے جو اوّل روز سے ہی تقویٰ پر قائم کی گئی ہے۔ اس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزہ افراد پسند ہیں۔

کیا جس نے اپنی بنیاد خوف خدا اور رضائے الٰہی پر رکھی ہے وہ بہتر ہے یا جس نے اپنی بنیاد اس گرتے ہوئے کگارے کے کنارے پر رکھی ہو کہ وہ ساری عمارت کو لے کر جہنم میں گر جائے؟ اللہ ظلم کرنے والوں کو کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں بے یقینی کی جڑ بنی رہے گی بجز اس کے کہ ان کے دل ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اللہ صاحبِ علم اور صاحبِ حکمت ہے۔ یقیناً اللہ نے صاحبانِ ایمان سے ان کی جانوں اور اموال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔ یہ لوگ راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور خود قتل ہوتے ہیں۔ یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ایک پختہ عہد ہے۔ توراتؔ، انجیل اور قرآن میں ہر جگہ اس کا ذکر موجود ہے اور خدا سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے؟ پس تم اپنے اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

یہ لوگ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد پروردگار کرنے والے، راہِ خدا میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکیوں کا حکم کرنے والے، برائیوں سے روکنے والے اور حدود الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ آپ اہلِ ایمان کو (جنت کی) بشارت دے دیں۔ نبی اور اہلِ ایمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں چاہے وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔ اور ابراہیم کا ان کے باپ کے لیے استغفار صرف اس وعدہ کی بنا پر تھا جو انھوں نے اس سے کیا تھا۔ جب ان کے لیے یہ واضح ہو گیا کہ وہ دشمنِ خدا ہے تو اس سے بیزاری اختیار کر لی۔ یقیناً ابراہیمؑ بہت زیادہ تضرع کرنے والے اور بردبار تھے۔

اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ لوگوں کو ہدایت دینے کے بعد پھر گمراہی میں مبتلا کرے جب تک انھیں صاف صاف نہ بتا دے کہ انھیں کن چیزوں سے بچنا چاہیے۔ بے شک اللہ ہر چیز کا

جاننے والا ہے۔ یقیناً اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ وہ زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے۔ خدا کے علاوہ تمھارا کوئی سرپرست اور مددگار نہیں ہے۔ یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر توجہ فرمائی، جنھوں نے تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا۔ اگرچہ ان میں کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کیا۔ وہ ان پر بڑا ترس کھانے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

اور اللہ نے ان تینوں پر بھی رحم کیا، جو جہاد سے پیچھے رہ گئے، یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعتوں سمیت ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انھوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا کہیں نہیں ہے تو اللہ نے ان پر توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کرلیں۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے"۔

مسجدِ ضرار

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ......

"اور جن لوگوں نے مسجد ضرار بنائی کہ اس کے ذریعہ اسلام کو نقصان پہنچائیں اور کفر کو تقویت بخشیں"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اس آیت مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ کچھ منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انھوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ ہم اپنے محلہ بنی سالم میں ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں تاکہ کمزور اور بیمار افراد اور بادو باراں کے وقت عام لوگ وہاں نماز پڑھ سکیں۔ آپ ہمیں اس مسجد کی تعمیر کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مسجد بنانے کی اجازت عطا فرمائی۔ ان لوگوں نے اجازت حاصل کرنے کے بعد ایک مسجد تعمیر کی۔ اس وقت آنحضرتؐ جنگِ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جب مسجد بن گئی تو منافقین آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپؐ ہماری مسجد میں تشریف لے چلیں اور آپؐ وہاں نماز پڑھ کر مسجد کا افتتاح کریں۔

رسولِ خدا نے فرمایا: فی الحال مجھے بہت جلدی ہے، جب میں اس مہم سے فراغت حاصل کروں گا تو میں وہاں آ کر نماز پڑھوں گا۔

الغرض آنحضرتؐ تبوک کی طرف روانہ ہوئے اور جب آپؐ تبوک سے مدینہ تشریف لائے تو اس وقت منافقین کی تعمیر کردہ مسجد کی مذمت میں یہ آیات نازل ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ نام نہاد مسجد اسلام کو نقصان پہنچانے اور کفر کو تقویت پہنچانے اور مومنین میں تفریق پیدا کرنے کی غرض سے تعمیر ہوئی ہے اور یہ مسجد ابو عامر راہب کے لیے بعنوان کمین گاہ بنائی گئی ہے جب کہ وہ راہب خدا اور رسول کے خلاف برسرِ پیکار رہ چکا ہے اور منافق اس کے متعلق قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلائیں گے کہ ہم نے اس مسجد کو صرف بھلائی کی غرض سے تعمیر کیا ہے، جب کہ خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ آپؐ اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے ہرگز کھڑے نہ ہوں۔ اس کے بجائے آپؐ مسجد قبا میں نماز پڑھیں، کیونکہ اس مسجد کی بنیاد روزِ اوّل سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ مسجد قبا والے طہارت پسند افراد ہیں، جب کہ اللہ بھی طہارت پسند افراد سے محبت رکھتا ہے۔ یہ لوگ پانی سے استنجا کیا کرتے تھے۔

الکافی میں حلبی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کون سی مسجد ہے جس کے متعلق اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کی اساس روزِ اوّل سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ مسجدِ قبا ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی روایت مختلف الفاظ سے منقول ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ لمسجد اسس علی التقویٰ کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، آپؐ نے فرمایا: اس سے میری یہ مسجد (مسجدِ نبوی) مراد ہے۔

حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے کہ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا کے الفاظ کے ذریعہ سے ان اہلِ ایمان کی تعریف کی گئی ہے جو پیشاب پاخانہ کے لیے پانی استعمال کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اہلِ قبا سے فرمایا کہ اللہ نے تمھاری طہارت پسندی کی تعریف کی ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ہم پانی سے استنجا کرنے کے عادی ہیں۔

یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: اسی لیے تو اللہ نے تمھارے متعلق فرمایا ہے: فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (اس میں ایسے لوگ بھی رہتے ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزہ افراد پسند ہیں)۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ کی آیت مسجدِ ضرار کے متعلق نازل ہوئی۔

مصباح الشریعہ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو بھی عبادت غیر اللہ کی رضا کے لیے سرانجام دی جائے گی وہ رائیگاں چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (کیا جس نے اپنی بنیاد خوفِ خدا اور رضائے الٰہی پر رکھی ہے وہ بہتر ہے یا جس نے اپنی بنیاد اس گرتے ہوئے کگارے کے کنارے پر رکھی ہو کہ وہ ساری عمارت کو ہی لے کر دوزخ میں گر جائے؟ اللہ ظلم کرنے والوں کو کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا)۔ اور تقویٰ یہ ہے کہ مشکوک چیز کے خوف سے انسان بعض جائز چیزوں کو بھی خیر باد کہہ دے۔

امالی شیخ الطائفہ میں حبش بن معتمر سے منقول ہے کہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپؑ پر سلام کر کے مزاج پرسی کی۔ آپؑ نے فرمایا: میں اپنے چاہنے والوں کو چاہتا ہوں اور اپنے سے بغض رکھنے والوں سے بغض رکھتا ہوں۔ ہمارا محب اللہ کی رحمت کا منتظر ہے، جب کہ ہمارے دشمن کی بنیاد اس گرتے ہوئے کگارے کے کنارے پر رکھی گئی ہے، جو ساری عمارت کو لے کر دوزخ میں گر جائے۔

انھی اسناد سے امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: خدا نے جس بندۂ مومن کے دل کا امتحان لیا ہے تو وہ اپنے دل میں ہماری مؤدت کی ٹھنڈک محسوس کرتا ہے اور جس بندے پر خدا ناراض ہوتا ہے تو وہ اپنے دل میں ہماری عداوت محسوس کرتا ہے۔ ہمارا محب رحمت الٰہی کا منتظر رہتا ہے اور اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل چکے ہیں، جب کہ ہم سے بغض رکھنے والا اس گرتے ہوئے کگارے کے کنارے کھڑا ہے جو گرے گا تو سیدھا دوزخ میں ہی جائے گا۔ اہلِ رحمت کو ان کا ٹھکانا مبارک ہو اور اہلِ دوزخ کو ان کا ٹھکانہ مبارک ہو۔

حضرت میثم تمار کے فرزند کا بیان ہے کہ میرے والد کی کتاب میں بھی امیر المومنین علی علیہ السلام کی یہ حدیث مرقوم ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب مسجدِ ضرار کے متعلق مذکورہ آیات نازل ہوئیں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھنے والے عامر بن عدی اور بنی خزاعہ سے تعلق رکھنے والے مالک بن دخشم خزاعی اور زید بن حارثہ کو مذکورہ مسجد منہدم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ مالک نے عامر سے کہا کہ ذرا ٹھہرو، میں اپنے گھر سے آگ لاتا

ہوں۔ چنانچہ مالک آگ لے آئے اور مسجد میں لگے ہوئے کھجور کے شہتیروں کو آگ لگا دی جس سے پوری مسجد میں آگ پھیل گئی اور چند ہی لمحات میں پوری مسجد جل کر خاکستر ہوگئی۔ اس کے بعد انھوں نے اس کی دیواریں گرا دیں۔

مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ ضرار کو منہدم کرنے کے لیے عمار بن یاسرؓ اور وحشی کو روانہ کیا تھا۔ انھوں نے جا کر مسجد کو جلا ڈالا۔ پھر مسجد کی جگہ کو لوگوں نے اروڑی بنا دیا۔ وہاں غلاظت اور مُردہ جانور پھینکے جاتے تھے۔

فضیلتِ جہاد

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ ۟

''یقیناً اللہ نے صاحبانِ ایمان سے ان کی جانوں اور اموال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے یہ لوگ راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور خود قتل ہوتے ہیں''۔

الکافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ایک اموی خلیفہ کے نام ایک طویل مکتوب مرقوم ہے جس کا کچھ حصّہ حسب ذیل ہے:

جہاد کے عمل کو اللہ نے دوسرے اعمال پر فضیلت دی ہے اور جہاد کرنے والے کو خدا نے خصوصی درجات اور مغفرت و رحمت کا مستحق قرار دیا ہے۔ جہاد غلبہ دین کا ذریعہ ہے اور جہاد سے ہی دین کا دفاع کیا جاتا ہے اور جہاد ہی کے ذریعہ سے اللہ نے مومنین سے ان کی جانوں اور اموال کا سودا کیا ہے اور اس کے بدلہ میں انھیں جنت عطا کی ہے اور یہ سراسر فائدہ مند تجارت ہے۔ اللہ نے اس کے لیے حفظِ حدود کی شرط عائد کی ہے اور اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کی عبادت کی بجائے اللہ کی عبادت کرے اور بندوں کی سرپرستی سے نکل کر خدا کی سرپرستی میں داخل ہو جائے۔

دعوت و جہاد کے شرائط

ابوعمرو زبیری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ یہ بیان فرمائیں کہ دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی کچھ شرائط ہیں یا ہر شخص جو خدا پر ایمان رکھتا ہو وہ یہ فریضہ ادا کر سکتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کی کچھ حدود و قیود ہیں۔ دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ جیسی اہم ذمہ داری

ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں ہے۔ یہ فریضہ کچھ مخصوص افراد سے مخصوص ہے جس میں وہ شرائط موجود نہ ہوں تو اسے نہ تو جہاد فی سبیل اللہ کا حق ہے اور نہ ہی وہ دعوت الی اللہ دینے کا مجاز ہے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! اس کی حدود و قیود کی وضاحت فرمائیں۔

آپؑ نے فرمایا کہ اللہ نے نیکی کی دعوت دینے کے لیے فرمایا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران: ۱۰۴) (تم میں سے ایک گروہ ہونا چاہیے جو اچھائی کی دعوت دے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے وہی لوگ ہی کامیاب ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے اس گروہ و اُمت کا تعارف کرایا کہ اس گروہ کا تعلق اولادِ ابراہیم اور نسلِ اسماعیل سے ہے اور اس گروہ کا تعلق سکانِ حرم سے ہے اور یہ گروہ وہ ہے جس نے غیر اللہ کی کبھی عبادت نہیں کی۔ اسی گروہ کے لیے تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دعا مانگی تھی۔ اسی گروہ کے متعلق خدا نے اپنی کتاب میں یہ گواہی دی ہے کہ ان سے خدا نے ہر ناپاکی کو دُور رکھا ہے اور انھیں طہارتِ کاملہ سے نوازا ہے۔ اسی گروہ کی نشان دہی کرانے کے لیے اللہ نے اپنے حبیب کی زبانی یہ الفاظ کہلائے۔ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۷ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ (یوسف: ۱۰۸) "میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں میں خود بھی بصیرت پر ہوں اور جس نے میری اتباع کی ہے وہ بھی بصیرت پر رہ کر اللہ کی دعوت دیتا ہے"۔ اور صاحبِ بصیرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو وہی ہے جو آنحضرتؐ پر سچے دل سے ایمان لایا ہو اور آپؐ کی تصدیق کی ہو اور جس کی پیشانی غیر اللہ کے سجدوں سے داغ دار نہ ہوئی ہو جس نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم یعنی شرک کو کبھی مخلوط نہ کیا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جن پیروانِ رسول کو دعوت الی اللہ کا حق دیا ہے۔ انھی کے متعلق اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انفال: ۶۴) "اے نبیؐ! آپؐ کے لیے اور آپؐ کی پیروی کرنے والے اہلِ ایمان کے لیے اللہ کافی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ (الفتح: ۲۹)

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ تم جب دیکھو گے انھیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ تورات اور انجیل میں ان کی یہ صفت موجود ہے"۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے ہی ایماندار ساتھیوں کے متعلق اللہ نے فرمایا:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ..... (التحریم:۸) "یہ وہ دن ہوگا جب اللہ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں رُسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا"۔

ایسے ہی افراد کی یقینی نجات اور وارثانِ فردوس ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (المومنون:۱-۱۱)

"یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ لغویات سے دُور رہتے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملکِ یمین میں ہوں۔ ان کے متعلق انھیں ملامت نہیں کی جائے گی جو اس کے علاوہ اور طریقہ سے جنسی خواہش کی تکمیل چاہیں وہ زیادتی کرنے والے ہیں۔ اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہوں اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ۝ (الفرقان: ۶۸-۶۹)

''وہ اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے' اللہ کی حرام کردہ کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ ہی زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی بھی کرے گا وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے دن اس کے لیے دگنا عذاب کر دیا جائے گا اور اسی میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا''۔

اللہ نے ایسے ہی افراد سے جنت کا سودا کیا ہے اور ان کی جان و مال خرید کر انھیں جنت کا مالک بنایا ہے اور اس بیعنامہ کو خدا نے تورات' انجیل اور قرآن میں تحریر کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ:۱۱۱) کی آیت نازل فرمائی تو ایک شخص نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یارسولؐ اللہ! اگر کوئی شخص محرمات کو بجالاتا ہو اور وہ تلوار لے کر جہاد میں چلا جائے اور لڑتے ہوئے قتل ہوجائے تو کیا وہ شہید ہوگا اور وہ بھی اس آیت کا مصداق قرار پائے گا؟

اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے بعد والی یہ آیت نازل فرمائی: اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر مجاہدین کی یہ صفات بیان فرمائیں کہ وہ گناہوں سے توبہ کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ صرف خدا کے عبادت گزار ہوتے ہیں۔ غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتے اور وہ فراخی و تنگی دونوں حالتوں میں خدا کی حمد کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ روزہ رکھنے والے ہوتے ہیں اور وہ رکوع و سجود بجالانے اور پنجگانہ نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ اخلاص قلب اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور وہ نماز کے اوقات کی مکمل پابندی کرتے ہیں اور وہ نیکی پر خود بھی کاربند رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے صرف خود ہی پرہیز نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی برائی سے منع کرتے ہیں اور حدود الٰہیہ کے محافظ ہوتے ہیں۔ جس میں مذکورہ صفات موجود ہوں اور وہ جنگ میں قتل ہوجائے تو وہ شہید ہے اور اس کی جان و مال کی قیمت جنت ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام حج کی ادائیگی کے لیے مکہ جارہے تھے۔ راستہ میں عباد بصری سے ملاقات ہوئی۔ اس نے آپؑ سے کہا: اے علی بن الحسینؑ! آپؑ نے جہاد کا پرخطر اور دشوار راستہ چھوڑ دیا ہے اور حج کا آرام دہ راستہ اختیار کرلیا ہے جب کہ اللہ نے فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (یقیناً صاحبانِ ایمان سے اللہ نے ان کی جانوں اور اموال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔ یہ لوگ راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور خود قتل ہوتے ہیں۔ یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ایک پختہ عہد ہے۔ توراتؔ، انجیل اور قرآن میں ہر جگہ اس کا ذکر موجود ہے اور خدا سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے۔ تم اپنے اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اس سے فرمایا اس سے متصل آیت بھی پڑھو کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے:

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (یہ لوگ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، راہِ خدا میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدے کرنے والے، نیکیوں کا حکم کرنے والے، برائیوں سے روکنے والے اور حدودِ الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ تم اہلِ ایمان کو (جنت کی) بشارت دے دیں۔)

جب ہمیں ان صفات سے متصف افراد ملیں گے تو ہم حج کے بجائے ان کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کرنا پسند کریں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام جنگ کا ارادہ کرتے تو آپؑ جنگ کے آغاز سے قبل یہ دعا پڑھتے تھے: اللهم انك ...... تبديلا (پروردگار! تو نے لوگوں کو اپنے راستے کی رہنمائی کی ہے، جس میں تو نے اپنی رضا رکھی ہے اور تو نے اپنے اولیاء کو اس کی دعوت دی ہے اور تو نے اسے عظیم ثواب اور بہترین منزل کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے۔ پھر تو نے اہلِ ایمان سے ان کی جانوں اور ان کے اموال کو جنت کے عوض خرید کیا ہے۔ وہ تیری راہ میں جنگ لڑتے ہیں اور قتل کرتے ہیں اور خود قتل ہوتے ہیں۔ تو نے ان سے برحق وعدہ لیا ہے۔ خدایا! مجھے بھی ان لوگوں میں سے قرار دے جن سے تو نے ان کی جان و مال کا سودا کیا ہے اور جنھوں نے تجھ سے کیے ہوئے اقرار کو نبھایا ہے اور کسی طرح کی بدعہدی اور خلاف ورزی نہیں کی ہے۔

نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: کیا کوئی جوانمرد ہے جو اس چبائے ہوئے لقمہ (دنیا) کو اس کے اہل کے لیے چھوڑ دے؟ تمھارے نفسوں کی قیمت صرف جنت ہے لہٰذا جنت کے علاوہ اور کسی قیمت پر انھیں نہ بیچو۔

نہج البلاغہ میں ہی حضرت علیہ السلام کے یہ کلمات منقول ہیں: جس نے تم کو مال و متاع بخشا ہے اس کی راہ میں تم اسے صرف نہیں کرتے اور نہ اپنی جانوں کو اس کے لیے خطرہ میں ڈالتے ہو' جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے عالمِ میثاق میں ان کی جان و مال کا سودا کیا تھا اور وہ لوگ زمانۂ رجعت میں اپنے وعدہ کی تکمیل کریں گے۔

بعض روایات کے مطابق ائمہ اہلِ بیتؑ کی قرأت میں التائبون کی بجائے التائبین کے الفاظ منقول ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّةَ کی آیت ائمہ صلوات اللہ علیہم کے حق میں نازل ہوئی۔ مقصد یہ ہے کہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اس آیت کے اوّلین مصداق ہیں۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ اللہ نے اہلِ ایمان سے ان کی جان و مال کو جنت کے عوض خرید کیا ہے۔ لہٰذا اہلِ ایمان خدا کی راہ میں جہاد کر کے اپنی جانوں کے سودے کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔ جہاد کی دو قسمیں ہیں: (۱) تلواروں کے ساتھ جہاد کرنا (۲) زبان کے ساتھ جہاد کرنا۔ بعض اوقات زبانی جہاد زیادہ ضروری ہوتا ہے' کیونکہ ''سبیل اللہ'' سے اللہ کا دین مراد ہے اور دینی دعوت کی ابتداء زبان سے ہی کی جاتی ہے۔ اسی لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا: اگر اللہ تیرے ہاتھوں پر ایک بھی انسان کو ہدایت کر دے تو یہ دنیا و مافیہا کی دولت سے بہتر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے تھے کہ لوگو! تمھارے ابدان کی قیمت جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے لہٰذا جنت کے علاوہ اسے اور کسی قیمت کے عوض مت بیچو۔

لفظ ''السائحون'' کے متعلق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ میری اُمت کی سیاحت روزے ہیں۔

ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور اعمش کی قرأت میں التائبین العابدین منقول ہے۔ (بالفاظ دیگر یہ ''المومنین'' مجرور کی صفت ہیں)

روضہ کافی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ کی آیت پڑھی تو آپؑ نے فرمایا: اسے التائبین العابدین پڑھو۔

میں (راوی) نے آپؑ سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپؑ نے فرمایا: یہ صفات لفظ ''المومنین'' کی ہیں اسی لیے انھیں مجرور حالت میں ''یا'' کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

حدود الٰہی کی محافظت ضروری ہے

وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ...... اور حدود الٰہی کے محافظ۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنے چور کو پکڑ کر اسے معاف کرنا چاہے تو اسے اس کا اختیار حاصل ہے۔ اور اگر وہ اسے حاکم کے سامنے پیش کرے اور پھر کہے کہ میں اسے اس کا جرم معاف کرتا ہوں تو حاکم چور پر "قطع ید" کی شرعی سزا نافذ کرے گا۔ حاکم کے سامنے مقدمہ پیش ہونے سے پہلے اسے معافی کا حق حاصل ہے۔ بعد میں یہ حق ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ نے اہلِ ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (وہ حدود الٰہی کے محافظ ہوتے ہیں)

ابراہیم علیہ السلام کا آزر کے لیے استغفار

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۚ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

"اور ابراہیم کا ان کے باپ کے لیے استغفار صرف اس وعدہ کی بنا پر تھا جو انھوں نے اس سے کیا تھا، جب ان کے لیے یہ واضح ہو گیا کہ وہ دشمنِ خدا ہے تو انھوں نے اُس سے بیزاری اختیار کر لی۔ بے شک ابراہیمؑ بہت زیادہ تضرع کرنے والے اور بُردبار تھے"۔

قرآن مجید میں "آزر" کو جو کہ بت پرست تھا۔ ابراہیمؑ کا "اب" قرار دیا گیا ہے اور اسی لفظ کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کا یہ عقیدہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر اور بت پرست تھے جب کہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام سے مروی روایات کے مطابق، "آزر" حضرت خلیل اللہ کا والد نہیں، بلکہ چچا تھا۔

جہاں تک لفظ "اب" سے استدلال کا تعلق ہے تو اس سے اس کا والد ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ لفظ "اب" کثیر المعنی لفظ ہے۔ اس لفظ کا اطلاق والد کے علاوہ چچا اور دادا پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۗ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ (البقرہ: ۱۳۳)

"کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ پر موت آئی تو انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم

میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے کہا کہ ہم تیرے معبود اور تیرے آباء ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ کے معبودِ واحد کی عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں"۔

آیت بالا میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے حضرت ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء قرار دیا' جب کہ ابراہیم علیہ السلام حضرت یعقوبؑ کے دادا تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یعقوبؑ کے چچا تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے حقیقی والد تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ "اب" کا اطلاق صرف والد تک ہی محدود نہیں' بلکہ اس لفظ کا اطلاق چچا اور دادا پر بھی کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے "اب آزر" سے استغفار کا وعدہ کیا تھا' لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ وہ دشمنِ خدا ہے تو انھوں نے اس سے بیزاری اختیار کر لی تھی' جب کہ اس کے برعکس وہ پوری زندگی اپنے والدین کے لیے دعا مانگتے رہے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (ابراہیم:۴۱)

"اے ہمارے پروردگار! قیامت قائم ہونے کے دن میری' میرے والدین اور اہلِ ایمان کی مغفرت فرما"۔

معلوم ہوتا ہے جس کے لیے حضرت نے دعائے مغفرت چھوڑ دی تھی وہ اور تھا اور جس والد کے لیے عمر بھر مغفرت کی دعا کرتے رہے وہ آپ کا حقیقی والد تھا۔ (اضافۃ من المترجم)

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک ساتھی سے فرمایا کہ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ کی آیت مجیدہ کے متعلق لوگ کیا کہتے ہیں؟ حضرتؑ کے ساتھی نے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے لیے مغفرت طلب کروں گا۔ اسی لیے انھوں نے اس کے لیے مغفرت طلب کی تھی' لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ یہ دشمنِ خدا ہے تو انھوں نے دعائے مغفرت چھوڑ دی۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: ایسا نہیں ہے' اصل بات یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے اسلام قبول کرلیا تو آپؑ اس کے لیے مغفرت طلب کریں گے۔ پھر جب آپؑ نے محسوس کیا کہ وہ دشمنِ خدا ہے تو آپؑ نے اس سے بیزاری اختیار کرلی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک شخص نے میرے پہلو میں نماز ادا کی۔ نماز سے

فراغت پانے کے بعد اس نے اپنے مردہ والدین کی مغفرت کے لیے دعا کرنا شروع کی۔ میں نے اس سے کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو۔ تمھارے والدین تو حالتِ کفر پر مرے تھے، تم ان کے لیے مغفرت کیوں طلب کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ بھائی میں نے غلطی تھوڑی کی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو آزر کے لیے دعائے مغفرت کی تھی۔

جب میں نے اس کا جواب سنا تو میں چپ ہوگیا۔ میں نے یہی بات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ

''اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لیے استغفار صرف اس وعدہ کی بنا پر تھا جو انھوں نے اس سے کیا تھا جب ان کے لیے یہ واضح ہوگیا کہ وہ دشمنِ خدا ہے تو انھوں نے اس سے بیزاری اختیار کرلی اور پھر اس کے لیے دعائے مغفرت نہ کی''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اس آیت مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا تھا کہ اگر تو نے بتوں کی پوجا چھوڑ دی تو میں تیرے لیے استغفار کروں گا، لیکن آزر نے بت پرستی نہ چھوڑی، جس کی وجہ سے ابراہیمؑ نے اس سے بیزاری اختیار کرلی۔ یقیناً ابراہیمؑ ''اوّاہ'' اور حلیم یعنی بہ کثرت دعا کرنے والے اور بُردبار تھے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام ''اوّاہ'' تھے یعنی اپنی نماز میں تضرع کرتے تھے اور تنہائی کے لمحات میں بھی ہمیشہ تضرع کرتے تھے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے آزر کے لیے استغفار کیا تھا جب کہ وہ کافر تھا۔ ہمارے اصحاب کے بیان کے مطابق آزر آپ کا سگا باپ نہیں تھا، بلکہ وہ آپؑ کا نانا یا چچا تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اوّاہ'' بہ کثرت دعا کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ جب کہ ایک اور قول کے مطابق لفظ ''اوّاہ'' کا معنی خشوع اور عاجزی کرنے والا ہے۔ اور اس مفہوم کو ابن شداد نے روایت مرفوع کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے ''اوّاہ'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ خوفِ خدا سے آہیں بھرا کرتے تھے اور اجابت دعا کے لیے تضرع و عاجزی سے کام لیتے تھے اور اطاعتِ خداوندی کا ہمیشہ التزام کیا کرتے تھے۔ زجاج نے کہا

کہ ابوعبیدہ کا قول تمام اقوال سے زیادہ جامع ہے۔

اصول کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''اوّاہ'' کے معنی بہ کثرت دعا کرنے والے کے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن حجاج کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر مجھے کسی نصرانی طبیب سے علاج کرانا پڑے اور میں اس کے علاج سے صحت یاب ہو جاؤں تو کیا میں اس کے لیے دعا کر سکتا ہوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم دعا کر سکتے ہو لیکن تمھاری دعا اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

محمد بن عرفہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر مجھے کبھی کسی یہودی اور نصرانی کے متعلق دعا کرنا پڑے تو میں اسے کن الفاظ سے دعا دوں؟

آپؑ نے فرمایا: تم اس سے کہو کہ اللہ تیری دنیا میں برکت ڈالے۔

اللہ واضح ہدایت سے قبل کسی کو گمراہی میں مبتلا نہیں کرتا

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱۵

''اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ لوگوں کو ہدایت دینے کے بعد پھر گمراہی میں مبتلا کرے، جب تک انھیں صاف صاف نہ بتا دے کہ انھیں کن چیزوں سے بچنا چاہیے۔ بے شک اللہ ہر چیز کے جاننے والا ہے''۔

کتاب التوحید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اصول یہ ہے کہ وہ لوگوں کو پہلے اس بات کی خبر دیتا ہے کہ اس کی رضامندی کن چیزوں میں پوشیدہ ہے اور اس کی ناراضگی کن امور میں مضمر ہے۔ اصولِ کافی میں بھی یہ روایت انھی الفاظ سے منقول ہے۔

اصول کافی، قرب الاسناد اور تفسیر عیاشی میں اسی آیت کے ضمن میں چند روایات مذکور ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک نئے امام کا تعارف نہ کرا دے اس وقت تک امام سابق کو دنیا سے نہیں اٹھاتا۔

تین صحابی جو جنگِ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ

مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

''یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر توجہ فرمائی، جنھوں نے تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا، اگرچہ اس وقت ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے۔ اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کیا وہ بڑا ترس کھانے والا مہربان ہے۔ اور اللہ نے ان تینوں پر بھی رحم کیا جو جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعتوں سمیت ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انھوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا کہیں نہیں ہے تو اللہ نے ان پر توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کرلیں۔ یقیناً اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم اور احتجاج طبرسی میں لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی ایک قرأت ''بالنبی'' بھی ہے۔ مجمع البیان اور تفسیر عیاشی لفظ ''خُلِّفُوا'' کے متعلق مرقوم ہے کہ اس کی ایک قرأت ''خالفوا'' بھی ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ غزوۂ تبوک کے وقت بہت سے منافقین نے خودساختہ حیلے بہانے بنا کر گھر میں رہنے کی اجازت حاصل کر لی تھی اور آنحضرتؐ کے تین مخلص صحابی یعنی کعب بن مالک شاعر، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ واقفی بھی اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے اور وہ آج اور کل کے چکروں میں گرفتار رہے۔ اس سلسلہ میں حضرت کعب کا بیان ہے کہ جب رسولِ خدا نے تبوک کا سفر اختیار کیا تھا تو اس وقت میرے پاس روانگی کے لیے پورا ساز و سامان موجود تھا۔ اس سے قبل کبھی بھی میرے پاس دو سواریاں بیک وقت جمع نہیں ہوئی تھیں مگر اس وقت میرے پاس دو سواریاں موجود تھیں۔ میں دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ میں کل جاؤں گا، پرسوں جاؤں گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد میں روزانہ بازار میں جاتا تھا اور میری طرح سے ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع بھی پیچھے رہ گئے تھے۔ ہم آپس میں ملاقاتیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بس ہم کل یہاں سے چلیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا ملیں گے۔ لیکن جب دوسرا دن ہوتا تو ہم کہتے کہ بس ہم پرسوں یہاں سے ضرور چلے جائیں گے۔

الغرض ''آج کل'' کرتے ہوئے دن گزرتے رہے اور ہم گھروں میں رہ گئے یہاں تک کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم تبوک سے واپس مدینہ تشریف لائے۔ آپؐ کی تشریف آوری پر منافقین نے طرح طرح کے بہانے بنائے جنھیں آپؐ نے قبول فرمایا۔ پھر ہم آنحضرتؐ کے سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ہم سے مدینہ رہنے کا سبب دریافت کیا تو میں نے کہا: یارسولؐ اللہ! لوگ جھوٹ بہانے بنا رہے ہیں، لیکن میں آپؐ کے سامنے ہرگز جھوٹ نہیں بولوں گا۔ ہمارے پاس روانگی کے مکمل وسائل موجود تھے، لیکن اس کے باوجود ہم ٹال مٹول سے کام لیتے رہے اور یوں ہم گھروں میں رہ گئے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا تو آپؐ نے ہم سے منہ پھیرلیا۔ ہم نے اپنے بھائیوں کو سلام کیا تو انھوں نے بھی ہمیں کوئی جواب نہیں دیا اور جب ہمارے اہلِ خاندان نے سنا تو انھوں نے بھی ہم سے منہ موڑ لیے اور ہم سے کلام کرنا ترک کر دیا۔ ہم مسجد میں جاتے تو ہم پر کوئی بھی سلام نہ کرتا اور کوئی ہم سے کلام نہ کرتا۔ پھر ہماری بیویاں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انھوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپؐ ہمارے شوہروں پر ناراض ہیں تو کیا ہم ان سے طلاق لے لیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں، البتہ ان سے حقوقِ زوجیت منقطع کرلیں۔ جب مذکورہ افراد سے تمام اہلِ مدینہ نے تعلقات ختم کر دیئے تو کعب بن مالک نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا، کہ مدینہ میں ہمارے رہنے کا آخر کیا فائدہ ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے ناراض ہیں اور ہمارے بھائی اور رشتہ دار بھی ہم سے کلام کرنے پر راضی نہیں ہیں۔ لہٰذا آؤ ہم اس پہاڑ پر چلے جائیں اور وہاں خدا سے گڑگڑا کر توبہ کی درخواست کریں۔

چنانچہ تینوں صحابی مدینہ سے نکلے اور پہاڑ پر چلے گئے۔ دن کے وقت وہ روزہ رکھتے تھے اور سارا دن نمازیں پڑھ کر خدا سے مغفرت کی درخواست کرتے رہتے تھے۔ ان کے اہلِ خانہ ان کے لیے کھانا پانی وہاں پہنچا دیتے تھے۔ کچھ عرصہ تک وہ اسی حالت پر رہے مگر ان کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ جب اس حالت میں کافی دن گزرے تو حضرت کعب نے ساتھیوں سے کہا کہ دوستو! جب رسولِ خدا ہم پر ناراض ہیں اور ہمارے بھائی ہم پر ناراض ہیں اور ہماری بیویاں اور ہماری اولادیں ہم سے ناراض ہیں اور کوئی ہم سے کلام کرنا پسند نہیں کرتا تو پھر ہم ایک دوسرے سے کیوں خوش ہیں؟ ہمیں بھی ایک دوسرے سے ناراض ہونا چاہیے اور ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہوجانا چاہیے۔ اب ہم پہاڑوں میں ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے اور اس وقت تک پہاڑوں میں تن تنہا رہیں گے، جب تک خدا ہماری توبہ قبول نہ کرلے، یا ہم پر موت نہ آجائے۔

اس کے بعد تینوں ساتھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے اور تین دن تک مسلسل پہاڑوں میں گریہ و بکا کرتے رہے۔ تیسری رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں قیام پذیر تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان

کی توبہ کی قبولیت کی آیت نازل کی اور فرمایا:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

''اور اللہ نے ان تینوں پر بھی رحم کیا جو جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے' یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعتوں سمیت ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انھوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا کچھ نہیں ہے تو اللہ نے ان پر توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کرلیں۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے''۔

چنانچہ جب انھیں یہ آیت سنائی گئی تو وہ پہاڑ سے نیچے اُتر آئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔــوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲۰ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۱ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَاۗفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ

طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۳﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۲۴﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۱۲۵﴾ أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۶﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۱۲۹﴾

"اے اہلِ ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اہلِ مدینہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے دیہاتیوں کو یہ حق نہیں ہے اور وہ اللہ کے رسول کو چھوڑ کر گھر

جائیں اور اپنے نفوس کو ان کے نفس سے زیادہ عزیز جائیں اس لیے کہ انھیں جو کوئی پیاس' تھکن اور جسمانی مشقت راہِ خدا میں محسوس ہوتی ہے اور وہ جب بھی کوئی ایسا قدم اُٹھاتے ہیں جو منکرین حق کے لیے ناگوار ہوتا ہے اور جب بھی وہ کسی دشمن سے عداوتِ حق کا کوئی انتقام لیتے ہیں تو اس کے بدلے ان کے لیے عملِ صالح لکھا جاتا ہے۔ یقیناً خدا نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح سے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ وہ (راہِ خدا) میں تھوڑا یا بہت کوئی خرچ اُٹھائیں اور (جہاد کے لیے) کوئی وادی پار کریں اور ان کے حق میں اسے لکھ نہ لیا جائے' تاکہ خدا انھیں ان کے اچھے اعمال کا بہتر صلہ عطا کرے۔

صاحبانِ ایمان کا یہ فرض نہیں کہ وہ سب کے سب جہاد کے لیے نکل پڑیں تو ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کے لیے کیوں نہیں نکلتی ہے کہ وہ دین کی سمجھ پیدا کرے اور واپس جا کر اپنی قوم کو خبردار کرے تاکہ وہ اس طرح ڈرنے لگیں۔

ایمان والو! اپنے اردگرد رہنے والے کافروں سے جنگ کرو اور وہ تمھارے اندر سختی اور طاقت کا احساس کریں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

اور جب کبھی کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ (بطور طنز) کہتے ہیں کہ اس سورہ نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں بیماری ہے تو سورہ کے نزول سے ان کی سابق نجاست پر ایک نئی نجاست کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور ایسے لوگ کفر پر ہی مر جاتے ہیں۔

تو کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ انھیں آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے' پھر بھی وہ نہ تو توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں کہ کہیں تمھیں کوئی

دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ پھر وہ چپکے سے نکل بھاگتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے ہیں کیونکہ یہ سمجھنے والی قوم نہیں ہے۔

یقیناً تمھارے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم میں سے ہی ہے۔ تمھاری ہر مصیبت اس پر شاق گزرتی ہے۔ وہ تمھاری ہدایت کے لیے بہت حرص کرنے والا ہے اور اہلِ ایمان کے لیے شفیق اور رحیم ہے۔ اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو کہہ دیں کہ میرے لیے اللہ کافی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور وہ عرشِ عظیم کا پروردگار ہے"۔

ہو جاؤ سچوں کے ساتھ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ"۔

مناقب ابن شہر آشوب میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے جس جماعت صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے وہ جماعتِ صادقین ہم ہیں۔

ابن ابی نصر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: صادقین ائمہ ہیں اور ان کے اطاعت گزار مصدق ہیں۔

احتجاج طبرسی کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں امیرالمومنین علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں: اللہ نے کچھ لوگوں کو علم کا اہل مقرر کیا ہے اور ان کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے اور ان کے لیے فرمایا ہے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹ (ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ۔)

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ابن عباس اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی قرأت میں "من الصادقین" کے الفاظ وارد ہیں۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں سلیم بن قیس کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام نے خلافتِ عثمان کے عہد میں مسجد نبویؐ میں مہاجرین وانصار کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے گروہِ صحابہ! خدا کے لیے بتاؤ کہ جب يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ کی آیت

نازل ہوئی تھی تو اس وقت سلمان فارسیؓ نے رسولِ خدا سے عرض کیا تھا کہ یارسولؐ اللہ! یہ آیت عام ہے یا خاص؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: عام اہلِ ایمان کو اس کا حکم دیا گیا ہے اور صادقین سے میرا بھائی علیؑ اور قیامت تک آنے والے میرے اوصیاء مراد ہیں۔ کیا تم نے یہ بات سنی تھی؟

وہاں پر موجود صحابہ نے کہا: جی ہاں، ہم نے رسولِ خدا کا یہ فرمان سنا تھا۔

توضیح: اس آیت مجیدہ کے ضمن میں اہلِ سنت کے مشہور مفسر فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ اس آیت نے قیامت تک کے لیے اُمت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جنھیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور سچوں کے ساتھ ہو جائیں۔ اس گروہ سے غلطی اور خطا کا امکان ہے اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور سچوں کے ساتھ ہو جائیں، تاکہ وہ غلطیوں سے بچ سکیں۔

اور اُمت کا دوسرا حصہ جماعتِ صادقین پر مشتمل ہے اور یہ جماعت معصوم جماعت ہے اور کائنات میں جب تک یہ آیت باقی رہے گی اس وقت تک معصوم جماعت کا کوئی نہ فرد باقی رہے گا، کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ غیر معصوم کو حکم دیا جائے کہ وہ صادقین کے ساتھ ہو جائیں اور پھر عملی طور پر جماعت صادقین ہی موجود نہ ہو۔ (اضافۃ من المترجم)

کتاب معانی الاخبار میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کا ایک خطبہ مذکور ہے۔ اس خطبہ میں آنجنابؑ نے یہ کلمات بھی ارشاد فرمائے:

"اے لوگو! آگاہ رہو! مجھے قرآن مجید میں کچھ اسماء سے مخصوص کیا گیا ہے۔ ان ناموں پر قابض ہونے کی جسارت نہ کرنا ورنہ تم اپنے دین سے گمراہ ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹ اور وہ صادق میں ہوں"۔

امالی شیخ الطائفہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹ کی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم علی بن ابی طالبؑ کے ساتھ ہو جاؤ۔

تہذیب الاحکام میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے دعائے غدیر منقول ہے جس کے کچھ کلمات کا ترجمہ یہ ہے: "پروردگار! تو نے ہمیں اپنے مقرر کردہ صاحبانِ امر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور تو نے ہمیں "صادقین" کے ساتھ ہو جانے کا حکم دیا ہے اور تو نے فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹) (اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور جو تم میں صاحبانِ امر ہوں ان کی اطاعت کرو۔)

اور پروردگار تو نے ہی فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹ (اے ایمان والو! اللہ

سے ڈرتے رہو اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ)۔ پروردگار! ہم نے تیرے فرمان کی اطاعت کی ہے۔ ہمیں ثابت قدم رکھنا اور ہمیں فرمانبرداری کی حالت میں موت دینا۔ اپنے اولیاء کا تصدیق کنندہ ہونے کی حالت میں ہماری روح قبض کرنا اور اپنی طرف سے ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دینا اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما۔ بے شک تو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔

تفسیر عیاشی میں ابوحمزہ ثمالی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ مولاؑ! میں کون سا عمل بجالاؤں جس سے حقیقت ایمان کی تکمیل ہو جائے؟

آپؑ نے فرمایا: تم خدا کے محبوب بندوں یعنی حضرت محمد مصطفیؐ، علی مرتضیٰؑ، حسنؑ، حسینؑ، علی بن الحسینؑ اور مجھ سے اور میری گود میں بیٹھے ہوئے میرے اس فرزند جعفرؑ سے محبت رکھو۔ جو بھی ان سے محبت رکھے گا تو وہ تمام اولیائے خدا سے محبت رکھے گا اور ان سے محبت رکھنے والا وَ كُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کی آیت پر عمل کرنے والا قرار پائے گا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ وَ كُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سے ائمہ علیہم السلام مراد ہیں۔

دین میں سوجھ بوجھ پیدا کرنے کے لیے سفر کرو

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

"اور صاحبانِ ایمان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب کے سب نکل پڑیں تو ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کے لیے کیوں نہیں نکلتی ہے کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرے اور واپس جا کر اپنی قوم کو خبردار کرے، تاکہ وہ اس طرح سے ڈرنے لگیں"۔

آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے فہمِ دین کو اُمت کے تمام گروہوں کے لیے فرضِ کفایہ قرار دیا اور فرمایا کہ ہر گروہ اور علاقہ میں سے کچھ افراد دین فہمی کے لیے رسولِ خدا کے پاس جائیں اور جب انھیں خود اچھی طرح سے دین فہمی کا ملکہ حاصل ہو جائے تو وہ اپنے علاقوں اور قوم کی طرف لوٹ جائیں اور انھیں دینی حقائق سے آگاہ کریں، تاکہ باقی لوگ خدا کی نافرمانی سے ڈر جائیں۔

آیت مجیدہ اس امر کی دلیل ہے کہ دین فہمی کی غرض تبلیغ دین ہونا چاہیے، حصولِ دولت نہیں ہونا چاہیے اور جو بھی دین

تو یم اور صراطِ مستقیم کی رشد و ہدایت کے لیے علمِ دین حاصل کرے تو وہ ہدایت یافتہ ہوگا اور جو شخص دین فہمی کو حصولِ دنیا کی غرض سے حاصل کرے گا وہ خدائی اجر وثواب سے محروم رہے گا اور ایسا شخص ممکن ہے کہ دنیا میں کچھ کامیابی حاصل کر لے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ (اضافہ من المترجم)

اصولِ کافی میں علی بن ابی حمزہ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے: دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرو اور دین کی سمجھ بوجھ نہ رکھنے والا جاہل گنوار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (وہ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کریں اور واپس جا کر اپنی قوم کو خبردار کریں تاکہ وہ اس طرح سے ڈرنے لگیں۔)

"اختلافِ اُمت رحمت ہے" کا مفہوم

علل الشرائع میں عبداللہ بن مومن انصاری سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مولا! لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اِخْتِلَافُ اُمَّتِي رَحْمَةٌ (میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے) کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، یہ حدیث صحیح ہے۔ میں (راوی) نے کہا: اگر اُمت کا اختلاف رحمت ہے تو پھر ان کا اتحاد تو عذاب قرار پائے گا!!؟ آپؑ نے فرمایا: حدیث کا وہ مفہوم نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ "اختلاف" کا ایک مفہوم یکے بعد دیگرے آنا بھی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: واختلاف اللیل والنہار (رات دن کا ایک دوسرے کے بعد آنا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُمت اسلامیہ کو حکم دیا۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾ "ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کے لیے کیوں نہیں نکلتی ہے کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرے اور واپس جا کر اپنی قوم کو خبردار کرے تاکہ وہ اس طرح سے ڈرنے لگیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ وہ دین فہمی کے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یکے بعد دیگرے آتے رہیں اور احکامِ اسلام سے واقفیت حاصل کریں اور جب انھیں واقفیت حاصل ہو جائے تو اپنی قوم میں جائیں اور انھیں دین کی تبلیغ کریں۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِخْتِلَافُ اُمَّتِي رَحْمَةٌ - میری اُمت کا یکے بعد دیگرے فہم دین کے لیے میرے پاس آنا رحمت ہے۔

حبیبِ خدا کی حدیث کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ خدا کے دین میں اختلاف رحمت ہے کیونکہ دین تو ایک ہے۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے ایک خط میں یہ کلمات تحریر فرمائے: ہمارا شیعہ بس وہ ہے جو ہماری پیروی کرے اور ہماری مخالفت نہ کرے اور جب ہم خوف میں ہوں تو وہ بھی اپنے آپ کو خوف میں محسوس کرے اور جب ہم امن میں ہوں تو وہ بھی اپنے آپ کو امن میں محسوس کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسْـَٔلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:۴۳۔ تم اہلِ ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ (ہر گروہ میں سے ایک جماعت دین فہمی کے لیے سفر کیوں نہیں کرتی؟) لہٰذا تم پر سوال کرنا اور ہم سے دریافت کرنا واجب کیا گیا ہے لیکن ہم پر جواب فرض نہیں کیا گیا۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: تم خدا کے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرو اور جاہل دیہاتی نہ بنو۔ تم میں سے جو خدا کے دین کی سمجھ بوجھ حاصل نہیں کرے گا خدا اس کے عمل میں پاکیزگی پیدا نہیں کرے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میری خواہش ہے کہ میرے اصحاب کے سروں پر کوڑے برسائے جائیں، یہاں تک کہ وہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے کہا کہ اگر ایک شخص فہم دین حاصل کر کے اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور اپنے کسی بھائی کو دینی حقائق سے باخبر نہ کرے تو اس کے لیے آپ کیا فرماتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: ایسا شخص "فقیہ" کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: فہمِ دین کی علامات میں حلم اور خاموشی شامل ہیں۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت تک کوئی شخص فقیہ نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے لباس کے نئے اور پرانے ہونے سے بے پرواہ نہ ہو جائے اور کوئی شخص اس وقت تک فقیہ نہیں بن سکتا جب تک وہ کھانے پینے کی فکر سے آزاد نہ ہو جائے۔

حارث اعور بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: تین باتوں سے مسلم کی تکمیل ہوتی ہے: ۱- دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا ۲- معیشت میں اعتدال کا ہونا ۳- مصائب پر صبر کرنا۔

اصولِ کافی کی تین، عیون الاخبار کی ایک، علل الشرائع کی ایک اور تفسیر عیاشی کی تین مختلف الاسناد احادیث میں مرقوم

ہے کہ امام کی وفات کی صورت میں دوسرے امام کی معرفت حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا بھی اہلِ ایمان کے لیے ضروری ہے اور اس راہ میں جو مر جائے تو اس کی موت خدا کی راہ میں قرار پائے گی۔

(واضح رہے کہ یہ تاویل قاعدہ ''جری'' کا پھیلاؤ ہے۔ ظاہری تفسیر نہیں ہے۔ من المترجم)

قریبی کفار سے جہاد کا حکم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

''اے ایمان والو! اپنے اردگرد رہنے والے کافروں سے جنگ کرو اور وہ تمہارے اندر سختی اور طاقت محسوس کریں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے''۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس آیت کے تحت علاقہ دیلم کے کفار سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اس آیت مجیدہ کے تحت تمام مسلمان ممالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے قریبی کفار ممالک سے جہاد کریں اور دُور دراز کافر سلطنتوں پر حملہ نہ کریں البتہ ان کے ساتھ سختی کا رویہ اختیار کریں۔

ایمان میں کمی بیشی ممکن ہے

اصولِ کافی کی ایک طویل حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایمان میں کمی بھی ہوتی ہے اور ایمان میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔

راوی نے کہا: مولاؑ! ایمان میں جہاں تک کمی کا سوال ہے وہ تو میں نے سمجھ لی ہے۔ ایمان میں اضافہ کے متعلق آپؑ کی کیا دلیل ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن مجید کی متعدد آیات میں بیان کیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ''اور جب کبھی کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سورہ نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ جو

لوگ ایمان لائے ہیں تو سورہ ان کے ایمان میں اضافہ کرتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے تو سورہ کے نزول سے ان کی سابق نجاست پر ایک نئی نجاست کا اضافہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ کفر پر ہی مر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کے متعلق فرمایا: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ (الکہف: ۱۳) ''ہم ان کا قصہ پوری طرح سے تمھیں سناتے ہیں۔ وہ ایسے جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ہدایت کا ان میں اضافہ کیا تھا''۔

اگر ایمان کے درجات میں کمی بیشی نہ ہوتی تو کسی مومن کو اپنے مومن بھائی پر فضیلت حاصل نہ ہوتی اور نعمات میں سب کے سب یکساں طور پر حصہ دار ہوتے اور تمام اہلِ ایمان برابر ہوتے اور کسی کو کسی پر برتری حاصل نہ ہوتی۔ ایمانی تقاضوں کے اتمام سے اہلِ ایمان جنت میں جائیں گے اور ایمانی درجات میں اضافہ کی وجہ سے جنت کے درجات میں فرق ہوگا اور جہاں ایمانی تقاضے مفقود ہوں گے تو ایسے افراد دوزخ میں داخل ہوں گے۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان مرقوم ہے: ایمان دل میں چمک کی مانند نمودار ہوتا ہے جتنا ایمان بڑھتا جائے گا اتنا ہی چمک میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

تفسیر عیاشی میں وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ (اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو سورہ کے نزول سے ان کی سابق نجاست پر ایک نئی نجاست کا اضافہ ہوتا ہے) کی آیت مجیدہ کے تحت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ''رجس'' سے مراد شک ہے۔ مقصد آیت یہ ہے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے سورتوں کے نزول سے ان کے شکوک وشبہات میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

اوصافِ رسولؐ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

''یقیناً تمھارے پاس ایسا رسول آیا ہے جو خود تم میں سے ہی ہے۔ تمھارا مشقت میں پڑنا اس پر شاق ہے۔ وہ تمھاری ہدایت کے لیے بہت حرص کرنے والا ہے۔ اہلِ ایمان کے لیے شفیق اور مہربان ہے''۔

اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے پانچ اوصاف بیان کیے ہیں:

۱- مِنْ اَنْفُسِكُمْ یعنی ہمارا رسول خود تم میں سے ہی ہے اور ''تم میں سے'' ہونے کے بھی کئی مفہوم ہیں: (ا) اس کا تعلق تمھاری جنس بشر سے ہی ہے اور ہمارا حبیب نسل انسانی سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر ایک انسان کی بجائے اللہ کسی فرشتہ کو نبی و رسول بنا کر بھیجتا تو مقصد ہدایت فوت ہو جاتا۔ (ب) اہلِ عرب سے فرمایا کہ ہمارا رسول خود تم میں سے ہی ہے یعنی وہ خاندانی حوالے سے عربی ہیں۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ عرب کے جتنے بھی قبیلے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی نہ کسی دادی نانی کا ان سے تعلق بنتا تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب سے فرمایا کہ تمھیں تو خوش ہو کر ہمارے رسول پر ایمان لانا چاہیے اور تمھیں ان کی پشت پناہی کرنی چاہیے کیونکہ اس کی عزت و عظمت میں تمھاری عزت و عظمت کا راز مضمر ہے۔ (ج) یہ اہلِ حرم کے لیے خطاب ہے۔ اہلِ عرب اہلِ حرم کا احترام کرتے تھے اور انھیں ''خدا کا کنبہ'' قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب سے فرمایا کہ اب تک تم اہلِ حرم کا احترام کرتے آئے ہو لہٰذا اب ہمارے نبی کا خصوصی احترام کرو' کیونکہ ان سے ہی عظمتِ کعبہ وابستہ ہے۔ (د) اس سے رسولِ خدا کی طہارت و پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے تو گویا قدرت یہ فرما رہی ہے کہ ہمارے حبیب کا تعلق خود تم میں سے ہی ہے۔ تم لوگ اس کی صداقت و امانت' شرافت و کردار کو تو جانتے ہی ہو اور تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ہمیشہ تم سے آفات دُور رکھنے اور تمھیں زیادہ سے زیادہ فوائد پہنچانے کے خواہش مند رہے ہیں اور تمھارے اتنے بڑے خیر خواہ کو رسول بنا کر روانہ کرنا ہماری طرف سے تمھارے لیے عظیم نعمت ہے۔

بعض روایات میں اس لفظ کو اَنْفَسِكُمْ (بروزن افعل التفضیل) بھی بیان کیا گیا ہے اور اَنْفَسُ لفظ ''نفیس'' سے اسمِ تفضیل ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہماری طرف سے تمھارے پاس وہ رسول آیا ہے جو تم میں سے محترم و معزز اور اشرف و افضل ہے۔

۲- نبیؐ کی دوسری صفت اللہ نے یہ بیان کی: عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ''تمھارا مشقت اور زحمت میں پڑنا انھیں بڑا گراں گزرتا ہے۔ اور ہمارا رسول نہیں چاہتا کہ تم آگ کا ایندھن بنو اور عذابِ الٰہی کے مستحق قرار پاؤ''۔

۳- نبی کی تیسری صفت اللہ نے یہ بیان کی: حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ہمارا رسول تمھاری بھلائی کے لیے بڑا حریص ہے اور اس کی خواہش ہے کہ تمھیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں نصیب ہوں۔

۴، ۵- اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی چوتھی اور پانچویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (ہمارا رسول اہلِ ایمان کے لیے رؤوف (شفیق) بھی ہے اور ''رحیم'' یعنی مہربان بھی ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں: رؤوف، رحیم اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں مگر خداوند عالم نے یہ نام اپنے حبیب کو بھی عطا

فرمائے ہیں۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن الفخر الرازی)

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ ..... کی آیت پڑھ کر فرمایا: رسولِ خدا ہم میں سے تھے۔ انھیں ہماری مشقت ناگوار تھی اور وہ ہماری بھلائی کے لیے حریص تھے۔ آنحضرتؐ کی مذکورہ صفات کا تعلق ہم سے ہے جب کہ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ کا تعلق تمام اہلِ ایمان سے ہے۔ آنحضرتؐ کی مذکورہ تین صفات کا تعلق صرف ہم سے ہے جب کہ چوتھی صفت میں بھی ہم اہلِ ایمان کے ساتھ شریک ہیں۔

درندوں سے بچنے کی عزیمت

اصول کافی میں اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنین علی علیہ السلام سے عرض کیا: "امیر المومنین جہاں میں رہتا ہوں وہاں درندے بہ کثرت پائے جاتے ہیں اور حد یہ ہے کہ درندے میرے گھر میں بھی داخل ہو جاتے ہیں ان سے بچنے کے لیے مجھے کوئی عزیمت تلقین فرمائیں۔

آپؑ نے فرمایا: تم سورہ توبہ کی آخری دو آیات لَقَدۡ جَآءَکُمۡ ...... رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ پڑھا کرو۔ خدا نے چاہا تو درندے وہاں نہیں آئیں گے۔ اس شخص نے یہ آیات پڑھیں تو درندے وہاں سے نقل مکانی کر گئے۔

من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: علیؑ! جس کو درندوں کا خوف ہو تو وہ سورہ توبہ کی آخری دو آیات پڑھے۔ (وہ درندوں سے محفوظ رہے گا)

مجمع البیان میں لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ ..... کے ضمن میں مرقوم ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام خاندانی سلسلہ نکاح سے مربوط رہا ہے۔ آپؐ کے سلسلہ نسب میں دورِ جاہلیت کی کوئی نجاست شامل نہیں ہے۔

ابن عباس، ابن علیہ، ابن محیص اور زہری کی قرأت میں اَنۡفَسِکُمۡ (بروزن افعل التفضیل) پڑھا گیا ہے۔ بعض روایات میں مرقوم ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا بھی اس کو افعل التفضیل کے وزن پر اَنۡفَسُ پڑھتی تھیں۔

فخر رازی لکھتے ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ بھی اسے اَنۡفَسُ پڑھتی تھیں۔ (اضافۃ من المترجم)

جوامع الجامع کے مطابق اگر اَنۡفَسِکُمۡ پڑھا جائے تو معنی یہ ہے کہ تمھارے پاس ہمارا وہ رسول آیا ہے جو تم میں سے اشرف اور افضل ہے۔

عرشِ عظیم

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ "......اور وہ عرشِ عظیم کا پروردگار ہے"۔

کتاب التوحید میں حنان بن سدیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرش و کرسی کے متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں آپؑ نے فرمایا:

"عرش کی کثیر اور مختلف صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لفظ "عظیم" سے اس کی صفت بیان کی ہے اور عرشِ عظیم کا معنی ہے مُلک عظیم۔ لفظ عرش ملک وسلطنت کے معانی میں ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے: الرحمٰن علی العرش استوٰی یعنی رحمٰن اپنی سلطنت پر متمکن ہوا۔ اور یہ اشیاء کی کیفیت کی ملکیت ہے۔ عرش، کرسی سے جدا چیز ہے جب کہ عرش و کرسی دونوں کا تعلق غیب کے بہت بڑے دروازوں سے ہے اور وہ دونوں ہی غیب ہیں اور غیب ہونے میں دونوں یکساں ہیں۔ لفظ کرسی کا اطلاق غیب کے اس دروازے پر کیا گیا ہے جہاں سے کائنات ظہور پذیر ہوئی اور اس سے تمام اشیاء ظاہر ہوئیں جب کہ عرش اس باطنی دروازے کا نام ہے جس میں علم، کیف، کون، حمد، قدر، ظرفیت، مشیت، صفت ارادہ، علم الفاظ وحرکات، علم ترک، علم العود والبداء پائے جاتے ہیں۔ جب کہ دونوں کا تعلق علم الٰہی سے ہے۔ عرش کی سلطنت اور ہے اور کرسی کی سلطنت اور ہے اور عرش کا علم کرسی کے علم سے غائب تر ہے اور جب رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ کہا جاتا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس کی صفت کرسی کی صفت سے عظیم ہے۔

حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے عرش کو مربع صورت میں بنایا۔ اس سے پہلے صرف تین چیزوں یعنی ہوا، قلم اور نور کو پیدا کیا تھا۔ پھر اسے مختلف انوار سے پیدا کیا۔ ان انوار میں ایک سبز نور تھا جس کی وجہ سے کچھ اشیاء کو سبزی ملی۔ ایک زرد نور تھا جس کی وجہ سے کچھ اشیاء کو زردی ملی اور ایک سرخ نور تھا جس کی وجہ سے اشیاء کو سرخی ملی اور ایک سفید نور تھا اور وہ نورالانوار ہے۔ اسی سے دن کو روشنی ملی۔

پھر اللہ نے اس کے ستر ہزار طبقات مقرر کیے۔ ہر طبقہ کی موٹائی اتنی ہی رکھی جتنا کہ اسفل السافلین سے عرش کی ابتداء کی ہے۔ ہر طبق اپنے رب کی تسبیح کرتا ہے اور مختلف آوازوں میں اس کی تقدیس بیان کرتا ہے۔ اگر کسی زبان کو اجازت مل جائے کہ وہ دوسروں تک اپنی تسبیح کی آواز پہنچائے تو اس کے نیچے جتنے پہاڑ، شہر اور قلعے ہیں، وہ سب کے سب گر جائیں اور سمندر دھنس جائیں اور ان میں رہنے والی مخلوق تباہ ہو جائے۔

عرش کے آٹھ ارکان ہیں۔ ہر رکن پر اتنے زیادہ فرشتے ہیں جن کی تعداد کو خدا کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔ وہ دن

رات خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں ہیں۔ اور اگر کسی چیز کو اس کے اوپر قائم جبروت و کبریائی، عظمت، قدس، رحمت و علم کا احساس ہو جائے تو وہ چشمِ زدن کے لیے بھی قائم نہ رہ سکے۔ اس سے بڑھ کر اور گفتگو نہیں کی جا سکتی۔

کتاب طب الائمہ میں مرقوم ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کو کسی دوسرے سے نقصان و اذیت کا اندیشہ ہو اور وہ یہ چاہتا ہوں کہ خدا اس کو اذیت سے روک دے تو جب اس پر نگاہ پڑے تو یہ عزیمت پڑھے: اعوذ بحول اللہ وقوته من حوله خلقه و قوتهم واعوذ برب الفلق من شر ما خلق فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ اللہ تعالیٰ اسے ہر سازش کرنے والے کی سازش اور ہر مکار کے مکر اور ہر حاسد کے حسد سے محفوظ رکھے گا۔ یہ کلمات اس کے چہرے کے سامنے کہنے چاہییں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قوت اس کی حفاظت کرے گا۔ (عن هامش بعض النسخ)

○○○

سُورَۃُ یُونُس

سورة یونس مکیة الآیات : ۴۰، ۹۴، ۹۵، ۹۶ فمدنیة

ایاتها ۱۰۹ – نزلت بعد الاسراء رکوعاتها ۱۱

''سورہ یونس مکہ میں نازل ہوئی مگر اس کی آیات ۴۰، ۹۴، ۹۵، ۹۶ مدینہ میں نازل ہوئیں۔

اس کی کل آیات کی تعداد ۱۰۹ ہے اور یہ سورہ سورہ اسراء کے بعد نازل ہوئی اور اس کے گیارہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْ
حَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا
لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۖ مَا مِنْ
شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۚ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ اِنَّهٗ
يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ
وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ
ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ
وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝۵ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ ۝۶ إِنَّ الَّذِينَ لَا
يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ
هُمْ عَنْ آيٰتِنَا غٰفِلُونَ ۝۷ أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ۝۸ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيهِمْ
رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۚ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ ۝۹
دَعْوٰىهُمْ فِيهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ۚ وَآخِرُ
دَعْوٰىهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝۱۰ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ
لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ
فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝۱۱ وَإِذَا
مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا ۚ فَلَمَّا
كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَسَّهُ ۚ كَذٰلِكَ
زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۲ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ
قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوا
لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝۱۳ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَاِذَا
تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ
بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ
تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ
عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ
عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ
كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ
اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ
ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً
وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ
فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ

مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ
رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ
وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ
مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ
ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ
اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ
اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا
مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا كَمَاۗءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا
يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا
وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا
اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ
وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو رحمٰن و رحیم ہے

ا، ل، ر۔ یہ حکمت و دانش والی کتاب کی آیات ہیں۔ کیا لوگوں کے لیے یہ بات تعجب خیز بن چکی ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک آدمی پر وحی بھیجی کہ لوگوں کو خبردار کردے اور جو ایمان لائیں انھیں اس بات کی خوشخبری دے دے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچی عزت و سرفرازی ہے۔ کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلم کھلا جادوگر ہے۔

یقیناً تمھارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (چھ اَدوار) میں پیدا کیا، پھر عرشِ سلطنت پر متمکن ہوکر امور کی تدبیر کر رہا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔ یہی اللہ ہی تمھارا رب ہے پس تم اس کی ہی عبادت کرو۔ کیا تم نصیحت حاصل نہ کرو گے؟

اس کی طرف تم سب نے پلٹ کر جانا ہے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ وہی خلقت کا آغاز کرنے والا ہے اور پھر اسے واپس لے جاتا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں ان کو انصاف کے ساتھ جزا دے اور جنھوں نے کفر کیا ہے تو ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کا مشروب ہے اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اسی نے ہی سورج کو روشنی دی ہے اور چاند کو نور بنایا ہے اور چاند کی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم اس سے برسوں اور تاریخ کے حساب معلوم کرسکو، یہ سب کچھ اللہ نے حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ علم رکھنے والوں کے لیے اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کر رہا ہے۔

یقیناً رات اور دن کی آمدورفت اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں اہلِ تقویٰ کے لیے نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ بے شک وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی امیدیں نہیں رکھتے اور دنیاوی زندگی پر قانع اور مطمئن ہوچکے ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔

یہ سب وہ ہیں جن کے اعمال کی بنا پر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے ایمان کی بدولت ان کا پروردگار انھیں ہدایت دے گا۔ نعمت بھری جنتوں میں ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

وہاں ان کا قول یہ ہوگا کہ خدایا تو پاک ہے اور ان کا تحفہ سلام ہوگا اور ان کا آخری بیان یہ ہوگا کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ اگر اللہ لوگوں کے لیے برائی میں اتنی جلدی کرتا جتنا کہ وہ بھلائی کی جلدی چاہتے ہیں تو ان کی مہلتِ عمل کب کی ختم ہوگئی ہوتی۔ ہم تو اپنی ملاقات کی امید نہ رکھنے والوں کو ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ یوں بھٹکتے پھریں۔ انسان پر جب کوئی سخت لمحہ آتا ہے تو وہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہم کو صدائیں دیتا ہے مگر جب ہم اس کی مصیبت ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا چل نکلتا ہے گویا اس نے کبھی اپنے بُرے وقت میں ہم کو پکارا ہی نہیں تھا۔ اس طرح سے حد سے گزرنے والوں کے لیے ان کے اعمال خوشنما بنا دیئے گئے ہیں۔

ہم نے تم سے پہلی اَقوام کو ہلاک کر دیا جب انھوں نے ظلم کی روش اپنائی اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہم اسی طرح سے مجرم قوم کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے تم کو زمین پر ان کا جانشین بنا دیا تاکہ ہم یہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟

جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس کی بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں تبدیلی کرو۔ آپ کہہ دیں کہ مجھے اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تو صرف اس امر کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے۔

آپ کہہ دیں کہ اگر خدا کی مشیت یہی ہوتی تو میں تمھارے سامنے قرآن کی تلاوت نہ کرتا اور اللہ تمھیں اس کی خبر تک نہ دیتا۔ آخر میں اس سے پہلے بھی تمھارے درمیان ایک مدت تک رہ چکا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

بھلا اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو خدا پر جھوٹ تراشے یا اللہ کی آیات کی تکذیب کرے۔ یقیناً مجرم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی پوجا کر رہے ہیں جو نہ تو انھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی انھیں فائدہ دے سکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (بت) اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیں کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دینا چاہتے ہو جسے وہ نہ تو آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ وہ ہر نقص سے پاک اور پاکیزہ ہے اور وہ اس شرک سے بلند و بالا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

ابتداء میں تمام لوگ ایک ہی اُمت تھے بعد میں انھوں نے آپس میں اختلاف کیا اور اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے سے ایک بات طے نہ کرلی گئی ہوتی تو جس چیز میں وہ اختلاف کررہے ہیں اس کا فیصلہ کردیا جاتا۔

اور وہ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ آپ کہہ دیں کہ غیب کا مالک اللہ ہی ہے تم انتظار کرو اور میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

اور جب ہم تکلیف کے بعد لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ ہماری آیات کے متعلق چال بازیاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ خدا تم سے تیز تر تدبیر کرنے والا ہے۔ ہمارے نمائندے تمھارے مکر کو لکھ رہے ہیں۔

وہی تو ہے جو تمھیں خشکی اور سمندر میں سیر کراتا ہے۔ جب تم کشتیوں میں سوار ہوکر موافق ہوا پر فرحاں و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو۔ پھر یکایک باد مخالف کا زور ہوتا ہے اور

ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ وہ طوفان میں گھر چکے ہیں تو اس وقت سب اپنے دین کو اللہ ہی کے لیے خالص کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اس سے بچا لیا تو ہم شکر گزار بندے بن کر رہیں گے۔

پھر جب خدا انھیں نجات دے دیتا ہے تو وہ لوگ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگ جاتے ہیں۔ انسانو! تمھاری یہ بغاوت خود تمھارے ہی خلاف پڑ رہی ہے۔ یہ دنیا کی زندگی کے چند روزہ مزے ہیں۔ پھر ہماری طرف تمھیں پلٹ کر آنا ہے پھر ہم تمھیں بتائیں گے کہ تم دنیا میں رہ کر کیا کرتے رہے تھے۔

دنیاوی زندگی کی مثال اس بارش کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا پھر اس سے مل کر زمین سے وہ نباتات برآمد ہوئیں جن کو انسان اور جانور کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے سبزہ زار سے اپنے آپ کو آراستہ کر لیا اور مالک یہ سمجھنے لگے کہ وہ اس زمین کے صاحب اختیار ہیں تو اچانک رات کو یا دن کو ہمارا حکم آ گیا اور ہم نے اسے بالکل کٹا ہوا کھیت بنا دیا گویا اس میں کل کچھ تھا ہی نہیں۔ صاحبانِ فکر کے لیے ہم اپنی نشانیوں کو اس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں۔ اللہ سلامتی کے گھر کی دعوت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دے دیتا ہے۔

سورہ یونس کے مرکزی مضامین

اس سورہ کے مرکزی عنوان یہ ہیں: حضرت علی علیہ السلام کی ولایت' سورج چاند کے بروج و منازل' جنت کی تعریف' انسان کی حالت' کفار کی انوکھی فرمائش اور اس کا جواب' بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان' پہلے سب لوگ یکساں تھے' انسان کا مجبوری میں گڑگڑانا اور سکھ کے لمحات میں اکڑنا' دنیا کی مثل' دنیا مقامِ عبرت ہے' قیامت کے روز گناہ گاروں کے چہرے سیاہ ہوں گے' قیامت کے دن مشرکوں کے معبود الگ ہو جائیں گے' رہنما پیروی کا زیادہ حق دار ہے' گمان کی پیروی نہ کی جائے' مشرکین سے اعراض کا حکم' خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا' دنیا کا قیام گویا گھڑی کے لیے ہے' کوئی شخص اپنے نفع و نقصان پر

قادر نہیں' دنیا کے خزانے گناہوں کا عوض نہیں ہو سکتے' قرآن شفا ہے' خدا کو ذرّہ ذرّہ کی خبر ہے۔ اولیاء خدا کون ہیں؟ خدا صاحب اولاد نہیں ہے۔ ہر دعویٰ کے لیے دلیل ضروری ہے' حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ' مسجد کی خاص حرمت' فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی' مشرکین کے شک کا جواب اور حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن ترجمۃ فرمان علی مرحوم)

فضائل سورہ یونس

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص ہر دوسرے یا تیسرے مہینہ سورہ یونس کی تلاوت کرے، تو وہ جاہلین میں سے قرار نہ پائے گا اور ایسا شخص روزِ قیامت مقربین میں سے شمار ہوگا۔

مجمع البیان میں ابی بن کعب سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورہ یونس پڑھے گا تو اسے اُمت یونسؑ اور غرق ہونے والے لشکرِ فرعون کی تعداد سے دس گنا زیادہ اجر دیا جائے گا۔

تفسیر عیاشی میں محمد سے منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ قرآن کریم کی نویں سورہ کی تلاوت کرو۔ میں نے سورۂ یونس کی تلاوت شروع کی اور جب میں الذین احسنوا الحسنٰی ......تک پہنچا تو آپؑ نے فرمایا: بس یہی رُک جاؤ۔

رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ مجھے تو اس بات پر تعجب ہے کہ قرآن پڑھنے کے باوجود مجھ پر مکمل ضعیفی طاری کیوں نہیں ہوئی؟

الٓرٰ

معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ الٓرٰ کا معنی ہے: انا اللہ الرؤوف "میں شفیق اللہ ہوں"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ الٓرٰ کا تعلق اسمِ اعظم کے علیحدہ حروف سے ہے۔ جب رسول اور امام ان حروف کو جوڑ کر دعا مانگے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

حروفِ مقطعات کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی حدیث ہم سورہ آلِ عمران اور سورہ اعراف

کے آغاز میں نقل کر چکے ہیں۔ قارئین اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

کتاب حکیم

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝

''ا، ل، ر۔ یہ حکمت و دانش والی کتاب کی آیات ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر قرآن مجید کو ''حکیم'' کہا ہے اور حکیم صاحب حکمت کو کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کو حکیم کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ عظیم آسمانی کتاب حکمت پر مشتمل ہے۔

مفسرین کی اکثریت کا بیان ہے کہ لفظ ''حکیم'' بمعنی ''حاکم'' ہے۔ قرآن مجید اعتقادات میں حاکم ہے اور حق کو باطل سے علیحدہ کرنے والا ہے اور صواب و خطا کو جدا کرنے والا ہے اور قرآن محمد مصطفیٰؐ کی نبوت کی دلیلِ اکبر ہے۔ بعض علماء بیان کرتے ہیں کہ ''حکیم'' بمعنی ''محکم'' ہے اور قرآن اتنا محکم ہے کہ صدیاں گزرنے کے باوجود اس میں کسی طرح کی تحریف و ترمیم نہیں ہو سکی۔

قرآن کریم کو حکیم کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ نے اس میں عدل و احسان کا حکم دیا ہے اور اہلِ اطاعت کے لیے جنت اور اہلِ عصیان کے لیے دوزخ کا فیصلہ کرتا ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

نبوتِ مصطفیٰؐ پر تعجب کیوں؟

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝

''کیا لوگوں کے لیے یہ بات تعجب خیز بن چکی ہے کہ ہم نے خود انھی میں سے ایک آدمی پر وحی بھیجی ہے کہ لوگوں کو خبردار کرے اور ایمان لانے والوں کو یہ خوش خبری سنا دے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچی عزت و سرفرازی ہے۔ کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلم کھلا جادوگر ہے''۔

کفارِ قریش کو اس بات پر تعجب ہوا کہ اللہ نے محمد مصطفیٰؐ کو رسالت و وحی کے لیے کیوں چن لیا ہے۔ کفار کے تعجب کی کچھ وجوہات تھیں:

۱- وہ یہ کہتے تھے: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ (ص: ۵) ''اس نے تو بہت سی

معبودوں کی جگہ صرف ایک ہی معبود قرار دیا ہے یقیناً یہ تو تعجب خیز بات ہے''۔ کفار مکہ کی جہالت کی انتہا یہ تھی کہ وہ خدائے واحد کے عقیدہ پر بھی تعجب کرتے تھے اسی لیے انھیں مزید تعجب اس وقت ہوا جب انھوں نے سنا کہ خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی ورسالت سے مخصوص کیا ہے۔

۲- وہ یہ کہتے تھے کہ اگر خدا کی وحی نازل ہونا ہی تھی اور قرآن نے دنیا میں اترنا ہی تھا تو آخر محمد مصطفیٰ پر ہی کیوں اترا: لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (الزخرف:۳۱) ''یہ قرآن مکہ یا طائف کے کسی مالدار شخص پر کیوں نہیں اُتارا گیا''۔

کفار مکہ کے تعجب کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ اس بات پر آمادہ ہی نہیں تھے کہ کوئی انسان رسول بن سکے اور انھوں نے کہا تھا: اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۹۴) ''کیا خدا نے بشر کو ہی رسول بنا کر بھیج دیا''۔

علاوہ ازیں وہ یہ کہتے تھے کہ اگر بالفرض ہم یہ مان بھی لیں کہ انسان بھی نبی بن سکتا ہے تو یہ کیسے مانیں کہ محمدؐ جیسا غریب ومفلس شخص بھی نبی بن سکتا ہے؟!!

اللہ تعالیٰ نے کفار کے تعجب کو لائقِ اعتنا قرار نہیں دیا' اسی لیے اللہ نے ان کا جواب دینا بھی پسند نہ کیا۔ (اضافۂ من المترجم)

اہلِ ایمان کے لیے سچّی عزت کی خوش خبری

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ......

''اور اہلِ ایمان کو بشارت دے دے کہ ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس سچّی عزت و سرفرازی ہے''۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: سچّی عزت سے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی ولایت مراد ہے۔ (مقصد یہ ہے کہ اللہ اہلِ ایمان کو ولایت امیرالمومنین کا عقیدہ عطا کرتا ہے۔)

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ کے کامل مصداق رسولؐ خدا ہیں۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ قَدَمَ صِدْقٍ سے رسولؐ خدا کی شفاعت مراد ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ

السلام سے بھی یہ قول منقول ہے۔

اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہلِ ایمان کو سب سے پہلے مبعوث فرمائے گا' اسی لیے معصومؑ نے فرمایا: نحن الاخرون السابقون یوم القیامة ''ہم اگرچہ آخری اُمت ہیں لیکن قیامت کے دن ہم ہی سب سے آگے ہوں گے''۔

زمین و آسمان چھ دنوں (اَدوار) میں پیدا ہوئے

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ......

''یقیناً تمھارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (اَدوار) میں پیدا کیا' پھر عرش سلطنت پر متمکن ہوکر امور کی تدبیر کر رہا ہے''۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینے بنائے اور تیس دن کے حساب سے سال کے دن تین سو ساٹھ بنتے ہیں' لیکن اللہ نے تین سو ساٹھ دنوں میں سے ارض و سما کی تخلیق کے چھ دن نفی کیے ہیں اسی لیے کچھ مہینے انتیس دن کے ہوتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا' پھر تدبیر امور کے لیے عرش پر متمکن ہوا۔

کتاب التوحید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ الرحمٰن علی العرش استویٰ کا مفہوم ''یہ ہے کہ اللہ ملک پر غالب ہوا''۔

کتاب التوحید میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''اللہ تدبیر امور کرتا ہے لیکن حرکت کے بغیر''۔

انس بن مالک راوی ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں جو اپنے لیے عبادت کا دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں' لیکن میں انھیں اس سے روک دیتا ہوں' تا کہ ان میں خود پسندی نہ پیدا ہو اور وہ خود پسندی

کی وجہ سے ہلاک نہ ہو جائیں۔

میرے کچھ مومن بندے ایسے بھی ہیں جن کا ایمان افلاس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر میں انھیں دولت مند بنا دوں تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ میرے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کا ایمان دولت و امارت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر میں انھیں غربت و افلاس میں مبتلا کر دوں تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ میرے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کا ایمان بیماری کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر میں انھیں تندرست کر دوں تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ میرے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کا ایمان صحت و تندرستی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر میں انھیں بیماری دے دوں تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ میں اپنے بندوں کے دلوں کو اچھی طرح سے جانتا ہوں اور اپنے علم کے مطابق ان کے امور کی تدبیر کرتا ہوں۔ میں ہی صاحب علم اور صاحب خبر ہوں۔

شمس وقمر کی تخلیق اور ان کے منازل

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ

"اسی نے ہی سورج کو روشنی اور چاند کو نور بنایا ہے اور چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں، تاکہ تم اس سے برسوں اور تاریخ کے حساب معلوم کر سکو"۔

اللہ تعالیٰ نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور کہا ہے۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ جس کی روشنی ذاتی ہو اسے "ضیاء" اور جس کی روشنی کسی اور کی مرہونِ منت ہو اسے "نور" کہتے ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ سورج کی روشنی ذاتی ہے اور چاند کی روشنی ذاتی نہیں ہے۔ وہ سورج کی روشنی منعکس کرتا ہے۔

شمس وقمر کے منازل کے متعلق مولانا فرمان علی مرحوم لکھتے ہیں: سبعہ سیارہ تو ظاہر ہے کہ شمس، قمر، زہرہ، مشتری، مریخ، زحل اور عطارد کا نام ہے اور ان میں ایک ایک آسمان میں ہے اور آسمانِ ہشتم کے فریزہ کے قاش کے سے بارہ ٹکڑوں کا نام بروج ہے۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت ان میں سے ہر ایک میں آفتاب ایک ماہ رہتا ہے جب کہ سورج عطارد میں دس دن، زہرہ میں پانچ دن، مریخ میں پینتالیس دن، مشتری میں ڈیڑھ برس، زحل میں دو برس اور چاند دو روز اور آٹھ گھنٹے رہتا ہے اور ہر مہینہ کے اخیر کی دو راتیں ۲۹، ۳۰ یا ۲۸، ۲۹ محاق کی ہیں۔ باقی اٹھائیس راتیں منازل کی ہیں، کیونکہ ہر مہینہ کی اٹھائیس منزلیں ہیں جو کہ یہ ہیں:

ثریا، بطین، ثریا، دیران، مقعہ، منعہ، ذراع، نثرہ، طوف، جبہہ، زہرہ، صرفہ، عوا، سماک، غفرہ، زبانا، کلیل، قلب، شوکہ، بلدہ، ذابح، سعد بلیع، سعد سعود، سعد الاخبیہ، فرع المقدم، فرع المؤخر اور بطن الحوت۔ چاند ہر منزل میں ایک روز رہتا ہے اور اٹھائیس روز میں سب منزلیں طے کرتا ہے اور آفتاب ایک سال میں۔ چونکہ اور سیاروں کی آمد و رفت سے عام لوگوں کے کاروبار میں چنداں سروکار نہیں ہے جب کہ آفتاب و ماہتاب کی گردش سے تمام مخلوقات کا تعلق ہے اسی لیے قرآن مجید میں ان دونوں کو ہی بیان کیا گیا ہے۔

روضہ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال سورج سے دی ہے اور ان کے وصی حضرت علی علیہ السلام کی مثال چاند سے دی ہے اور فرمایا ہے: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا ''اسی نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بنایا''۔ مقصد یہ ہے کہ سورج کی روشنی ذاتی ہے اور چاند سورج کا نور منعکس کرتا ہے۔ اسی طرح سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل ہوا ہے اور حضرت علی علیہ السلام نے ان کے سینہ سے سینہ ملا کر علم حاصل کیا ہے۔

کتاب التوحید میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے منقول ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک تھاما ہوا تھا اور آپؐ ایک قافلہ کے ساتھ چل رہے تھے۔ سورج ڈوبنے کو تھا۔ ہم غروبِ آفتاب کا منظر دیکھنے لگے یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! یہ کہاں غائب ہوتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ آسمان میں غروب کرتا ہے، پھر یہ ایک سے دوسرے آسمان کی طرف جاتا ہے یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک جاتا ہے وہاں جا کر سجدہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ اس پر موکل فرشتے بھی سجدہ کرتے ہیں۔ پھر سورج عرض کرتا ہے: خدایا! میرے لیے کیا حکم ہے اگر حکم ہو تو میں مغرب سے طلوع کروں اور اگر حکم ہو تو اپنے مشرق سے طلوع کروں؟ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یٰس: ۳۸) ''اور سورج اپنے مقررہ راستے پر چلتا رہتا ہے، یہ غالب اور دانا کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے''۔

اس کے بعد جبریل امینؑ اس کے دن کی لمبائی یا کمی کے مطابق نورِ عرش سے روشنی کی خلعت لے کر اسے پہناتا ہے اور وہ اس نورانی پوشاک کو یوں پہنتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص لباس پہنتا ہے۔ اس کے بعد سورج آسمانی فضا کا سفر کر کے اپنے مطلع سے طلوع کرتا ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گویا میں محسوس کر رہا ہوں کہ تین راتوں کی مقدار میں اسے ٹھہرا لیا گیا

ہے اور اسے نور کی خلعت نہیں پہنائی گئی اور اسے حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ سمت مغرب سے طلوع کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کے متعلق فرمایا ہے: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ (التکویر:۱-۲) ''جب سورج کی چادر کو لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے بکھر جائیں گے''۔

چاند کی بھی اسی طرح کی منزلیں ہیں وہ بھی ساتویں آسمان تک بلند ہوتا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔ پھر جبریل امینؑ نور کرسی کی ایک خلعت لا کر اسے پہناتا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا ''اسی نے ہی سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بنایا ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ (اور جو ہماری آیات سے غافل ہیں) کے ضمن میں مرقوم ہے کہ آیات سے امیر المومنین حضرت علی اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام مراد ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کا فرمان ہے: ما للّٰه اية اكبر منى ''وہ خدا کی کوئی آیت (نشانی) مجھ سے بڑی نہیں ہے''۔

مقصد یہ ہے کہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اللہ کی عظیم آیات ہیں، مگر آیات کو صرف ہادیانِ دین تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ (من المترجم عفی عنہ)

کتاب التوحید میں عبداللہ بن فضل ہاشمی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ (الکہف:۱۷) ''جسے خدا ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس پر خدا گمراہی کا حکم لگا دے تو تمہیں اس کے لیے کوئی سرپرست اور راہ دکھانے والا نہیں ملے گا'') کی آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ظالموں کو اپنے دارِ کرامت سے ہٹا دے گا اور اہلِ ایمان اور اہلِ عمل صالح کو جنت کی رہنمائی کرے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ (ابراہیم:۲۷) ''اور اللہ ظالموں کو گمراہ پاتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے''۔

اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ''بے شک وہ لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے ایمان کی بدولت ان کا پروردگار انھیں ہدایت دے گا۔ نعمت بھری جنتوں میں ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی''۔

اہلِ جنت کا پہلا کلمہ ''الحمدللہ'' ہوگا

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾

''وہاں ان کا قول یہ ہوگا کہ خدایا تو پاک ہے اور ان کا تحفہ سلام ہوگا اور ان کا آخری بیان یہ ہوگا کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں''۔

کتاب علل الشرائع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ جب کوئی شخص ''الحمدللہ'' کہتا ہے تو خدا اسے دنیا و آخرت کی نعمات عطا فرماتا ہے اور اس کے لیے دنیا و آخرت کی نعمات متصل ہوتی ہیں۔ جب اہلِ جنت' جنت میں داخل ہوں گے تو ان کی پہلی گفتگو ''الحمدللہ'' ہوگی۔ ان کی دنیاوی کلام ان سے منقطع ہو جائے گی' لیکن ''الحمدللہ'' کے الفاظ ان کے ساتھ رہیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾

تفسیر عیاشی میں زید شحام سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''تسبیح'' کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: وہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اہلِ جنت کا بیان ہے۔

روضہ کافی کی ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فضائل شیعہ کی ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس حدیث کے ضمن میں آپؑ نے شیعوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم وہ خوش نصیب ہو جنھیں خدا کی طرف سے سلام کا تحفہ دیا جائے گا۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ جنت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''جب مومن کو جنت میں کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو وہ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہے گا تو جنت کے خدام اس کی مطلوبہ شے فوراً اس کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اسے منہ سے اس چیز کا نام لینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوگی اور جب وہ طعام' شرابِ طہور اور حوروں سے جنسی لذت حاصل کر کے فارغ ہوں گے تو اس وقت وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہیں گے۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اہلِ ایمان کا ٹھکانا جنت ہے اور انھیں وہاں کے لیے سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کے بہترین قول کی تعلیم دی گئی ہے اور رب العالمین نے نعمات جنت کے شکریہ کے لیے انھیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے کلمہ کی تعلیم دی ہے۔

مصباح الشریعہ میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جنت کی سب سے لذیذ ترین اور پاکیزہ ترین چیز اللہ سے محبت رکھنا' اللہ کی وجہ سے محبت رکھنا اور اللہ کی حمد بجا لانا ہے۔ جب اہلِ جنت نعمات الٰہی کا مشاہدہ کریں گے تو ان کے دلوں میں خدا کی محبت موجزن ہوگی تو اس وقت وہ کہیں گے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب اہلِ جنت خدا کے بہتر ثواب کا شکر ادا کریں گے تو وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہیں گے اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر خصوصی احسان کرتے ہوئے مجھے سورہ فاتحہ سے سرفراز فرمایا اور اس میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے کلمات شامل فرمائے۔

خدا دکھ کے لمحات میں یاد آتا ہے

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

''اگر اللہ لوگوں کی برائی کے لیے اتنی جلدی کرتا جتنا کہ وہ بھلائی کی جلدی چاہتے ہیں تو ان کی مہلتِ عمل کبھی کی ختم ہوگئی ہوتی۔ جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے ان کو ہم ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتے ہیں' تاکہ وہ یوں ہی بھٹکتے پھریں۔ انسان پر جب کوئی سخت لمحہ آتا ہے تو وہ لیٹے' کھڑے' بیٹھے ہم کو صدائیں دیتا ہے' مگر جب ہم اس کی مصیبت ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا چل نکلتا ہے گویا اس نے کبھی اپنے بُرے وقت میں ہم کو پکارا ہی نہیں تھا۔ اس طرح سے حد سے گزرنے والوں کے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیئے گئے ہیں''۔

انسانی فطرت ہے جب وہ بیمار ہو اور اُٹھ بیٹھ نہ سکتا ہو تو وہ لیٹ کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا ہے اور جو بیمار بیٹھ سکتا ہو اور کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو وہ بیٹھ کر خدا سے دعائیں مانگتا ہے اور جو مریض کھڑا ہونے کے قابل ہو وہ کھڑے ہو کر خدا سے دعائیں مانگتا ہے۔

کفار کا طرفہ مطالبہ

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَاۤ اَوْ

بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

''اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی اُمید نہیں رکھتے' کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں تبدیلی کرو۔ آپ کہہ دیں کہ مجھے اپنی طرف سے اس میں تبدیلی لانے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تو صرف اس امر کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے روزِ عظیم کے عذاب کا خوف ہے۔ آپ کہہ دیں کہ اگر خدا کی مشیت یہی ہوتی تو میں تمھارے سامنے قرآن کی تلاوت نہ کرتا اور اللہ تمھیں اس کی خبر تک نہ دیتا۔ آخر میں اس سے پہلے بھی تمھارے درمیان ایک مدت تک رہ چکا ہوں تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ جو قرآن آپ پیش کر رہے ہیں اسے آپؐ نے یہود و نصاریٰ کی زبانی حاصل کیا ہے' لہٰذا آپؐ اس کی بجائے کوئی اور قرآن پیش کریں یا اس میں تبدیلی لائیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا کہ مجھے اس میں تبدیلی اور ترمیم کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تو تم تک صرف وہی پیغام پہنچاتا ہوں جو مجھ پر نازل کیا جاتا ہے۔ اگر میں نے پیغامِ خدا پہنچانے میں کوئی کمی بیشی کی تو مجھے روزِ آخرت کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

ویسے بھی میں چالیس سال تک تمھارے درمیان پہلے بھی تو رہ چکا ہوں۔ اس دوران میں نے تمھارے سامنے کوئی وحی نہیں پہنچائی۔ میری پوری زندگی میری صداقت کا منہ بولتا پیغام ہے۔ میرا بچپن تمھارے اندر بسر ہوا۔ میرا لڑکپن تمھارے سامنے گزرا۔ میری جوانی تمھارے سامنے ہے۔ کیا تم نے میرے بچپن میں کبھی کوئی غلطی دیکھی؟ کیا میرے لڑکپن میں تم نے کبھی کوئی جہالت آمیز حرکت دیکھی؟ اور کیا کبھی میری جوانی دیوانی بنی؟ اگر آج تک ایسا نہیں ہوا تو مان لو کہ اب میں جو قرآن پیش کر رہا ہوں یہ میری تخلیق نہیں ہے' بلکہ رب العالمین کا پیغام ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کفارِ مکہ کے مطالبہ جیسا ایک مطالبہ فضائلِ علیؑ کے منکرین نے بھی کیا تھا انھوں نے بھی آنحضرتؐ سے کہا تھا کہ آپ علیؑ کے فضائل میں کچھ کمی کریں۔ مگر آنحضرتؐ نے ایسا کرنے سے

انکار کر دیا تھا۔

اصول کافی میں بھی اسی مفہوم کی ایک روایت مرقوم ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵﴾ کہتے رہے، یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا۔ فتح مکہ کے بعد آپؐ نے یہ کلمات نہیں کہے تھے۔

بت پرستوں کی خودساختہ منطق

وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہُمۡ وَلَا یَنۡفَعُہُمۡ وَیَقُوۡلُوۡنَ ہٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ قُلۡ اَتُنَبِّـُٔوۡنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعۡلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۸﴾

"یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی پوجا کر رہے ہیں، جو نہ تو انھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی فائدہ دے سکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (بت) اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دینا چاہتے ہو جسے وہ نہ تو آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ وہ ہر نقص سے پاک و پاکیزہ ہے اور وہ اس شرک سے کہیں بلند و بالا ہے جو وہ کر رہے ہیں"۔

تفسیر علی بن ابراہم میں مرقوم ہے کہ قریش یہ کہتے تھے کہ اللہ کی شان بلند و بالا ہے۔ اس تک ہماری رسائی نہیں ہے۔ ہم ان بتوں کو اپنے لیے خدا کے ہاں ذریعہ تقرب سمجھ کر پوجتے ہیں۔ یہ خدا کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے کیسے سفارشی ڈھونڈ لیے ہیں خدا تو انھیں پہچانتا تک نہیں ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آئیں۔ چنانچہ آپؑ نے حکم خداوندی پر عمل کیا تھا اور آپؑ نے اپنے اور اپنی اولاد کے متعلق خدا سے یہ دعا مانگی تھی: واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام (خدایا! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا)۔

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی یہ دعا قبول فرمائی اور اولادِ اسماعیلؑ میں سے کوئی بھی بت پرست نہیں تھا، جب کہ عرب کے دوسرے قبائل بت پرست تھے۔ اولادِ اسماعیل کے افراد بتوں کو خدا ماننے کے بجائے خدا کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والے

...نتے تھے۔ اگرچہ اس عقیدہ کی وجہ سے وہ کافر ضرور ہو گئے تھے، لیکن وہ صنم پرست ہرگز نہیں تھے۔

رحمت کا منتظر رہنا چاہیے

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝

"تم انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں"۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں محمد بن فضل سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ کشائش کب ہوگی؟

آپؑ نے فرمایا: کیا کشائش کا انتظار کشائش کا ایک حصہ نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ (تم انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: صبر اور کشائش کا انتظار بہترین چیز ہے۔ کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا: وارتقبوا انی معکم رقیب (تم انتظار کرو میں تمھارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ (تم انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں) لہٰذا تمھیں صبر سے کام لینا چاہیے۔ ہمیشہ مایوسی کے وقت ہی کشائش اُترتی ہے (کیونکہ شب سیاہ کا خاتمہ ہمیشہ سفید صبح پر ہوا کرتا ہے) تم سے پہلے والے لوگ تم سے بڑے صابر تھے۔

ڈوبنے سے بچنے کی عزیمت

الکافی میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اگر تمھیں کبھی دریائی سمندر درپیش ہو اور دریا یا سمندر میں طغیانی آ جائے تو دائیں جانب سہارا لے کر یہ عزیمت پڑھو۔ خدا نے چاہا تو غرق ہونے سے محفوظ رہو گے: بِسْمِ اللّٰهِ اسْكُنْ بِسَكِيْنَةِ اللّٰهِ وَقِرَّ بِوَقَارِ اللّٰهِ وَاهْدَأْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

سرکشی ہمیشہ سرکش کو ہی نقصان پہنچاتی ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

"اے انسانو! تمھاری یہ سرکشی و بغاوت خود تمھارے ہی خلاف پڑ رہی ہے"۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: تین چیزیں اپنے ہی کرنے والے کو نقصان پہنچاتی ہیں: ۱- عہد توڑنا ۲- سرکشی اور بغاوت اختیار کرنا ۳- کسی کے خلاف چالبازی کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ' (اے انسانو! تمھاری یہ بغاوت خود تمھارے ہی خلاف پڑ رہی ہے)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب طلحہ و زبیر نے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی بیعت شکنی کی اور ام المومنین کو ساتھ لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپؑ نے اپنے شیعوں کو ایک عمومی خط تحریر کیا جس میں آپؑ نے لکھا: طلحہ و زبیر کی اس سے بڑی غلطی اور کیا ہوسکتی ہے کہ انھوں نے اپنی بیویوں کو تو گھر کی چار دیواری میں رکھا' لیکن رسولؐ خدا کی زوجہ کو میدان میں لے آئے' ان لوگوں نے خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ سخت ناانصافی کی ہے۔ ان دونوں نے بیک وقت بغاوت' چالبازی اور بیعت شکنی کا ارتکاب کیا ہے جب کہ اللہ کو مذکورہ تینوں عمل ناپسند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ' (لوگو! تمھاری یہ بغاوت خود تمھارے ہی خلاف ہے)

بیعت شکنی کی مذمت کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا: يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ......(الفتح: ۱۰) ''جو کوئی بیعت شکنی کرے گا تو وہ اپنا نقصان کرے گا''۔ چالبازی اور مکر کی مذمت کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے: وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر: ۴۳) ''بُری چالیں اپنے چلنے والوں کو ہی لے ڈوبتی ہیں''۔

ان دونوں نے میرے خلاف بغاوت کی ہے اور میری بیعت شکنی کی ہے اور میرے لیے چالبازیاں کی ہیں۔

دنیاوی زندگی کی مثال

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

''دنیاوی زندگی کی مثال اس بارش کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا' پھر اس سے مل کر زمین سے وہ نباتات برآمد ہوئیں' جن کو انسان اور جانور کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے

سبزہ زار سے اپنے آپ کو آراستہ کیا اور مالک یہ سمجھنے لگے کہ وہ اس زمین پر پوری قدرت رکھتے ہیں تو اچانک رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آ گیا اور ہم نے اسے بالکل کٹا ہوا کھیت بنا دیا۔ گویا کل تک اس میں کچھ تھا ہی نہیں اور صاحبانِ فکر کے لیے ہم اپنی نشانیوں کو اس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں''۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے درج بالا آیت پڑھ کر فرمایا: لوگو! خدا نے تمھیں اس دنیا سے زہد اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، تم بھی اس سے زہد اختیار کرو اور اپنے آپ کو صاحبانِ فکر میں سے بناؤ۔

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: لوگو! پوری کوشش کر کے دنیا کے اس چھوٹے دن سے آخرت کے طویل دن کے لیے زادِ راہ تلاش کرو۔ دنیا عمل کا گھر ہے اور آخرت قرار اور جزا کا دن ہے۔ لہٰذا دنیا میں اپنا دامن سمیٹ کر رہو، وہ شخص دھوکے میں مبتلا ہے جو دنیا پر فریفتہ ہو جائے اور یاد رکھو جب بھی دنیا طلب افراد یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی مراد کو پہنچنے کو ہی ہیں تو یہ دنیا ان کے لیے ہرے بھرے کھیت کی طرح سے تباہ و ویران ہو جاتی ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں فضیل سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں آپؑ پر قربان جاؤں ہم نے سنا ہے کہ آلِ جعفر کے مقدر میں ایک پرچم ہے (یعنی وہ ایک مرتبہ حکومت پر فائز ہوں گے) اور آلِ عباس کے مقدر میں دو پرچم ہیں (یعنی وہ دو مرتبہ اقتدار حاصل کریں گے) کیا آپؑ کے علم میں بھی اس طرح کی کوئی بات ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: آلِ جعفر کی قسمت میں اقتدار اور حکومت نام کی کوئی چیز نہیں ہے البتہ آلِ عباس کی قسمت میں حکومت و سلطنت ہے جس میں وہ دُور کے افراد کو قریب کریں گے اور قریبیوں کو دُور کریں گے۔ ان کی حکومت بہت سخت ہوگی جس میں آسانی و نرمی نہیں ہوگی اور جب وہ خدا کی پکڑ اور اس کے عذاب سے بے خوف ہو جائیں گے تو پھر ایک چیخ سی بلند ہوگی، جو ان کی جمعیت کو پراگندہ کر دے گی اور ان کا اقتدار ان سے چھین لیا جائے گا اور وہ قرآن کی آیت حَتّٰىٓ اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ ...... کا عملی نمونہ بن جائیں گے۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ علی بن ابراہیم بن مہزیار کو امام زمانہؑ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: ابن مہزیار! تو نے عراق میں اپنے بھائیوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ ابن مہزیار نے کہا: وہ سخت تنگی میں ہیں اور وہ بنی عباس کی تلواروں کی ہر وقت زد پر رہتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا انھیں غارت کرے وہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ لوگ (بنی عباس) اپنے گھروں میں مارے جا چکے ہیں اور شب و روز ان پر اللہ کا عذاب اتر چکا ہے۔

ابن مہزیار نے عرض کیا: مولاؑ! یہ واقعات کب ظہور پذیر ہوں گے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب دین سے عاری اقوام کے ذریعہ سے تمھیں کعبہ سے روک دیا جائے گا جب کہ ان اقوام سے خدا اور اس کا رسول بیزار ہوں گے۔ آسمان پر سرخی نمودار ہوگی۔ اس میں تیسرا حصّہ سونے کے سے ستون دکھائی دیں گے جن سے نور ٹپک رہا ہوگا اور ''شروسی'' آرمینیہ و آذربائی جان سے خروج کریں گے جو کہ طالقان کے سلسلۂ کوہ کے قریب جبلِ اسود پر قبضہ کرنے کے خواہش مند ہوں گے جو کہ جبلِ احمر کے قریب ہے۔ ان کے اور ''مروزی'' کے درمیان بڑی سخت کش مکش ہوگی جس میں بچے جوان اور جوان بوڑھے ہو جائیں گے۔ ان دونوں قوتوں کے درمیان بڑی خونریزی ہوگی۔ اس وقت تم مقام ''زوراء'' پر اس کے خروج کی امید رکھو۔ وہ وہاں زیادہ عرصہ قیام نہیں کرے گا وہ وہاں سے ''ماہان'' (بقول علامہ مجلسیؒ اس سے دینور و نہاوند کا علاقہ مراد ہے) آئے گا۔ پھر وہاں سے عراقی شہر ''واسط'' میں آئے گا وہاں وہ ایک سال یا اس سے کچھ عرصہ کم قیام کرے گا۔ پھر وہ وہاں سے کوفہ جائے گا۔ وہاں نجف و حیرہ کے درمیان ایسا شدید واقعہ پیش آئے گا جس سے عقلیں دنگ رہ جائیں گی۔ اس وقت دو گروہ ہلاک ہوں گے باقی ظالموں کی کھیتی کو خدا کاٹ ڈالے گا۔ پھر آپؑ نے آیت کا یہ حصّہ تلاوت فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - اتاھا امرنا لیلا او نھارا فجعلناھا حصیدا کان لم تغن بالامس (رات یا دن کے وقت اس پر ہمارا امر پہنچ گیا، ہم نے اسے بالکل کٹا ہوا کھیت بنا دیا گویا کل تک اس میں کچھ تھا ہی نہیں)

ابن مہزیار نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! ''امر'' سے کیا مراد ہے؟ آپؑ نے فرمایا: ہم اللہ کا امر اور اس کا لشکر ہیں۔ ابن مہزیار نے کہا: کیا وقت پہنچ گیا؟ آپؑ نے فرمایا: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (قمر: ۱) ''قیامت قریب آ گئی اور چاند شگافتہ ہو گیا ہے''۔

خدا ''دارالسلام'' کی دعوت دیتا ہے

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

''اور اللہ سلامتی کے گھر کی دعوت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے''۔

کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''سلام'' اللہ کا نام ہے اور ''گھر'' سے مراد اس کی جنت ہے، جو اس نے اپنے اولیاء کے لیے بنائی ہے اور اس نے لوگوں کو اس جنت کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا ہے: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ''اللہ دار السلام کی طرف دعوت دیتا ہے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے کہ ''سلام'' اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

الکافی کی ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے اپنی ذات کی طرف انسانوں کو دعوت دی ہے اور انھیں اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف بلایا ہے اور اس نے اپنے نفس سے ابتداء کی ہے اور فرمایا: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۵ ''اللہ سلامتی کے گھر کی دعوت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے''۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَھُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۶ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُھُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُھُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷ وَيَوْمَ نَحْشُرُھُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَھُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُھُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲۸ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝۲۹ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ

وَرُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۳۰
قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ
وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ
الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ ۝۳۱ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا
الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۳۲ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى
الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ
يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳۴ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ
قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ
اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ قف كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵
وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ
يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۷ اَمْ

يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ
اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا
لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ
يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ
بِالْمُفْسِدِينَ ۝ وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ
أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ
مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا
يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ
وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ
النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوا
إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ
كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ
عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ۝ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ

بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا
مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ
سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا
اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ
اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ
تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ
وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي
الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا
النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ

فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۱ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۶۳ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۶۴

”جن لوگوں نے بھلائی کی روش اپنائی ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید اضافہ بھی ہے ان کے چہروں پر سیاہی اور ذلت طاری نہ ہوگی۔ وہی جنت میں جانے والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور وہ لوگ جنھوں نے برائیاں کی ہیں وہ اپنی برائیوں کی مقدار میں ہی بدلہ پائیں گے اور ان پر ذلت طاری ہوگی۔ انھیں اللہ سے کوئی بچانے والا موجود نہ

ہوگا۔ ان کے چہروں پر رات کے سیاہ پردوں جیسی سیاہی چھائی ہوگی۔ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جس دن ہم ان سب کو محشور کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تم بھی اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ اور تمھارے شریک بھی ٹھہر جائیں ہم ان کے درمیان سے پردہ ہٹا دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔

ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ ہم تو تمھاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ اس وقت ہر شخص اپنے کیے کا ذائقہ چکھ سکے گا۔ سب کو ان کے حقیقی پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا اور سارے جھوٹ جنھیں وہ گھڑا کرتے تھے گم ہوجائیں گے۔

ان سے پوچھو تمھیں آسمان و زمین سے رزق کون فراہم کرتا ہے؟ اور سماعت و بصارت کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں اور بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کو کون نکالتا ہے؟ اور اس نظمِ جہان کی تدبیر کون کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ! پس آپ کہہ دیجیے پھر تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ وہ اللہ تمھارا حقیقی رب ہے اور حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟ آخر تم کدھر پھرائے جارہے ہو؟

اس طرح سے فسق اختیار کرنے والوں پر تمھارے رب کی بات صادق آگئی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ کہیں کہ کیا تمھارے شرکاء میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خلقت کی ابتدا کرے اور پھر دوبارہ اسے پلٹا سکے؟ کہیں کہ وہ صرف اللہ ہے جو تخلیق کی ابتدا بھی کرتا ہے اور وہی انھیں پلٹاتا بھی ہے۔ آخر تم کس اُلٹی راہ پر چلائے جارہے ہو؟

آپ کہیں کیا تمھارے شرکاء میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی ہدایت کرسکے؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ ہی حق کی ہدایت کرتا ہے۔ پھر بھلا بتاؤ کہ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ

اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود راہ نہیں پاتا اِلا یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے؟ آخر تمھیں کیا ہوگیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟

ان کی اکثریت محض گمان کی پیروی کر رہی ہے جب کہ گمان حق کے بارے میں کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ قرآن ایسی چیز نہیں ہے جسے اللہ کی وحی و تعلیم کے بغیر تصنیف کرلیا جائے بلکہ اپنی ماسبق کتابوں کی تصدیق اور تفصیل ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود ہی تصنیف کرلیا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ اگر تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت اپنی طرف سے تصنیف کر لاؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لو۔ دراصل ان لوگوں نے اس چیز کی تکذیب کی ہے جس کا انھیں مکمل علم نہیں ہے اور اس کا مال ابھی تک ان کے سامنے نہیں آیا۔ اسی طرح ان کے پہلے والوں نے بھی تکذیب کی تھی۔ اب دیکھو ظلم کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔ ان میں سے کچھ ایمان لائیں گے اور کچھ ایمان نہیں لائیں گے اور آپ کا پروردگار فساد برپا کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیں کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل ہے تم میرے عمل سے بَری اور میں تمھارے عمل سے بیزار ہوں۔

اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو بظاہر کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے جب کہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں؟ ان میں سے بعض وہ ہیں جو تجھے دیکھتے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو بھی ہدایت دے سکتے ہیں چاہے وہ کچھ نہ دیکھ پاتے ہوں۔

یقیناً اللہ انسانوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود ہی اپنے اُوپر ظلم کرتے ہیں اور جس دن خدا ان سب کو محشور کرے گا تو انھیں یوں محسوس ہوگا کہ وہ دنیا میں محض گھڑی بھر جان پہچان

کے لیے ٹھہرے تھے۔ وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت یافتہ نہ تھے۔

جن بُرے نتائج سے ہم انھیں ڈرا رہے ہیں ان کا کچھ حصہ ہم تیرے جیتے جی دکھا دیں یا تجھے اس سے پہلے ہی اُٹھا لیں، انھیں ہر قیمت پر ہماری طرف ہی آنا ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔ اور ہر اُمت کے لیے ایک رسول ہے جب کسی اُمت کے پاس اس کا رسول آجاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ چکا دیا جاتا ہے اور ان سے کوئی ناانصافی نہیں کی جاتی۔

اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ بتاؤ کہ یہ وعدہ (عذاب) کب پورا ہوگا؟ آپ کہہ دیں کہ میں اپنے لیے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں جب تک خدا نہ چاہے ہر قوم کے لیے ایک مدت معین ہے جس سے ایک گھڑی نہ تاخیر ہوسکتی ہے اور نہ تقدیم۔ آپ کہیں بھلا سوچو تو سہی اگر تم اس کا عذاب رات کے وقت یا دن میں آجائے تو تم کیا کرو گے۔ آخر ان مجرمین کو کس بات کی جلدی ہے۔ تو کیا تم عذاب نازل ہونے کے بعد ایمان لاؤ گے؟ اب بچنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم خود ہی اس کے جلدی آنے کا تقاضا کر رہے تھے۔

پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ تمھیں تمھارے اعمال کی پاداش کے بغیر تمھیں اور کیا بدلہ دیا جاسکتا ہے؟ وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا واقعی وہ حق ہے؟ آپ کہہ دیں کہ جی ہاں مجھے میرے رب کی قسم! یہ بالکل حق ہے تم اسے ظہور پذیر ہونے سے عاجز نہیں کر سکتے۔

اگر ہر ظلم کرنے والے کے پاس روئے زمین کی دولت بھی ہو تو وہ اس عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ میں دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو دل میں ندامت محسوس کریں گے۔ مگر ان کے درمیان انصاف کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اور

ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

آگاہ ہو جاؤ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے۔ آگاہ رہو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر اکثر لوگوں کو علم نہیں ہے۔ اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کو شفا دینے والی چیز آ چکی ہے جو اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ آپ کہہ دیں کہ انھیں خدا کا فضل و رحمت (یعنی قرآن) پا کر خوشیاں منانی چاہئیں۔ یہ ان کی اس دولت سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں۔ آپ کہیں کہ تم لوگوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ جو رزق اللہ نے تمھارے لیے اتارا ہے اس میں تم نے خود ہی کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھہرا لیا۔ ان سے پوچھو کہ کیا اللہ نے تمھیں اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر افترا کر رہے ہو؟

اور جو لوگ خدا پر افترا پردازی کر رہے ہیں ان کا کیا گمان ہے کہ قیامت کے دن ان سے کیا سلوک کیا جائے گا۔ اللہ تو لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت شکر کرنے والی نہیں ہے۔

اے نبیؐ! تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن میں سے جو کچھ بھی سناتے ہو اور اے لوگو! تم جو کچھ بھی کرتے ہو ان سب کے دوران ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں۔ جب بھی تم کوئی عمل کرتے ہو اور تمھارے پروردگار سے زمین و آسمان کا کوئی ذرہ مخفی نہیں ہے اور ذرہ سے کوئی چیز چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں ہے۔

آگاہ ہو جاؤ کہ اولیائے خدا پر نہ تو خوف طاری ہوتا ہے اور نہ ہی محزون و رنجیدہ ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور خدا سے ڈرتے رہے۔ ان کے لیے زندگانی دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر بشارت اور خوش خبری ہے اور کلمات خدا میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی اور یہی درحقیقت عظیم کامیابی ہے"۔

نیک لوگوں کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی ہے

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝

''جن لوگوں نے بھلائی کی روش اپنائی ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید اضافہ بھی ہے اور ان کے چہروں پر سیاہی اور ذلت طاری نہ ہوگی وہی جنت میں جانے والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اس آیت کے ضمن میں مرقوم ہے کہ بھلائی کرنے والوں کو خدا بھلائی عطا کرے گا اور انھیں مزید اضافہ بھی عطا کرے گا۔ مزید اضافہ سے مراد رحمت پروردگار کی طرف نظر کرنا ہے۔

ابوالجارود نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا کہ آپؑ نے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ کے متعلق فرمایا کہ ''حسنٰی'' سے جنت اور ''زیادۃ'' سے دنیا مراد ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ نے انھیں دنیا میں جو نعمات دی ہوں گی آخرت میں ان کے متعلق کوئی باز پرس نہیں کرے گا اور ان کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی جمع کردے گا۔

شیخ الطائفہ نے امالی میں لکھا کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنی ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرمایا: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ میں ''حسنٰی'' سے جنت اور ''زیادۃ'' سے دنیا مراد ہے۔

مجمع البیان میں اس آیت کے متعلق بہت سے اقوال مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ ''زیادۃ'' سے جنت کا وہ بالا خانہ مراد ہے جو ایک ہی موتی سے بنایا گیا ہوگا اور اس کے چار دروازے ہوں گے۔ یہ مفہوم حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے۔

اصول کافی میں ابان بن میمون القداح سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: پڑھو۔ میں نے عرض کیا: مولاؑ! کیا پڑھوں؟ آپؑ نے فرمایا: قرآن حکیم کا دسواں سورہ پڑھو۔ چنانچہ میں نے سورہ یونس کی تلاوت شروع کی اور جب میں پڑھتے پڑھتے اس مقام پر پہنچا: وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ (ان کے چہروں پر سیاہی اور ذلت طاری نہ ہوگی) تو آپؑ نے فرمایا: بس اسی مقام پر رک جاؤ۔ پھر فرمایا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے تعجب ہے کہ قرآن پڑھنے کے باوجود مجھ پر مکمل ضعیفی طاری کیوں نہ ہوئی؟

خوفِ خدا میں رونے کا اجر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: دنیا کی ہر چیز کی ماپ تول ہے، لیکن آنسوؤں کی کوئی ماپ تول نہیں ہے۔ خوفِ خدا سے نکلنے والا ایک آنسو آگ کے کئی سمندروں کو بجھا دیتا ہے اور جس آنکھ میں آنسو آجائیں تو اس پر سیاہی اور ذلت طاری نہ ہوگی۔ جب کسی آنکھ سے آنسو ٹپکتا ہے تو اللہ اسے دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔ اگر پوری اُمت میں ایک شخص بھی خوفِ خدا سے رو پڑے تو اللہ پوری اُمت پر رحم فرما دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس آنکھ سے آنسو گر کر چہرے پر آجائیں تو وہ چہرہ ذلت و سیاہی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس آنکھ سے آنسو بہیں تو اللہ اس جسم کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔ خوفِ خدا میں جس آنکھ سے آنسو بہیں تو اس چہرے پر سیاہی اور ذلت طاری نہ ہوگی۔

تفسیر عیاشی میں بھی یہ حدیث انھی الفاظ سے منقول ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ کی آیت مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ ''قتر'' سے بھوک اور فقر اور ذلت سے خوف مراد ہے۔

سیاہ چہروں والے

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

''وہ لوگ جنھوں نے برائیاں کی ہیں وہ اپنی برائیوں کی مقدار میں ہی بدلہ پائیں گے اور ان پر ذلت طاری ہوگی اور انھیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ان کے چہروں پر رات کے سیاہ پردوں جیسی سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدعات وشہوات کا حال بیان کیا ہے۔ قیامت کے دن خدا ان کے چہروں کو سیاہ کردے گا اور انھیں ذلت و رسوائی کا

لباس پہنائے گا۔

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جس طرح سے سیاہ راتوں میں دُور سے مکان سیاہ دکھائی دیتا ہے اسی طرح سے اہلِ بدعات وشہوات کے چہرے بھی آخرت میں سیاہ ہوں گے اور ان کی روسیاہی میں روز بروز اضافہ ہوگا۔

قابلِ اتباع کون ہے؟

اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝

"بتاؤ کیا وہ جو حق کی رہنمائی کرے وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود راہ نہیں پاتا' الا یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے؟ آخر تمھیں کیا ہوگیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟"

اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام صاحبانِ عقل سے ایک سوال کیا ہے اور پوچھا ہے کہ فیصلہ کر کے بتاؤ کہ ان دو میں سے پیروی کے لائق کون ہے۔ ایک وہ ہے جو حق کی رہنمائی کرتا ہے اور دوسرا وہ ہے جسے خود ہی راہِ حق معلوم نہیں ہے۔

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام نے اس آیت مجیدہ سے اپنی امامت کا اثبات کیا ہے جیسا کہ حسبِ ذیل روایات میں منقول ہے۔ (من المترجم عفی عنہ)

سید ابن طاؤس رحمہ اللہ کتاب "کشف المحجہ" میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: لوگو! جب میں تم سے کچھ کہوں تو میری بات کو سنو' خدا تمھیں ہدایت دے گا اور جب میں تمھیں کوئی حکم دوں تو تم میری اطاعت کرو' گمراہی سے محفوظ رہو گے۔ اور اگر تم نے میری نافرمانی کی تو گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ "کیا وہ جو حق کی رہنمائی کرے وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود راہ نہیں پاتا بجز اس کے کہ اس کی رہنمائی کی جائے۔ آخر تمھیں کیا ہوگیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟"

عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے وصفِ امام کے متعلق ایک طویل حدیث منقول ہے اس حدیث میں یہ کلمات بھی ہیں:

اللہ تعالیٰ انبیاء اور ائمہ کو خصوصی توفیق سے نوازتا ہے اور انھیں اپنے پوشیدہ علم و حکمت سے وہ کچھ عطا کرتا ہے جو دوسروں کو عطا نہیں کرتا۔ اسی لیے وہ اپنے زمانہ کے تمام افراد سے زیادہ عالم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۚ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ۝

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: محمدؐ و آلِ محمدؐ حق کی ہدایت کرنے والے ہیں جب کہ ہمارے مخالفین وہ ہیں جنھیں راہِ حق کا علم ہی نہیں ہے، جب تک ان کی رہنمائی نہ کی جائے۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے ایک تاریخی فیصلہ کیا۔ اس جیسا فیصلہ آپؑ سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ جب رسول اکرمؐ کی وفات ہوئی اور حضرت ابوبکر خلیفہ بنے۔ ایک دن ان کے پاس ایک شخص آیا جو شراب میں دُھت تھا۔ حضرت ابوبکر نے اس سے کہا: کیا تو نے شراب پی رکھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ حضرت ابوبکر نے کہا: شراب نوشی حرام ہے آخر تو نے شراب کیوں پی؟ اس نے کہا: جہاں میں رہتا ہوں وہاں کے لوگ شراب پیتے ہیں اور میں نے بھی چند روز قبل اسلام قبول کیا ہے۔ مجھے آج تک کسی نے یہ نہیں بتایا کہ اسلام میں شراب حرام ہے۔

حضرت ابوبکر نے جب اس کا یہ جواب سنا تو انھوں نے حضرت عمر سے کہا کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہونا چاہیے؟

حضرت عمر نے کہا: مسئلہ واقعی مشکل ہے اس کا جواب ہمیں علیؑ ہی دے سکیں گے۔ آپ انھیں یہاں بلائیں۔ حضرت علی علیہ السلام کو بلایا گیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا۔ آپؑ نے فرمایا: ایک شخص کو اس کے ساتھ بھیجو اور مہاجرین و انصار کی محافل میں لے جاؤ اور ان سے پوچھو کیا کسی نے اس کے سامنے شراب کی حرمت کی آیت پڑھی ہے؟ اگر کسی نے اس کے سامنے آیت پڑھی ہو تو وہ گواہی دے۔

اس شخص کو مہاجرین و انصار کی محافل میں بھیجا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا کسی نے اس کے سامنے حرمتِ شراب کی آیت پڑھی ہے؟ کسی بھی صحابی نے حرمتِ شراب کی آیت اس کے سامنے پڑھنے کی گواہی نہ دی۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اسے جانے دو۔ چنانچہ اس شخص کو چھوڑ دیا گیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ! آپؑ نے تو آج ان کی خوب رہنمائی کی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: میں انھیں اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰى ...... کی آیت مجیدہ کی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اَفَمَنۡ یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الۡحَقِّ اَحَقُّ اَنۡ یُّتَّبَعَ کے مصداق کامل حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

ہر واقعہ کا ایک وقت مقرر ہے

بَلۡ کَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ یُحِیۡطُوۡا بِعِلۡمِهٖ وَلَمَّا یَاۡتِهِمۡ تَاۡوِیۡلُهٗ

"ان لوگوں نے اس چیز کی تکذیب کی ہے جس کا انھیں مکمل علم نہیں ہے اور اس کا مآل ابھی تک ان کے سامنے نہیں آیا"۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مستقبل میں پیش آنے والے عظیم واقعات کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا: ابھی ان کے ظہور پذیر ہونے کا وقت نہیں آیا اور وہ واقعات وَلَمَّا یَاۡتِهِمۡ تَاۡوِیۡلُهٗ کے ضمن میں شامل ہیں۔

حمران کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے رجعت جیسے عظیم امور کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: ابھی اس کے ظہور کا وقت نہیں آیا اور یہ امور وَلَمَّا یَاۡتِهِمۡ تَاۡوِیۡلُهٗ کے ضمن میں شامل ہیں۔

اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دو خصوصی احکام دیئے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ جب تک انھیں کسی بات کا علم نہ ہو اس وقت تک اس کے متعلق کچھ نہ کہیں جیسا کہ فرمان قدرت ہے: اَلَمۡ یُؤۡخَذۡ عَلَیۡهِمۡ مِّیۡثَاقُ الۡکِتٰبِ اَنۡ لَّا یَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ (الاعراف: ۱۶۹) "کیا ان سے کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا کہ خدا کے متعلق حق کے علاوہ اور کوئی بات نہ کریں گے"۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ علم کے بغیر کسی بات کو رد نہ کریں جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: بَلۡ کَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ یُحِیۡطُوۡا بِعِلۡمِهٖ وَلَمَّا یَاۡتِهِمۡ تَاۡوِیۡلُهٗ "ان لوگوں نے اس چیز کی تکذیب کی ہے جس کا انھیں مکمل علم نہیں ہے اور اس کا مآل ابھی تک ان کے سامنے نہیں آیا"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دشمن وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّا یُؤۡمِنُ بِهٖ (ان میں وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے) کے مصداق ہیں۔ وَرَبُّکَ اَعۡلَمُ بِالۡمُفۡسِدِیۡنَ اور تیرا رب مفسدین کو اچھی طرح سے جانتا ہے۔ "فساد" سے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی مراد ہے۔

رسولؑ کی آمد سے خدائی فیصلہ ہو جاتا ہے

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمْ قُضِىَ بَيْنَهُم بِٱلْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

''اور ہر اُمت کے لیے ایک رسول ہے جب کسی اُمت کے پاس اس کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ چکا دیا جاتا ہے اور ان سے کوئی ناانصافی نہیں کی جاتی''۔

یہ آیت مجیدہ اس امر کی دلیل ہے کہ تمام سابقہ اقوام وملل میں رسولؑ آئے تھے۔ اللہ نے کسی قوم کو یوں ہی رائیگاں نہیں چھوڑا جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝ (فاطر: ۲۴) ''کوئی قریہ ایسا نہیں ہے جہاں نذیر نہ آیا ہو''۔

البتہ رسول کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس قوم کے ساتھ ہر وقت موجود بھی ہو جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں۔ پھر بھی آپؐ ہمارے لیے خدا کے رسول ہیں' اگرچہ آپؐ کی دنیا سے رحلت ہو چکی ہے مگر آپؐ کی رسالت باقی ہے۔ اسی لیے زمانہ فترت میں اگرچہ کوئی رسول نہیں آیا تھا' مگر ان کی رسالت پھر بھی موجود تھی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بتایا ہے کہ جب کسی قوم میں رسول جاتا ہے اور وہاں دین کی تبلیغ کرتا ہے تو لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ نبی کی تصدیق کرتے ہیں اور کچھ لوگ نبی کی تکذیب کرتے ہیں' اللہ کی طرف سے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

مذکورہ مفاہیم کے علاوہ یہ آیت دو میں ایک امر پر دلالت کرتی ہے:

❶ جب رسول کسی قوم تک خدا کا پیغام پہنچا دیتا ہے تو اس قوم پر اتمامِ حجت ہو جاتی ہے اور حجت تمام ہونے کے بعد جو لوگ خدا کے پیغام کا انکار کرتے ہیں تو وہ اخروی عذاب کے حق دار بن جاتے ہیں اور خدا کا عذاب ان کے لیے کسی طرح کا ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہوتا ہے۔ کیونکہ عذاب کے اسباب خود ان کے لیے ہی پیدا کردہ ہوتے ہیں۔

❷ اس آیت سے یا پھر یہ مراد ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اس قوم کو حساب کے لیے طلب کرے گا تو ان کے ساتھ ان کے رسول کو بھی بلایا جائے گا اور نافرمانوں اور فرمانبرداروں کے متعلق رسول گواہی دے گا اور اُمت اعتراف کرے گی کہ اس نے ہم تک خدا کا پیغام پہنچایا تھا۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن الفخر الرازی)

ہر قوم کے لیے مدتِ عمل متعین ہے

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

"ہر قوم کے لیے ایک مدت معین ہے جس سے ایک گھڑی نہ تاخیر ہوسکتی ہے اور نہ تقدیم ہوسکتی ہے"۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس سے وہ مدت مراد ہے جو شب قدر میں ملک الموت کو بتائی جاتی ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (آپ کہہ دیں کہ ذرا سوچو تو سہی اگر تم پر اس کا عذاب رات کے وقت آ جائے یا دن میں آ جائے تو تم کیا کرو گے آخر ان مجرمین کو کس بات کی جلدی ہے؟) کی آیت مجیدہ کے متعلق حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ وہ عذاب ہے جو آخری زمانہ میں فاسق اہلِ قبلہ پر نازل ہوگا اور وہ اس سے قبل عذاب آنے کا انکار کر رہے ہوں گے۔

علیؑ حق ہے

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڼ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

"وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا واقعی وہ حق ہے؟ آپ کہہ دیں جی ہاں مجھے اپنے رب کی قسم! وہی حق ہے اور تم اسے عاجز نہیں کر سکتے"۔

شیخ صدوق امالی میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپؑ نے فرمایا کہ مقصد آیت یہ ہے کہ اہلِ مکہ آپؐ سے علی بن ابی طالبؑ کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کیا وہی امام ہے؟ آپؐ کہہ دیں کہ جی ہاں مجھے میرے رب کی قسم وہی امام ہے۔

اصولِ کافی میں اس آیت کے ضمن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مقصد آیت یہ ہے کہ لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ آپؐ علیؑ کے جو فضائل بیان کرتے ہیں کیا واقعاً وہ حق ہیں؟ آپؐ کہہ دیں کہ جی ہاں مجھے میرے رب کی قسم! وہ فضائل حق ہیں۔

عذاب دیکھنے کے بعد ندامت بے سود ہے

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ

وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۞

"اگر ہر ظالم کے پاس روئے زمین کی دولت بھی ہو تو وہ اس عذاب سے بچنے کے لیے اسے فدیہ میں دینے پر آمادہ ہو جائے گا اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو دل میں ندامت محسوس کریں گے مگر ان کے درمیان انصاف کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ اگرچہ یہ آیت تمام ظالموں کے لیے ہے مگر آلِ محمدؑ کے غاصب اس کے مصداقِ خاص ہیں۔ جب وہ "رجعت" میں اٹھائے جائیں گے تو وہ حسرت سے کہیں گے کہ کاش ساری روئے زمین ہماری ملکیت ہوتی اور ہم اسے فدیہ میں دے کر اس عذاب سے محفوظ ہو جاتے لیکن اس دن کی ندامت انھیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔

حماد بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے متعلق فرمایا ہے: وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ (جب وہ عذاب دیکھیں گے تو دل میں شرمندگی محسوس کریں گے) بھلا جو شخص عذاب میں مبتلا ہوا سے دل میں شرمندگی کی کیا ضرورت ہوتی ہے اسے تو کھل کر ندامت کا اظہار کرنا چاہیے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ دشمنوں کی شماتت سے بچنے کے لیے دل ہی دل میں ندامت محسوس کریں گے۔

روضہ کافی میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ جملہ منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: روزِ قیامت کی ندامت بدترین ندامت ہے۔

قرآن شفا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۞

"اے انسانو! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کو شفا دینے والی چیز آ چکی ہے جو اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے"۔

کتاب الہلیلجہ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو شکوک و شبہات سے دلوں کو شفا بخشتی ہے۔

اصول کافی میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے رسولؐ خدا سے دردِ سینہ کی شکایت کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قرآن کے ذریعہ سے شفا طلب کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ''قرآن سینوں میں موجود چیزوں کے لیے شفا ہے''۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: میں محمدؐ کو دنیا میں بھیجوں گا اور اس پر قرآن نازل کروں گا جو حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہوگا اور وہ شیطانی وساوس سے سینوں کو شفا بخشے گا۔

نہج البلاغہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں: ''قرآن کی تعلیم حاصل کرو' قرآن دلوں کی بہار ہے اور اس کے نور سے شفا طلب کرو' وہ سینوں کے لیے شفا ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے قرآن مجید کی چار اوصاف بیان کی ہیں: ۱- قرآن موعظہ ہے ۲- قرآن دلوں کے لیے شفا ہے ۳- قرآن ہدایت ہے ۴- قرآن اہلِ ایمان کے لیے رحمت ہے۔

قرآن مجید کی مذکورہ چار اوصاف بیان کرنے کے بعد خدا نے فرمایا ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (آپ کہہ دیں کہ انھیں خدا کا فضل اور رحمت پا کر خوشیاں منانی چاہییں یہ ان کی اس دولت سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ فضل سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رحمت سے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ مقصد آیت یہ ہے کہ جنھیں محمدؐ و علیؑ مل جائیں انھیں خوش ہونا چاہیے۔ اسی لیے ہمارے شیعوں کو چاہیے کہ وہ ان دو بزرگوار شخصیات کو حاصل کرکے خوش ہو جائیں' کیونکہ ان کا مل جانا اس سونے چاندی کے ملنے سے کہیں بہتر ہے جسے ہمارے دشمن جمع کرنے میں مصروف ہیں۔

مجمع البیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جس کو خدا اسلام کی ہدایت دے دے اور قرآن کی تعلیم عطا کردے پھر وہ فقر وفاقہ کی شکایت کرے تو اللہ اس کی آنکھوں کے درمیان قیامت تک فقر لکھ دیتا ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے یہ آیت پڑھی: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ...... (آپ کہہ دیں کہ انھیں خدا کے فضل اور اس کی رحمت کے حصول پر خوشیاں منانی چاہییں)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: فضل سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رحمت سے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔

اصول کافی میں محمد بن فضل سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ ... فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ولایت خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے اور یہ وہ خزانہ ہے جو دنیاوی خزانوں سے بہتر ہے۔

امالی صدوق کی ایک طویل حدیث میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کلمات منقول ہیں: آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

اس ذات کی قسم! جس نے محمدؐ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جس نے تیرا انکار کیا اور جس نے تیرا انکار کیا ہے اس نے میرا اقرار نہیں کیا۔ تیرے منکر کا تو خدا پر بھی ایمان نہیں ہے۔ تیری فضیلت میری فضیلت کا ایک جزو ہے اور میری فضیلت دراصل خدا کی فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

لوگو! اللہ کے فضل سے تمہارے نبی کی نبوت اور اللہ کی رحمت سے علی بن ابی طالبؑ کی ولایت مراد ہے اور ہمارے شیعوں کو نبوت و ولایت پر خوش ہونا چاہیے اور یہ عظیم دولت مخالفین کی اولاد اور دنیاداری کی دولت سے کہیں بہتر ہے"۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا کی آیت تلاوت کر کے فرمایا: ہمارے شیعوں کو خوش ہونا چاہیے۔ خدا نے انھیں ہماری محبت کی جو دولت عطا کی ہے وہ اس سونے چاندی سے کہیں بہتر ہے جو ہمارے دشمنوں کو عطا ہوئی ہے۔

ابوحمزہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ کی آیت پڑھی تو آپؑ نے فرمایا: محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار اور امیرالمومنین علیہ السلام کی اقتداء اس مال و دولت سے کہیں بہتر ہے جسے وہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔

خدا ہر فعل کا گواہ ہے

وَمَا تَكُوْنُ فِىْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ......

"اے نبیؐ! تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور تم قرآن میں سے جو کچھ بھی سناتے ہو اور اے لوگو!

تم جو کچھ بھی کرتے ہو اس دوران ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں......"

تفسیر علی بن ابراہیم اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی اس آیت کو پڑھتے تھے تو آپؐ بہت زیادہ روتے تھے۔

کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے علمِ خداوندی کی بے پناہ وسعتوں کے متعلق فرمایا: ہمارے رب سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو جب کہ وہ خلاق وعلیم ہے اور اس کے علم کی شان یہ ہے: وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ "تمھارے پروردگار سے زمین وآسمان کا کوئی ذرہ مخفی نہیں ہے"۔

اولیاء اللہ کا مقام

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

"آگاہ رہو کہ اولیائے الٰہی پر نہ تو خوف طاری ہوتا ہے اور نہ وہ محزون ورنجیدہ ہوتے ہیں"۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ کی آیت مجیدہ پڑھ کر فرمایا کہ جانتے ہو وہ اولیاء خدا کون ہیں؟

لوگوں نے کہا: امیر المومنینؑ! آپؑ خود ہی بیان فرمائیں۔

آپؑ نے فرمایا: وہ ہم ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ہمارے بعد ہماری پیروی کریں گے۔ ہمارے لیے بھی خوش خبری ہے اور ہم سے زیادہ خوش خبری ان کے لیے ہے۔

لوگوں نے کہا: امیر المومنینؑ! ان کے لیے ہم سے زیادہ خوش خبری کیوں ہے کیا ہم اور وہ ایک عقیدہ پر نہیں ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں، وہ اتنی تکالیف اٹھائیں گے جو تم نے نہیں اٹھائی اور وہ اس طاقت کا مظاہرہ کریں گے جس کا مظاہرہ تم نے نہیں کیا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے اپنے والد علیہ السلام کی کتاب میں یہ کلمات پائے: أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (اولیائے خدا پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ محزون ہوں گے) لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ کے فرائض ادا کریں اور رسولؐ خدا کی سنتوں کی پیروی کریں اور محارمِ الٰہی سے کنارہ کشی اختیار کریں اور

دنیا کی دلفریبیوں سے جدا رہیں اور جو کچھ خدا کے ہاں اجر وثواب ہے اس کی طرف رغبت رکھیں اور پاک و پاکیزہ رزق خداوندی تلاش کریں اور پھر کسی کے فخر اور کثرت کے اظہار کا ارادہ نہ کریں اور واجب حقوق کے لیے دولت خرچ کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کمائی میں خدانے برکت رکھی ہے اور جو کچھ انھوں نے اپنی آخرت کے لیے آگے بھیجا ہے اس کا انھیں ثواب دیا جائے گا۔

کتاب الخصال میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ نے چار چیزوں کو چار چیزوں میں مخفی رکھا ہے۔ اللہ نے اپنے ولی کو اپنے بندوں میں مخفی رکھا ہے لہٰذا خدا کے بندوں میں سے کسی کو بھی حقیر نہ سمجھنا جس کو تم حقیر سمجھ رہے ہو عین ممکن ہے کہ وہ خدا کا ولی ہو اور تمھیں اس کا علم نہ ہو۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ابوبصیر! خوش خبری ہے ہمارے قائمؑ کے شیعوں کے لیے جو ان کی غیبت کے زمانے میں ان کا انتظار کریں گے اور ان کے ظہور کے وقت ان کی اطاعت کریں گے۔ وہ لوگ خدا کے ایسے ولی ہیں جن پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

دنیا وآخرت کی بشارت

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

"ان کے لیے دنیاوی زندگی اور آخرت دونوں میں خوش خبری ہے۔ کلماتِ خدا میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی اور یہی دراصل عظیم کامیابی ہے"۔

من لایحضرہ الفقیہہ میں مرقوم ہے کہ ایک حسین وخوبرو دیہاتی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپ کے سامنے یہی آیت پڑھ کر کہا کہ آپؐ وضاحت فرمائیں۔ دنیا میں اہلِ ایمان کے لیے کون سی خوش خبری ہے اور آخرت میں ان کے لیے کیا خوش خبری ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دنیاوی خوش خبری سے وہ نیک اور اچھے خواب مراد ہیں جو مومن کو دکھائی دیتے ہیں اور آخرت کی خوش خبری سے وہ خوش خبری مراد ہے جو موت کے وقت مومن کو دی جاتی ہے کہ خدا نے تجھے بخش دیا

ہے اور جو تیری میت اٹھا کر تیری قبر پر لائیں گے انھیں بھی معاف کر دیا جائے گا۔

اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: دنیاوی بشارت سے وہ بشارت مراد ہے جو انھیں امام قیام قائمؑ اور اس کے ظہور اور دشمنوں کے قتل کی دھمکی دیتا ہے اور آخرت کی خوش خبری سے آخرت کی نجات اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے پاس حوض پر وارد ہونا مراد ہے۔

موت کے وقت دیدار معصوم کا شرف

الکافی میں علی بن عقبہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: عقبہ! قیامت کے دن اللہ بس اسی کے ہی عمل اور عقیدہ کو قبول کرے گا جو اس عقیدہ کا کاربند ہوگا جس کے تم کاربند ہو۔ تمھاری آنکھوں کی ٹھنڈک میں بس یہی دیر ہے کہ اس کا سانس اس کے حلق تک پہنچ جائے۔ پھر وہ انھیں دیکھ لے گا۔ یہ کہہ کر آپ تکیہ کا سہارا لے کر لیٹ گئے۔

عقبہ کہتے ہیں کہ اس وقت معلّی بن خنیس بھی میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھے اشارہ کیا کہ امامؑ سے اس کی تفصیل دریافت کرو۔

میں (عقبہ) نے عرض کیا: مولاؑ! یہ تو بتائیں کہ حالتِ نزع میں مرنے والا کس چیز کو دیکھتا ہے؟

امامؑ میرا سوال سن کر خاموش رہے۔ میں نے سترہ مرتبہ اپنا سوال دہرایا۔ آخر کار آپؑ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: عقبہ! میں نے کہا: لبیك وسعدیك۔ آپؑ نے فرمایا: تم ضرور ہی جاننا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، فرزندِ رسولؐ! میرا دین تو آپؑ کے دین کے تابع ہے۔ اگر میرا دین ہی چلا جائے تو پھر میری زندگی کس کام کی ہے؟ میری بات سن کر آپؑ کو مجھ پر رحم آیا اور فرمایا: خدا کی قسم! وہ ان دونوں کو دیکھتا ہے۔ میں (عقبہ) نے عرض کیا: مولاؑ! وہ کن دونوں کو دیکھتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: مرنے والا حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کو دیکھتا ہے اور کوئی مومن انھیں دیکھے بغیر نہیں مرسکتا۔ میں (عقبہ) نے عرض کیا: جب مومن ان دونوں بزرگواروں کو دیکھ لیتا ہے تو کیا پھر دنیا کی طرف لوٹتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، وہ آگے چلا جاتا ہے۔ انھیں دیکھنے کے بعد وہ آگے چلا جاتا ہے۔ حالت نزع میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام مرنے والے کے پاس تشریف لاتے ہیں۔ رسولؐ خدا مرنے

والے کے سر کی جانب بیٹھتے ہیں اور علی مرتضیٰؑ اس کی پائنتی کی جانب بیٹھتے ہیں۔ رسولِ خداؐ اس پر جھک کر اس سے کہتے ہیں: اے ولی خدا! تجھے بشارت ہو میں اللہ کا رسول ہوں تو نے دنیا کا جو ترکہ چھوڑا ہے میں تیرے لیے اس سے بہتر ہوں۔ یہ کہہ کر رسولِ خداؐ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام اس پر جھک جاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

اے ولیِ خدا! تجھے بشارت ہو میں وہی علی بن ابی طالبؑ ہوں جس سے تو محبت رکھتا تھا آج میں تجھے ضرور فائدہ پہنچاؤں گا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: یہ بات اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔

میں نے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان جاؤں کتاب خدا میں یہ بات کہاں لکھی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس میں فرمایا: الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور خدا سے ڈرتے رہے۔ ان کے لیے زندگانی دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر بشارت اور خوش خبری ہے۔ کلماتِ خدا میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور یہی درحقیقت عظیم کامیابی ہے''۔

محمد بن حنظلہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: کہ میں نے آپؑ کے کچھ شیعوں اور حُب داروں سے ایک روایت سنی ہے جسے وہ آپؑ کے والد ماجد کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: انھوں نے کیا روایت کی ہے؟ میں (راوی) نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری خوش نصیبی اس وقت عروج پر ہوتی ہے جب سانس حلق تک پہنچ جاتی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں جب نزع کا عالم طاری ہوتا ہے تو جناب رسولِ خداؐ اور جناب علی مرتضیٰؑ اس کے پاس آتے ہیں اور ملک الموت کے ساتھ جبریل امینؑ بھی آتے ہیں۔ اس وقت ملک الموت حضرت علیؑ سے کہتے ہیں کہ یہ شخص آپؑ سے اور آپؑ کی اہلِ بیت سے محبت رکھتا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: جی ہاں یہ ہم سے محبت رکھتا تھا اور ہمارے دشمنوں سے بیزار رہتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جبریلؑ سے وہی فرماتے ہیں اور جبریلؑ اس کی گواہی خدا کے حضور پیش کرتے ہیں۔

ابن ابی یعفور کا بیان ہے کہ ''خطاب جہنی'' میرا دوست تھا اور وہ آلِ محمدؐ کا بدترین دشمن تھا اور وہ مشہور خارجی ''نجدہ حروری'' کا دوست تھا۔ وہ سخت بیمار ہوا۔ میں اس کی عیادت کرنے کے لیے گیا جب وہاں پہنچا تو اس پر نزع کا عالم طاری تھا اور وہ بے ہوش تھا اور وہ نزع کے عالم میں بار بار یہ کہہ رہا تھا: علیؑ! میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟

میں نے یہی واقعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے بیان کیا۔ یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: ربِ کعبہ کی قسم! اس نے انھیں دیکھ لیا تھا۔ ربِ کعبہ کی قسم! اس نے انھیں دیکھ لیا تھا۔

محمد بن عواض کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا، آپؑ فرماتے تھے: جب تم میں سے کسی کی جان حلق تک پہنچتی ہے تو اس وقت اس سے کہا جاتا ہے کہ تجھے دنیا کی جو فکر لاحق تھی اب تو اس سے مطمئن ہو چکا ہے۔ اس سے کہا جائے گا کہ رسولؐ خدا، علی مرتضیٰؑ اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا تیرے سامنے موجود ہیں۔

روضہ کافی میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: روزانہ صبح کے وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب سے فرماتے تھے: کیا کسی کے پاس "مبشرات" ہیں یعنی اچھے خواب ہیں۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھے خواب جو مومن کو دکھائے جاتے ہیں وہ خدا کی طرف سے مومن کے لیے بشارت ہوتی ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی جان حلق تک پہنچتی ہے تو اس پر ملک الموت نازل ہوتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تجھے جس چیز کی امید تھی وہ تجھے مل چکی ہے اور جس چیز سے تو خوف زدہ تھا اب تو اس سے مطمئن ہو چکا ہے۔

پھر اس کے لیے اس جنت کے گھر کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ جنت میں اپنا مکان دیکھو اور نگاہ کرو رسولؐ خدا، علی مرتضیٰؑ اور حسن وحسین علیہم السلام تیرے رفیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ "یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور خدا سے ڈرتے رہے ان کے لیے دنیاوی زندگی اور آخرت دونوں مقامات پر خوش خبری ہے"۔

ابوحمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا: موت کے وقت مرنے والے سے کیا سلوک ہوتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب تمھاری روح حلق تک پہنچے گی تو اس وقت تمھیں اپنے اس مقام کی خبر ہو جائے گی جو تمھیں خدا اور رسولؐ کے ہاں حاصل ہے۔ یہ کہہ کر آپؑ نے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کیا پھر آپؑ نے فرمایا: ابوحمزہ! کیا میں تمھیں بشارت نہ دوں؟

میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، میں آپؑ پر قربان جاؤں۔

آپ نے فرمایا: جب وہ وقت آتا ہے تو رسولؐ خدا اور حضرت علیؑ مرنے والے کے پاس تشریف لاتے ہیں پھر وہ اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس وقت رسولؐ خدا اس سے فرماتے ہیں کہ کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو ہمارے پاس آ جا، تیرے آگے اس سے کہیں زیادہ بھلائی ہے جسے تو چھوڑ رہا ہے۔ تجھے جو خوف تھا اب تو اس سے مطمئن ہو چکا ہے اور تجھے جس کی امید تھی وہ تیرے پاس آ چکی ہے۔ اے روح! اس کے بدن سے نکل کر اللہ کی رحمت و رضا کی طرف چلی آ۔ اس وقت حضرت علی علیہ السلام بھی اس سے وہی کچھ کہتے ہیں جو رسولؐ خدا کہتے ہیں۔

پھر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں تجھے اس کی خبر نہ دوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ "یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور خدا سے ڈرتے رہے"۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۵ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۶۶ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۶۷ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ الْغَنِيُّ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۸ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝۶۹ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ

نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ
وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ
وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا
تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ
اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ
فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا
مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا
لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ
الْمُعْتَدِيْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ فَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ
مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ
السّٰحِرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا
وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا
جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ
اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ
كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى
خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ
فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ
كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا
عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾
وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى
وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً
وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ
اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ
رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ

أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا
يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ
وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰىٓ إِذَآ أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنتُ
أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا الَّذِيٓ اٰمَنَتْ بِهِ بَنُوٓا إِسْرَآءِيلَ وَأَنَا مِنَ
الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٩١﴾
فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَإِنَّ كَثِيرًا
مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ
مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُم مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتّٰى جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ ۭ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ
يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾ فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ
يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِن قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا
تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِاٰيٰتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ
كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا
الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ إِيمَانُهَآ

إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ
فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۚ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا
مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ
رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾
قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ
وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ
حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ

وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

''اے نبیؐ! ان لوگوں کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں۔ عزت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ آگاہ رہو کہ آسمانوں کے بسنے والے ہوں یا زمین کے رہنے والے ہوں سب اللہ کے مملوک ہیں اور جو لوگ خدا کو چھوڑ کر (اپنے خودساختہ) شریکوں کو پکارتے ہیں وہ صرف وہم وظن کی پیروی کررہے ہیں اور وہ محض قیاس آرائی کر رہے ہیں۔ اس نے ہی تمھارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرسکو اوردن کو روشن بنایا ہے اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو (پیغامِ حق) سنتے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ اس سے پاک ومنزہ ہے، وہ بے نیاز ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تمام اشیاء اسی کی ملکیت ہیں۔ تمھارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے تو کیا تم خدا کے متعلق وہ باتیں کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں ہے۔ آپ کہہ دیں کہ وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹے افترا باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔

دنیا میں چند روزہ فائدہ ہے۔ پھر ہماری طرف ان کو پلٹنا ہے۔ پھر اس کفر کے بدلے جس کا وہ ارتکاب کررہے ہیں ہم انھیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ان کے سامنے نوحؑ کا

قصہ بیان کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم! اگر میرا تمھارے درمیان رہنا اور آیات الٰہی کے ذریعہ سے تمھیں غفلت سے بیدار کرنا تمھارے لیے ناقابل برداشت ہو چکا ہے تو میں نے اللہ پر توکل کیا ہے۔ تم اپنا متفقہ فیصلہ کرلو اور اپنے شریکوں کو بھی اس میں شامل کرلو اور جو منصوبہ تمھارے پیش نظر ہو اس کو خوب سوچ سمجھ لو تا کہ اس کا کوئی پہلو تمھاری نگاہ سے پوشیدہ نہ رہے۔ پھر میرے خلاف اسے عمل میں لے آؤ اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔ اگر تم نے منہ موڑ لیا تو میں نے تم سے کون سی اجرت طلب کی تھی۔ میرا اجر تو صرف اللہ کے ذمہ ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں شامل رہوں۔

قوم نے ان کی تکذیب کی، ہم نے اس کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور انھیں زمین میں جانشین بنایا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ پس دیکھ لو کہ جنھیں متنبہ کیا گیا تھا ان کا کیا انجام ہوا۔

پھر نوحؑ کے بعد ہم نے مختلف پیغمبروں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا وہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے مگر جس چیز کو انھوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا وہ اس کی تصدیق نہ کر سکے۔ اس طرح سے ہم حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف موسیٰؑ و ہارونؑ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا مگر انھوں نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا وہ مجرم لوگ تھے۔ پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق پہنچ گیا تو انھوں نے کہا کہ یہ تو ظاہر بہ ظاہر جادو ہے۔

موسیٰؑ نے کہا تم حق کو یہ کہتے ہو جب کہ وہ تمھارے پاس آ گیا؟ کیا یہ جادو ہے؟ جب کہ جادوگر کبھی کامیابی حاصل نہیں کرتے۔

انھوں نے (جواب میں) کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس راستے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں تم دونوں کی بڑائی قائم

ہو جائے؟ (سن لو) ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور فرعون نے (اپنے درباریوں سے) کہا تم ہر ماہرِ فن جادوگر کو میرے پاس لے آؤ۔

پھر جب جادوگر آ گئے تو موسیٰؑ نے ان سے کہا جو تم نے پھینکنا ہے وہ پھینکو۔ جب انھوں نے رسیوں کو پھینکا تو موسیٰؑ نے کہا: تم نے جو کچھ پیش کیا ہے یہ جادو ہے، اللہ ابھی اسے باطل کر دے گا۔ اللہ مفسدین کے کاموں کو سدھرنے نہیں دیتا۔ اور اللہ اپنے کلمات کے ذریعہ سے حق کو حق ثابت کر دکھاتا ہے چاہے مجرموں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

پھر بھی موسیٰؑ پر ایمان نہ لائے مگر ان کی قوم کی ایک نسل اور انھیں بھی فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف سے یہ دھڑکا تھا کہ وہ کہیں انھیں آزمائش میں نہ ڈال دے۔ یقیناً فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا اور وہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لا چکے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم واقعاً اس کے فرمانبردار ہو۔ انھوں نے کہا: ہم نے خدا پر بھروسہ کیا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنانا اور اپنی رحمت سے ہمیں کافروں سے نجات دینا۔

اور ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ مصر میں کچھ مکان اپنی قوم کے لیے مہیا کرو اور اپنے گھروں کو قبلہ بنا لو اور نماز قائم کرو اور اہلِ ایمان کو بشارت دے دو۔ اور موسیٰؑ نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیاوی زندگی میں زینت اور اموال دے رکھا ہے۔ اے رب! کیا یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں؟ اے رب! ان کے اموال برباد کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی سخت مہر لگا دے کہ یہ ایمان نہ لانے پائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

اللہ نے کہا کہ تم دونوں کی دعا مقبول ہوئی، تم دونوں اپنے راستے پر قائم رہو اور ان لوگوں

کے راستے کی ہرگز پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرا دیا۔ فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم و زیادتی کی غرض سے ان کا تعاقب کیا حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا: میں ایمان لاتا ہوں اس خدا پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں بھی اطاعت گزاروں میں سے ہوں۔

(جواب میں کہا گیا) اب ایمان لاتا ہے! جب کہ اس سے قبل تو نے نافرمانی کی ہے اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ پس آج کے دن ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے تاکہ تو بعد والوں کے لیے (عبرت کی) نشانی بن جائے۔ یقیناً لوگوں کی اکثریت ہماری آیات سے غافل ہے۔

ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا دیا اور ہم نے انھیں پاکیزہ رزق عطا کیا' پھر انھوں نے آپس میں اختلاف نہیں کیا۔ مگر اس وقت جب ان کے پاس علم آچکا تھا۔ یقیناً تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

اب اگر تجھے اس میں شک ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھیں جو آپؐ سے پہلے کتاب پڑھ رہے ہیں۔ یقیناً آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس حق آچکا ہے۔ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ بننا۔ اور ان لوگوں میں سے نہ بننا جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ہے ورنہ نقصان اٹھانے والوں میں سے قرار پاؤ گے۔ بے شک اللہ جن لوگوں پر کلمہ عذابِ الٰہی ثابت ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے سامنے خواہ تمام نشانیاں کیوں نہ آ جائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے (پھر وہ ایمان لائیں گے)۔

پھر کیا ایسی کوئی مثال ہے کہ کوئی بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لیے نفع بخش ثابت ہوا ہو؟ سوائے یونس کی قوم کے۔ وہ قوم جب ایمان لائی تھی تو ہم نے

دنیاوی زندگی میں ان کے اُوپر سے رسوائی کا عذاب دُور کر دیا تھا اور ہم نے انھیں ایک مدت تک چین سے رہنے دیا تھا۔

اگر تیرے پروردگار کی یہ مشیت ہوتی (کہ تمام لوگ ہی ایمان لے آئیں) تو تمام زمین والے سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن بن جائیں؟

اور کسی نفس کے اختیار میں نہیں ہے کہ پروردگار کی اجازت کے بغیر ایمان لے آئے اور خدا کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان پر (کفر کی) گندگی ڈال دیتا ہے۔

آپ کہہ دیں کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اسے (غور سے) دیکھو اور جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے ان کو آیات وتنبیہات کوئی فائدہ نہیں پہنچاتیں۔

کیا یہ لوگ اپنے سے پہلے لوگوں جیسے برے دن دیکھنے کا انتظار کر رہے ہیں ان سے کہہ دو کہ تم انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

(ایسے وقت میں) ہم اپنے رسولوں اور ان لوگوں کو نجات دیتے ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ ہمارا یہی طریقہ ہے۔ ہم پر یہ حق ہے کہ اہلِ ایمان کو نجات دیں۔

پیغمبرؐ آپ کہہ دیں اے انسانو! اگر تمھیں میرے دین میں کوئی شک ہے (تو سنو) میں اُن کی عبادت نہیں کرتا کہ خدا کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ میں تو صرف اسی خدا کی عبادت کرتا ہوں جو تمھیں موت دے گا اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں کا حصّہ بن کر رہوں۔ (اور مجھ سے یہ فرمایا گیا کہ) یکسو ہو کر اپنے آپ کو ٹھیک ٹھیک اس دن پر قائم کر دے اور مشرکین میں سے مت بنو۔ اور خدا کو چھوڑ کر انھیں مت پکاریں جو نہ تو آپ کو فائدہ پہنچا سکے اور نہ ہی نقصان دے سکے اور اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کا شمار ظلم کرنے والوں میں سے ہوگا۔

اور اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے سوا اسے کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ تیرے لیے کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے بھلائی عطا کرتا ہے وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

آپ کہہ دیں کہ لوگو! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی جانب سے حق آچکا ہے اب جو ہدایت حاصل کرے تو وہ اپنے لیے ہی ہدایت حاصل کرتا ہے اور جو گمراہ ہو جائے تو اس کا نقصان بھی اسی کو ہوگا میں تمھارا ذمہ دار نہیں ہوں۔

آپ اس وحی کی اتباع کریں جو آپ پر بھیجی جاتی ہے اور صبر و استقامت سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

عالم ارواح کے کافر

فما كانوا ليؤمنوا بما كذبوا به من قبل

''جس چیز کو انھوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا اب وہ اس پر ایمان لانے والے نہیں تھے''۔

اصول کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا' اللہ نے اپنی پیاری مخلوق کو طینتِ جنت سے پیدا کیا اور اپنی ناپسندیدہ مخلوق کو طینتِ دوزخ سے پیدا کیا۔ پھر انھیں سائے میں کھڑا کیا۔

راوی نے کہا کہ سایہ کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: کیا تم نے کبھی دھوپ میں اپنا سایہ نہیں دیکھا جو کہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پھر اللہ نے ان کی طرف انبیاءؑ روانہ کیے' انھوں نے ان کو خدا کی توحید کے اقرار کی دعوت دی۔ لوگوں نے اس کا اقرار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ توحید کا اقرار انسانی فطرت میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین و کفار کے متعلق فرمایا: ولئن سالتهم من خلقهم ليقولن الله (اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ جواب میں ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ نے)۔ پھر انبیاء نے انھیں انبیاء کی نبوت کے اقرار کی دعوت دی۔ کچھ لوگوں نے عقیدۂ نبوت کا اقرار کیا۔ پھر انبیاء نے انھیں ہماری ولایت کے عقیدہ کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ خدا کی پیاری مخلوق نے اس کا اقرار کیا اور خدا کی ناپسندیدہ مخلوق نے اس کا انکار کیا۔

اسی مسئلہ کو اللہ نے اس آیت میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے: فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ۔

تفسیر عیاشی میں بھی الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اسی مفہوم کو نقل کیا گیا ہے۔

ابوبصیر کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے رسولوں کو اس وقت مبعوث کیا جب کہ مخلوق والد کی پشت اور ماں کے رحم میں تھی۔ جس نے وہاں تصدیق کی وہ یہاں بھی تصدیق کرے گا اور جس نے وہاں تکذیب کی وہ یہاں بھی تکذیب کرے گا۔

قصۂ موسیٰؑ کے چند ارشادات

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

''اور موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لا چکے ہو تو پھر اسی پر بھروسہ کرو، اگر تم واقعاً اس کے فرماں بردار ہو۔ انھوں نے کہا ہم نے اپنے پروردگار اللہ پر بھروسہ کیا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنانا''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ان آیات کے ضمن میں منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: قوم موسیٰؑ کو آلِ فرعون نے اپنا غلام بنا لیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ اگر خدا کو ان سے ذرہ برابر بھی محبت ہوتی تو ہم ان پر کبھی بھی غالب نہ آتے۔

اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اگر تم حقیقی مسلم بن چکے ہو تو کسی کی باتیں سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔ وہی تمھیں کامیابی دے گا۔ ان لوگوں نے جواب میں یہ کہا تھا کہ ہم نے اپنے رب پر بھروسہ کیا ہے اور انھوں نے خدا سے یہ دعا کی تھی کہ ظالموں کو ہم پر مسلط نہ کرنا اور ہمیں ان کے فتنہ میں مبتلا نہ کرنا۔

تفسیر عیاشی اور تہذیب الاحکام میں بھی یہ روایت مرقوم ہے۔

موسیٰؑ و ہارونؑ کا گھر بنی اسرائیل کے لیے قبلہ تھا

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً

''اور ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی ہارونؑ کی طرف وحی کی کہ مصر میں اپنی قوم کے لیے کچھ مکان

مہیا کرو اور اپنے گھروں کو قبلہ بنا لو"۔

عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زبانی اُمت اور عترت کے بارہ فرق بیان کیے گئے ہیں۔ اس طویل روایت کے ضمن میں آپؑ نے یہ کلمات بھی فرمائے:

اُمت اور عترت میں چوتھا فرق یہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے اُمت کے دروازے جو مسجد میں کھلتے تھے سب بند کرا دیئے تھے مگر عترت کا دروازہ کھلا رہنے دیا تھا۔ لوگوں نے اس پر بہت اعتراض بھی کیے تھے حتیٰ کہ عباس بن عبدالمطلب نے بھی رسولؐ خدا سے یہ عرض کیا تھا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے علیؑ کو تو رہنے دیا اور ہمیں باہر کر دیا!!

رسولؐ خدا نے فرمایا تھا: میں نے اسے یہاں اپنی مرضی سے چھوڑا نہیں ہے اور تمھیں اپنی مرضی سے نکالا نہیں ہے۔ اللہ نے اس کے دروازے کو رہنے دیا ہے اور اسی نے ہی تمھارے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ایسا کر کے دنیا کو یہ بتایا تھا کہ میں مثالِ موسیٰؑ ہوں اور علیؑ مثالِ ہارونؑ ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتراض کرنے والوں سے فرمایا تھا: یاد رکھو یہ مسجد ہے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے علاوہ کسی جُنب کے لیے یہ حلال نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ و ہارونؑ کے گھروں کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَّاجۡعَلُوۡا بُیُوۡتَکُمۡ قِبۡلَۃً "تم اپنے گھروں کو قبلہ بنا لو"۔

کتاب علل الشرائع میں ابورافع سے منقول ہے کہ جب رسولؐ خدا نے مسجد میں اپنا اور علیؑ کا دروازہ کھلا رہنے دیا تھا اور باقی لوگوں کے دروازے بند کروا دیئے گئے تھے تو اس وقت آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ نے موسیٰؑ و ہارونؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ مصر میں اپنی قوم کے لیے کچھ گھر بنائیں اور انھیں یہ حکم دیا تھا کہ ان کی مسجد میں کوئی جُنب شب بسری نہ کرے اور مسجد میں بیویوں سے مقاربت نہ کی جائے، مگر ہارونؑ اور اس کی اولاد اس سے مستثنیٰ ہے۔ علیؑ کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی۔ کسی کے لیے بھی حالتِ جنابت میں مسجد میں شب بسری جائز نہیں ہے اور کسی کو بیویوں سے مسجد میں مقاربت کا حق حاصل نہیں ہے البتہ علیؑ اور اس کی اولاد اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ جسے یہ بات ناگوار ہو تو پھر وہ اُدھر چلا جائے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں وَّاجۡعَلُوۡا بُیُوۡتَکُمۡ قِبۡلَۃً کے تحت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب بنی اسرائیل کو یہ محسوس ہوا کہ فرعون انھیں کھلے عام عبادت کرنے کی اجازت نہیں دے گا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ و ہارونؑ کی

طرف وحی کی کہ تم اپنے گھروں کو قبلہ بنالو۔ مقصد یہ ہے کہ تم اپنی قوم سے کہو کہ وہ کھلے بندوں نماز نہ پڑھیں۔ اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھا کریں۔

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ سگے بھائی تھے؟ آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ میں نے پھر پوچھا تو کیا ان دونوں پر وحی ہوتی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: وحی حضرت موسیٰؑ پر ہوتی تھی۔ حضرت موسیٰؑ وہ وحی ہارونؑ کو سناتے تھے۔

کتاب الخصال اور اصولِ کافی میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کے درباری سرداروں کے خلاف خدا کے ہاں بددعا کی تھی اور خدا نے فرمایا تھا کہ تمھاری دعا قبول ہو چکی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی دعا اور ثمرِ دعا میں پورے چالیس سال کا فاصلہ تھا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کہتے تھے کہ میں نے اپنے پروردگار سے کئی بار عرض کیا کہ خدایا! فرعون پر عذاب نازل فرما۔ ہر بار خدا نے یہی فرمایا کہ تیرے جیسے بندے ہی مجھ سے یہ درخواست کر سکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس طرح سے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کی تھی اسی طرح سے جو راہِ خدا میں جہاد کرے گا خدا اس کی دعا بھی ضرور قبول کرے گا۔

فرعون کیوں غرق ہوا؟

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ ......

"جب فرعون ڈوبنے لگا تو اس نے کہا کہ میں اس خدا پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"۔

عیون الاخبار میں ابراہیم بن محمد ہمدانی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ نے فرعون کو کیوں غرق کیا تھا جب کہ وہ اللہ پر ایمان لا چکا تھا اور اس کی توحید کا اقرار کر چکا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ نزع کے وقت ایمان لایا تھا اور حالتِ نزع کا ایمان قابلِ قبول نہیں ہوتا (کیونکہ اس وقت مرنے والوں کی آنکھوں سے حجاب ہٹ جاتے ہیں اور وہ عالمِ آخرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنے اصول کو بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا ہے: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا

مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (غافر:۸۴-۸۵) "جب انھوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے ہم خدائے واحد پر ایمان لا رہے ہیں اور اس سے پہلے ہم جو شرک کیا کرتے تھے اس کا انکار کر رہے ہیں۔ ان کے اس ایمان نے انھیں کوئی فائدہ نہ دیا جسے وہ ہمارے عذاب دیکھنے کے بعد لائے تھے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی روش کو یوں بیان فرمایا: يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا (الانعام:۱۵۸) "جس دن تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں آئیں گی تو جو شخص پہلے سے ایمان نہیں لایا ہوگا یا ایمان کی حالت میں کوئی نیک کام نہیں کیا ہوگا تو اس کا ایمان لانا اسے کوئی فائدہ نہ دے گا"۔

اسی طرح فرعون بھی اس وقت ایمان لایا تھا جب وہ خدا کے عذاب میں گرفتار ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب اس نے خدائے واحد پر ایمان لانے کے کلمات ادا کیے تو جواب میں اسے یہ کہا گیا تھا: آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً "اب ایمان لاتا ہے جب کہ پہلے تو نے نافرمانی کی ہے اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ آج ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے تاکہ تو بعد میں آنے والوں کے لیے (عبرت کی) نشانی بن جائے"۔

فرعون سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا (یعنی اس نے جنگی ہتھیار پہنے ہوئے تھے) اب لوہے کی وجہ سے اس کی لاش کو پانی کے اندر ڈوب جانا چاہیے تھے، لیکن اللہ نے اسے نشانِ عبرت بنانا تھا، اسی لیے اس کی لاش دریا کے کنارے ایک بلند جگہ پر پائی گئی تھی۔

فرعون کے غرق ہونے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو اس نے حضرت موسیٰؑ سے مدد طلب کی تھی۔ اللہ سے مدد طلب نہیں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو وحی فرمائی:

"اے موسیٰؑ! فرعون نے تجھ سے مدد مانگی تھی، لیکن تو نے اس کی مدد نہیں کی تھی کیونکہ تو نے اسے پیدا نہیں کیا تھا، اگر وہ مجھ سے مدد مانگ لیتا تو میں ضرور اس کی مدد کرتا"۔

کتاب علل الشرائع میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلی گفتگو کی تھی اور انھیں رسالت عطا فرمائی تھی تو اُن سے فرمایا تھا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکشی کر چکا ہے اور اس سے نرم لہجے میں گفتگو کرنا۔ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ (طٰہٰ:۴۴) "ممکن ہے کہ وہ نصیحت حاصل کر لے یا ڈر جائے"۔

اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ اس لیے فرمائے تھے تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ذوق وشوق کے ساتھ اس کے پاس تبلیغ کے لیے جائیں، ورنہ خدا کو پہلے سے معلوم تھا کہ فرعون موت سے پہلے نہ تو نصیحت قبول کرے گا اور نہ ہی وہ خدا سے ڈرے گا۔ چنانچہ فرعون جیتے جی ایمان نہ لایا اور جب ڈوبنے لگا تو اس وقت خدا پر ایمان لایا اور اس نے کہا تھا کہ میں خدائے بنی اسرائیل پر ایمان لایا ہوں اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اللہ نے اس کے ایمان کو قبول نہیں کیا اور اس سے کہا گیا کہ اب ایمان لاتے ہو جب کہ پہلے تو نافرمانی پر کمربستہ رہے اور تم مفسدین میں سے تھے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ خدارا ہمیں یہاں سے نکال لے جائیں اور آپؑ خدا سے درخواست کریں کہ وہ ہماری مشکلات دُور کرے اور ہمیں زندگی کی آسانی عطا فرمائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: تم اپنی قوم کو یہاں سے لے جاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: خدایا! سامنے تو سمندر ہے میں بھلا سمندر کیسے پار کروں گا؟

خدا نے فرمایا: کوئی بات نہیں، تم قوم کو لے کر جاؤ میں سمندر کو حکم دوں گا کہ وہ تمھاری اطاعت کرتے ہوئے تمھیں راستہ دے دے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر فرعون کے شہر سے گزرے۔ کچھ دیر بعد فرعون کو معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر یہاں سے چلے گئے ہیں تو اس نے اپنی افواج کو ساتھ لیا اور ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ سورج چڑھا، چہار سو روشنی پھیلی، سامنے سمندر دکھائی دیا اور پیچھے سے فرعون نظر آیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے سمندر سے فرمایا کہ تم مجھے راستہ دو۔ سمندر نے کہا: میں ایسا نہیں کر سکتا۔ ادھر فرعون لشکر سمیت لحہ بہ لحہ قریب ہو رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم نے ہمیں دھوکا دیا ہے اور تم نے ہمیں برباد کیا ہے تو ہمیں ساتھ نہ لاتا تو ہم آلِ فرعون کی غلامی میں رہتے تو بہتر تھا اب تو فرعون ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے وہ میری ہدایت کرے گا''۔

ادھر سے بنی اسرائیل چیخ چیخ کر موسیٰ علیہ السلام سے کہہ رہے تھے کہ تم تو کہتے تھے کہ سمندر ہمیں راستہ دے دے گا۔ سمندر نے تو ہمیں راستہ نہیں دیا، البتہ ہمارا ازلی دشمن ہمارے قریب آ گیا اور وہ لحہ بہ لحہ نزدیک ہو رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ پروردگار ہماری رہنمائی فرما۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ

السلام کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا سمندر پر مارو۔ آپؑ نے اپنا عصا مارا تو سمندر پھٹ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم لے کر چل پڑے۔ اتنے میں فرعون بھی وہاں پہنچ گیا۔ جب فرعون کے لشکر نے یہ ماجرا دیکھا تو انھیں سخت تعجب ہوا اور انھوں نے فرعون سے کہا: سمندر کا شق ہونا بڑا تعجب خیز ہے۔

فرعون نے کہا: یہ میرے حکم سے ہوا ہے۔ تم ان کے پیچھے چلتے رہو۔ الغرض فرعون اور اس کا لشکر بھی سمندر کو عبور کرنے لگ گیا۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا آخری فرد سمندر سے باہر نکلا اور فرعون کے لشکر کا آخری فرد سمندر میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر سے فرمایا کہ اب مل جا!

جیسے ہی سمندر کا پانی آپس میں ملا تو فرعون اپنے لشکر سمیت ڈوبنے لگا اور ڈوبتے وقت اس نے کہا کہ اب میں خدائے بنی اسرائیل پر ایمان لاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اس وقت آوازِ قدرت بلند ہوئی کہ اب ایمان لاتا ہے جب کہ ساری زندگی تو نے ہماری نافرمانی کی اور فساد برپا کرنے میں لگا رہا؟! آج ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے، تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے تجھے نشانۂ عبرت بنا دیا جائے۔

لشکرِ فرعون جیسے ہی ڈوبا تو ملائکہ نے ان سب کے اجسام کو دوزخ میں ڈال دیا۔ صرف فرعون کی لاش ساحل پر پائی گئی، تاکہ ہر شخص اس کی لاش کو دیکھ کر اس کی ہلاکت کا یقین حاصل کرے اور اس کے انجام سے عبرت پکڑے۔

فرعون جو کل تک ربوبیت کا دعوے دار تھا وہ ایک مُردار کی صورت میں ساحلِ سمندر پر پڑا ہوا تھا۔ فرعون کی لاش انسانوں کے لیے عبرت ہے، لیکن عبرت حاصل کرنے والے لوگ بہت کم ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ حضرت جبریلؑ امین جب بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو کچھ پریشان پریشان سے ہوتے تھے اور جب وہ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۞ کی آیت لے کر آئے تو وہ بہت خوش تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ پہلے تم ہمیشہ پریشان دکھائی دیتے تھے۔ آج تم خوش دکھائی دیتے ہو آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ جبریل امینؑ نے کہا: یارسولؐ اللہ! بات یہ ہے کہ جب فرعون ڈوب رہا تھا تو اس نے کہا تھا کہ میں خدائے بنی اسرائیل پر ایمان لاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

اس وقت میں نے کیچڑ اُٹھا کر اس کے منہ پر ماری تھی اور کہا تھا: آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۞ "اب ایمان قبول کرتا ہے جب کہ اس سے قبل تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا"۔

میں نے یہ کام اللہ کے حکم کے بغیر کیا تھا۔ چنانچہ ہلاکتِ فرعون کے دن سے آج تک میں ہمیشہ پریشان رہا کہ کہیں خدا اس کو معاف نہ کردے، اور میرا مؤاخذہ نہ کرے اور آج جب اللہ نے میرے ہی الفاظ کو قرآن کی آیت بنا کر نازل کیا تو میری تمام پریشانیاں دُور ہوگئیں اور مجھے یقین ہوگیا کہ میں نے اس وقت جو کیا اور کہا تھا اس میں اللہ کی رضا شاملِ حال تھی۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ جب فرعون لشکر لے کر سمندر کے کنارے پر پہنچا اور اس نے اپنے گھوڑے کو سمندر کے درمیان خشک راستے پر ڈالنا چاہا تو اس کا گھوڑا رک گیا اور وہ کسی طرح سے آگے بڑھنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ جبریل امینؑ ایک گھوڑی پر سوار ہوکر آئے اور انھوں نے اپنی گھوڑی کو اس کے گھوڑے کے آگے لگایا۔ گھوڑا اپنی مادہ کو دیکھ کر اس کے پیچھے چل پڑا تھا اور سمندر میں چلا گیا تھا۔ کچھ ہی لمحات گزرے تھے کہ فرعون اپنے پورے لاؤلشکر سمیت ڈوب گیا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب فرعون اپنے لشکر سمیت ڈوب گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ فرعون اپنے لشکر سمیت ڈوب گیا ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم فرعون کی موت کو تسلیم نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ فرعون کی لاش کو باہر پھینک دے۔ چنانچہ سمندر نے اس کی لاش کو ساحل پر پھینک دیا۔ جب بنی اسرائیل نے اس کی لاش دیکھی تو اس وقت انھیں فرعون کی ہلاکت کا یقین ہوا۔

کیا نبی کو وحی الٰہی پر شک بھی ہوسکتا ہے؟

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

"اگر تجھے اس میں شک ہے جو ہم نے تیری طرف نازل کیا ہے تو آپؐ ان لوگوں سے پوچھیں جو آپؐ سے پہلے کتاب پڑھ رہے ہیں۔ یقیناً آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس حق آچکا ہے۔ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ بننا"۔

کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ عباسیہ دور کے مشہور قاضی یحییٰ بن اکثم نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے فرزند حضرت موسیٰ (مبرقع) کو خط لکھا اور اس خط میں اس نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا ہے: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ ...... اب سوال یہ ہے کہ کیا اس آیت کا خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے یا کسی اور سے ہے؟ اگر آیت کے مخاطب نبی اکرمؐ ہیں تو انھیں تو کبھی وحی الٰہی میں شک ہی نہیں ہوا تھا اور جب انھیں کبھی شک ہوا ہی نہیں تھا تو یہ خطاب

ان سے کیوں کیا گیا؟ اگر یہ خطاب نبی کے علاوہ کسی اور سے ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن نبی کے علاوہ کسی اور پر نازل ہوا؟ آخر اس آیت مجیدہ کا مطلب و مفہوم کیا ہے؟

حضرت موسیٰ (مبرقع) کو جیسے ہی یہ خط ملا تو انھوں نے اپنے بھائی حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے یہی سوال کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ کی آیت مجیدہ کا خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی ہے جب کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نبی اکرمؐ کو وحی الٰہی میں کوئی شک بھی نہیں تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ جاہل لوگوں نے اپنی جہالت سے یہ کہا تھا کہ اگر اللہ نے اپنا پیغام ہمارے پاس روانہ کرنا ہی تھا تو اس نے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر ہمارے پاس کیوں نہ بھیجا؟ جب کہ یہ رسول ہماری طرح سے کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی طرف وحی کی کہ تمھیں ان کے اس سوال پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپؐ اہلِ کتاب سے پوچھیں تو وہ بھی آپ کو بتائیں گے کہ سابقہ انبیاءؑ بھی تمھاری طرح سے کھاتے پیتے تھے اور بازاروں میں بھی پھرتے تھے۔ آپؐ اہلِ کتاب کی اس گواہی سے جاہلوں کو مطمئن کریں۔

نبی کو وحی الٰہی میں شک نہیں تھا۔ بات یہ ہے کہ کبھی بر سبیل تنزل اپنے آپ کو عام لوگوں کی سطح پر بھی لانا پڑتا ہے جیسا کہ آیت مباہلہ میں ارشادِ قدرت ہے: فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ (آل عمران: ۶۱) ”تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے نفوس لے کر آئیں اور تم اپنے نفوس لے کر آؤ پھر ہم آپس میں بددعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں“۔

اگر اللہ تعالیٰ آیت کو اس طرح سے نازل کرتا کہ ”ہم مباہلہ کریں اور تم پر لعنت کریں“ تو نجران کے عیسائی دعوتِ مباہلہ قبول ہی نہ کرتے جب کہ خدا کو بھی معلوم تھا کہ میرا رسول سچا ہے اور رسول کو بھی اپنی صداقت پر یقین تھا لیکن وہ چاہتے تھے کہ اپنے آپ کو بھی بر سبیل تنزل دوسرے لوگوں کی سطح پر لے آئیں' تا کہ اس سے اسلام کی صداقت زیادہ واضح ہو سکے۔

علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ جب فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ...... کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نہ تو شک کرتا ہوں اور نہ ہی کسی سے پوچھتا ہوں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کو معراج ہوئی اور شبِ معراج کی گفتگو میں اللہ نے علی بن ابی طالبؑ کی بہت سی فضیلتیں بیان فرمائیں۔ آپؐ جب زمین کی طرف آنے لگے تو بیت المعمور پر اللہ نے تمام انبیاء کو جمع کیا اور آنحضرتؐ نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی۔ اس وقت آپؐ کے ذہن میں یہ خلش سی پیدا ہوئی کہ کیا علیؑ اتنے عظیم مناقب وفضائل کے حامل ہیں تو اس وقت اللہ نے آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ ...... ''اگر آپ کو ہماری نازل کردہ وحی میں شک ہو تو آپؐ ان لوگوں سے سوال کریں جو آپؐ سے پہلے کتاب پڑھتے تھے۔ بے شک آپؐ کے رب کی طرف سے آپؐ پر حق آیا ہے۔ شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا اور ان لوگوں میں سے نہ ہونا جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا ہے ورنہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیان ہے کہ خدا کی قسم رسولِ خدا نے نہ تو شک کیا تھا اور نہ ہی کسی سے پوچھا تھا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی اور آپؐ نے رب العالمین سے گفتگو کی اور پھر وہاں سے واپسی پر آپؐ بیت المعمور تشریف لائے۔ بیت المعمور چوتھے آسمان پر واقع ہے اور یہ کعبہ کی عین سیدھ پر واقع ہے۔ وہاں اللہ کے حکم سے انبیاء و رسل اور ملائکہ جمع تھے۔ حضرت جبریل امینؑ نے وہاں اذان و اقامت کہی اور آنحضرتؐ نے نماز کی امامت فرمائی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل امینؑ نے آپ کو یہ آیت پہنچائی:

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ ''اگر تجھے اس میں شک ہے جو ہم نے تیری طرف نازل کیا ہے تو آپؐ ان سے پوچھ لیں جو آپؐ سے پہلے کتاب پڑھ رہے ہیں۔ یقیناً آپؐ کے پاس آپؐ کے رب کی طرف سے حق آچکا ہے۔ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہوتا''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سوال کیا۔ پھر آپؐ زمین پر واپس تشریف لائے۔

الخراج والجرائح میں مرقوم ہے کہ روایات خاصہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: شبِ معراج جبریل امینؑ آنحضرتؐ کی سواری کے لیے ''براق'' لائے۔ وہ خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا جانور تھا۔ اس کے کان ہر وقت متحرک رہتے تھے۔ اس کی نگاہیں اس کے کھروں پر تھیں اور اس کا ایک قدم آنکھ کی رؤیت کے برابر تھا۔ جبریل امینؑ براق لے کر حضرت خدیجہؑ کے دروازے پر پہنچے اور رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ براق مچلنے لگا۔ حضرت جبریلؑ نے اس سے کہا: سکون اختیار کر' آج تجھ پر وہ سوار ہو رہا ہے جو اللہ کو تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہے۔ یہ سن کر

براق سکون میں آ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہوئے اور رات کے وقت سفر شروع کیا۔ آپؐ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے وہاں ایک بزرگ نے آپ کا استقبال کیا۔ حضرت جبریلؑ نے کہا: یہ آپؐ کے والد ابراہیم ہیں۔ نبی اکرمؐ نے اُترنے کا قصد کیا تو جبریل امینؑ نے کہا: آپؐ بیٹھے رہیں۔ وہاں اللہ نے انبیاء و رسل کو جمع کیا۔ جبریل امینؑ نے اذان دی۔ رسولِ خدا نے امامت کروائی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: فَاِنۡ كُنۡتَ فِىۡ شَكٍّ ...... ''رسولؐ خدا نے نہ تو شک کیا تھا اور نہ ہی انھوں نے سوال کیا تھا''۔

ایمان نہ لانے والے

اِنَّ الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝ وَلَوۡ جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ۝

''بے شک وہ لوگ جن پر عذابِ الٰہی کا کلمہ ثابت ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کے سامنے خواہ خدا کی تمام نشانیاں کیوں نہ آ جائیں، پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھیں''۔

اس آیت میں ازلی اشقیاء کے متعلق خدا نے فرمایا ہے کہ خواہ وہ خدا کی تمام نشانیاں کیوں نہ دیکھ لیں، پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے البتہ فرعون کی طرح سے دردناک عذاب دیکھ کر اگر وہ ایمان لے بھی آئیں تو بھی وہ ایمان ان کے لیے سودمند ثابت نہ ہوگا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں اس آیت کے ضمن میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولایت کے منکرین کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

یہ آیت بہر نوع عام ہے اسے صرف ایک مورد سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا، البتہ اس مورد کو ایک جزئی کی حیثیت ضرور حاصل ہے۔ (من المترجم عفی عنہ)

قصۂ یونسؑ

فَلَوۡلَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ ۝

''پھر کیا ایسی کوئی مثال موجود ہے کہ کوئی بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے

لیے نفع بخش ثابت ہوا ہو؟ سوائے قومِ یونسؑ کے وہ قوم جب ایمان لائی تو ہم نے دنیاوی زندگی میں ان سے رسوائی کا عذاب دُور کردیا تھا اور ہم نے انھیں ایک مدت تک چین سے رہنے دیا تھا''۔

تفسیر عیاشی، تہذیب الاحکام، علل الشرائع، تفسیر علی بن ابراہیم، الکافی، روضہ کافی اور من لایحضرہ الفقیہ کی روایات کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ نے ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اعلانِ نبوت کے وقت ان کی عمر تیس برس تھی۔ آپؑ نے ۳۳ برس تک اپنی قوم کو تبلیغ کی، لیکن اس پورے عرصہ میں صرف دو اشخاص آپؑ پر ایمان لائے ان میں سے ایک کا نام ''روبیل'' اور دوسرے کا نام ''تنوخا'' تھا۔

روبیل کا تعلق علم و نبوت و حکمت کے گھرانے سے تھا اور وہ خود عالم انسان تھے جب کہ تنوخا ایک عابد و زاہد شخص تھے ان کے پاس علم و حکمت کا خزانہ نہیں تھا۔ روبیل بکریاں چراتے تھے اور اسی سے اپنے گھر کے اخراجات پورے کرتے تھے جب کہ تنوخا لکڑیاں کاٹ کر بیچا کرتے تھے اور اسی سے رزق روزی حاصل کرتے تھے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی نظر میں روبیل کا ایک خصوصی مقام تھا۔ جناب یونس علیہ السلام اپنی قوم کی نافرمانی سے تنگ آ گئے۔ آخرکار تنگ آ کر انھوں نے بارگاہ احدیت میں فریاد کی کہ پروردگار! میں نے ۳۳ برس تک ان نابکار لوگوں کو تبلیغ کی اور انھیں تجھ پر ایمان اور اپنی نبوت کی تصدیق کی دعوت دی ہے۔ میں نے انھیں تیرے عذاب سے ڈرایا لیکن انھوں نے میری تکذیب کی اور میری نبوت کا انکار کیا اور میری رسالت کی تحقیر کی اور وہ مجھے قتل کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ پروردگار! ان پر اپنا عذاب نازل فرما۔ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو وحی کی کہ ان میں حاملہ خواتین بھی ہیں اور معصوم بچے اور بوڑھے افراد اور کمزور لوگ بھی موجود ہیں جب کہ میں عادل حکمران ہوں۔ میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ میں بڑوں کے جرائم کی سزا چھوٹے بچوں کو نہیں دینا چاہتا۔ یہ لوگ میرے بندے ہیں، میری مخلوق ہیں اور میرا ہی کنبہ ہیں۔ میں انھیں مہلت دینا چاہتا ہوں اور میں ان کی توبہ کا منتظر ہوں۔ میں نے تجھے اپنی رحمت کا بادل بنا کر بھیجا ہے، تمھیں ان پر رحم کرنا چاہیے۔ ذرا نوحؑ کو تو دیکھو انھوں نے کتنا طویل عرصہ تک صبر سے کام لیا تھا اور جب طویل عرصہ کے بعد اس نے بددعا کی تھی تو میں نے اس کی بددعا کو قبول کیا تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے عرض کیا: پروردگار! میں تو تیری وجہ سے ہی ان پر ناراض ہوا ہوں۔ ان لوگوں نے جب تیرے غضب کو دعوت دی تو میں نے ان پر بددعا کی۔ مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان پر ترس نہیں کھاؤں گا۔ تجھ سے میری

یہی درخواست ہے کہ ان پر اپنا عذاب نازل فرما۔ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یونسؑ! ذرا یہ تو سوچو تیری قوم کی آبادی اس وقت ایک لاکھ سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ تم صرف ظاہر کو دیکھ رہے ہو جب کہ میں تو باطن کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ ہاں تمھارے اصرار کی وجہ سے میں ان پر عذاب نازل کروں گا اور میرا عذاب بدھ کے روز شوال کی پندرہ تاریخ کو نازل ہوگا اور میرا عذاب طلوعِ آفتاب کے بعد نازل ہوگا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے یہ سنا تو انھیں ایک گونہ خوشی محسوس ہوئی۔ انھوں نے اپنے شاگرد تنوخا کو اس سے آگاہ کیا اور اس سے فرمایا کہ آؤ ہم اس نابکار قوم کو ان کے انجام سے آگاہ کریں۔

تنوخا نے کہا: ہمیں انھیں بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں تا کہ اللہ کا عذاب ان پر آجائے۔ حضرت یونسؑ نے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ عذاب کی آمد سے روبیل کو بھی خبردار کردیں اور اس سے بھی مشورہ کرلیں۔ آخرکار حضرت یونسؑ نے روبیل کو عذابِ الٰہی کی آمد کی خبر دی اور اسے بتایا کہ خدا کا عذاب پندرہ شوال کو بدھ کے روز نازل ہوگا۔

اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام نے روبیل سے فرمایا کہ تمھارا کیا خیال ہے، ہم ان لوگوں کو اس عذاب سے باخبر نہ کریں؟ روبیل نے عرض کیا: آپؑ اللہ کے رسول ہیں، آپؑ اپنے رب سے درخواست کریں کہ وہ عذاب کے فیصلہ کو تبدیل کرے کیونکہ اللہ کو انھیں عذاب دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپؑ شفقت و نرمی سے کام لیں اور لوگوں کو زندہ رہنے کا حق دیں۔

تنوخا نے جب روبیل کی یہ باتیں سنیں تو وہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور اس کو سخت سُست کہا۔ روبیل نے حضرت یونس علیہ السلام سے عرض کیا کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ لوگ توبہ کرلیں اور خدا سے مغفرت طلب کرلیں اور خدا ان پر عذاب نازل نہ کرے اور اگر ایسا ہوا تو لوگوں کی نظر میں آپ کا کیا مقام ہوگا۔

تنوخا نے اس سے کہا کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ کیا تجھے نبی صادق کی خبر میں کوئی شک ہے اگر ایسا ہے تو تیرے اب تک کے تمام نیک عمل اکارت ہوگئے ہیں۔

روبیل نے بڑے تحمل سے تنوخا کی باتیں سنیں پھر اس نے حضرت یونس علیہ السلام سے عرض کیا: حضرت! یہ تو سوچیں جب ایک لاکھ سے زیادہ کی آبادی عذابِ الٰہی سے تباہ ہوجائے گی تو اللہ کی نظر میں آپ کا کیا مقام ہوگا اور کیا وہ آپ کا نام فہرست انبیاء سے خارج تو نہیں کردے گا؟!

حضرت یونس علیہ السلام پر روبیل کی صلح جویانہ گفتگو کا کوئی اثر مرتب نہ ہوا۔ آپؑ نے تنوخا کو ساتھ لیا اور شہر کے مرکز میں جا کر یہ اعلان کیا کہ لوگو! بدھ کے روز پندرہ شوال کے دن طلوعِ آفتاب کے بعد تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ جب شہر والوں نے یہ اعلان سنا تو انھوں نے آپؑ کی نہ صرف تکذیب کی بلکہ آپؑ پر تشدد بھی کیا اور انھیں اپنے شہر سے باہر نکال دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام اپنے شاگرد تنوخا کو ساتھ لے کر وہاں سے کچھ فاصلے پر چلے گئے اور وہاں رہ کر اس قوم کے انجام دیکھنے کا انتظار کرنے لگ گئے جب کہ روبیل نے شہر نہ چھوڑا۔ جب ماہ شوال شروع ہوتو روبیل پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور انھوں نے بلند آواز سے یہ اعلان کیا:

لوگو! میں روبیل تم سے مخاطب ہوں۔ میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔ میری باتوں کو توجہ سے سنو، شوال کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ تمھارے نبی یونسؑ نے تمھیں خبر دی ہے کہ اس ماہ کی پندرہ تاریخ کو بدھ کے دن تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور یاد رکھو انھوں نے یہ خبر وحی الٰہی کے بعد تمھیں سنائی تھی۔ اب تم خود سوچو تمھارا انجام کیا ہونے والا ہے۔

جب لوگوں نے روبیل کی دردمندانہ گفتگو سنی تو ان کے دل کانپ اُٹھے اور وہ دوڑ کر روبیل کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ تم ایک صاحب علم و حکمت اور شفیق انسان ہو۔ اب آپ ہی ہمیں مشورہ دیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

روبیل نے کہا: جب بدھ کا دن آئے تو طلوعِ فجر کے ساتھ ہی مرد عورتوں سے جدا ہو جائیں اور مائیں بچوں سے علیحدہ ہو جائیں اور جانوروں سے ان کے دودھ پینے والے بچے دُور کر لیے جائیں اور سب چیخ و پکار لے کر خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس سے معافی طلب کرو اور اپنا رخ آسمان کی طرف کر کے کہو: ''پروردگار! ہم نے ظلم کیا ہے، ہم نے تیرے نبی کی تکذیب کی ہے۔ اب ہم اپنے گناہوں کی تجھ سے معافی طلب کرتے ہیں۔ اگر تو نے ہم پر رحم نہ کیا تو ہم معذب لوگ قرار پائیں گے۔ اے ارحم الراحمین! رحم فرما اور ہماری توبہ قبول فرما۔

روبیل نے کہا کہ جب تک عذاب کے تمام آثار ختم نہ ہو جائیں اس وقت تک مسلسل گریہ و بکا کرتے رہو اور رو رو کر دعائیں مانگتے رہو۔ اہلِ شہر کو روبیل کی بات پسند آئی۔ جب وعدہ کا دن آنے کا وقت قریب ہوا تو طلوعِ فجر کے وقت انھوں نے شہر چھوڑ دیا اور ایک کھلے میدان میں آ گئے۔ ماؤں سے بچے جدا کر دیئے گئے۔ جانوروں سے ان کے بچھڑے علیحدہ کر دیے گئے، معصوم بچے رونے لگے اور بچھڑے ڈکرانے لگے۔

ادھر سورج طلوع ہوا تو عذاب الٰہی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اچانک زرد رنگ کی آندھی شائیں شائیں کرتی ہوئی آئی جس کے آنے کے ساتھ ماحول پر تاریکی پھیل گئی اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے لگا۔ لوگ چیخ چیخ کر توبہ و زاری کرنے

لگے۔ ان کی چیخوں کی آوازیں اتنی بلند تھیں کہ کچھ فاصلہ پر مقیم حضرت یونسؑ اور تنوخا کو ان کی آوازیں سنائی دینے لگی اور وہ اللہ سے درخواست کرتے تھے کہ خدایا ان پر شدید عذاب نازل فرما۔

جب کہ روبیل نے اس شہر کو چھوڑ دیا تھا وہ قریبی گاؤں میں چلا گیا تھا۔ جب وہ اپنی قوم کی گڑگڑاہٹ کی آوازیں سنتا تو بارگاہِ احدیت میں عرض کرتا کہ خدیا! ان پر رحم فرما اور ان سے اپنا عذاب دُور کر دے۔ الغرض زوالِ آفتاب تک عذاب کے آثار طاری رہے' آخرکار رحمتِ خدا جوش میں آئی اور خدا نے اسرافیل فرشتہ سے فرمایا کہ تم جاؤ اپنے پروں کی قوت سے اس عذاب کو دھکیل کر موصل کے پہاڑوں پر گرا دو۔ حضرت اسرافیل آئے انھوں نے خدا کے عذاب کو پروں سے دھکیلا اور اسے موصل کے پہاڑوں پر گرایا جس کی وجہ سے وہ پہاڑ لوہے جیسے بن گئے۔

الغرض زوالِ آفتاب کے وقت آیا ہوا عذاب چھٹ گیا۔ پھر ماؤں نے اپنے بچوں کو اُٹھا کر سینوں سے لگایا اور لوگ اپنے گھروں ۔ واپس آئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو حضرت یونس علیہ السلام نے تنوخا سے فرمایا آؤ چل کر دیکھیں کہ اس قوم کا کیا حال ہوا؟

جب وہ اس سرزمین کے قریب پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام کو سخت صدمہ ہوا اور انھوں نے کہا کہ لوگ پہلے ہی مجھے نبی نہیں مانتے تھے اب تو لوگ مجھے کاذب بھی کہیں گے اب میں یہاں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوں۔ یہ کہہ کر ''بحرایلہ'' کی طرف روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی داستان بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (الانبیا: ۸۷) ''مچھلی والا جب ناراض ہو کر چل پڑا اور اس نے سمجھا کہ ہم اس پر سختی نہیں کریں گے''۔

حضرت یونس علیہ السلام ''بحرایلہ'' کی جانب روانہ ہوئے اور تنوخا اپنی بستی کی طرف لوٹ آیا۔ راستے میں اس کی ملاقات روبیل سے ہوئی۔ روبیل نے ان سے کہا: تنوخا! تم نے اب دیکھ لیا ہے کہ ہم دو میں سے کس کی رائے وزنی تھی۔ اب بتاؤ تمھاری رائے صحیح تھی یا میری رائے صحیح تھی؟

تنوخا نے کہا: میں تصدیق کرتا ہوں کہ آپ کی رائے میری رائے سے زیادہ بہتر تھی۔ میں آج سے قبل اپنے زہد کی وجہ سے اپنے آپ کو تم سے افضل سمجھتا تھا' لیکن اب مجھے اندازہ ہوا ہے کہ ایک عالم' زاہد سے کہیں افضل ہوتا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی جیسے ہی گہرے پانیوں میں داخل ہوئی تو ایک بڑی مچھلی کشتی کے سامنے نمودار ہوئی۔ کشتی میں سوار تمام مسافر اسے دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ حضرت یونسؑ جو کہ کشتی کے اگلے حصہ پر بیٹھے ہوئے

تھے وہ اس جگہ کو چھوڑ کر پچھلے حصہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ مچھلی دوبارہ نمودار ہوئی۔ ملاح نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی بھاگا ہوا غلام سوار ہے جب تک مچھلی اسے نگل نہ لے گی وہ کشتی کو ساحل تک پہنچنے نہ دے گی۔ ہم تمام مسافروں پر قرعہ ڈالتے ہیں جس کے نام قرعہ نکلے وہ کشتی سے چھلانگ لگا دے تاکہ باقی ماندہ مسافروں کی زندگی بچ جائے۔

قرعہ ڈالا گیا تو وہ حضرت یونسؑ کے نام پر نکلا۔ آپؑ نے کشتی سے چھلانگ لگائی۔ مچھلی نے آپؑ کو نگل لیا۔ ایک روایت کے مطابق سات اور دوسری روایت کے مطابق آپؑ تین دن تک مچھلی کے شکم میں رہے۔ آپؑ مچھلی کے شکم میں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کی تسبیح پڑھتے رہے۔ آخرکار اللہ تعالیٰ کو آپؑ پر ترس آیا اور مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں باہر اُگل دے۔

مچھلی نے آپؑ کو باہر اُگلا تو آپؑ کی جلد انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے لیے کدو کی ایک بیل اُگائی جس کے سائے میں آپؑ پورا ہفتہ آرام کرتے رہے۔ ایک ہفتہ کے بعد جب آپؑ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو اللہ نے کدو کی جڑ پر ایک کیڑے کو مسلط کیا' جس کی وجہ سے وہ بیل خشک ہو گئی۔ آپؑ جب چلنے پھرنے کے بعد وہاں آئے تو بیل کو خشک پایا جس کی وجہ سے آپؑ غمگین ہوئے۔

وحی الٰہی ہوئی کہ یونسؑ غمگین کیوں ہو؟ عرض کیا: پروردگار! یہ بیل خشک ہو گئی ہے۔ میں اس بیل سے مانوس ہو چکا تھا مگر تو نے اسے خشک کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یونسؑ! اس کدو کی بیل کو کیا تو نے اپنے ہاتھ سے کاشت نہیں کیا تھا اور تو نے اسے پانی پلا کر بھی پروان نہیں چڑھایا تھا۔ اب اگر ایک بیل خشک ہو گئی ہے تو تجھے اس کا تو رنج ہو رہا ہے جب کہ تو نے ایک لاکھ سے زیادہ آبادی پر بددعا کی تو تجھے ان پر تو رحم نہیں آیا۔ اب تم جاؤ پوری قوم کو تمھارا انتظار ہے۔ وہ تجھے نبی مانیں گے اب جا کر ان کی رہنمائی کرو۔

حضرت یونس علیہ السلام نینویٰ کی طرف چل پڑے۔ جب آپؑ نینویٰ کے قریب پہنچے تو آپؑ کو شرم مانع ہوئی کہ وہاں جائیں تو کیسے جائیں۔ نینویٰ کے قریب آپؑ نے ایک چرواہے کو دیکھا جو بکریاں چرانے میں مصروف تھا۔ آپؑ اس کے قریب گئے اور اس سے فرمایا کہ تم شہر جاؤ اور ان سے کہو کہ یونسؑ واپس آئے ہیں۔ چرواہے نے کہا: آپؑ جھوٹ بولتے ہیں' یونسؑ کو مچھلی نگل چکی ہے۔ اب وہ واپس نہیں آ سکتے۔

آپؑ نے فرمایا کہ میں یونسؑ ہوں۔ چرواہے نے کہا کہ میں آپؑ کو یونس کیسے مان لوں؟ آپؑ نے فرمایا: اگر تیری

بکری سے پوچھ لے تو پھر تو مجھے جان لے گا؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپؑ نے بکری کی طرف اشارہ کیا۔ بکری نے فصیح زبان میں کہا کہ یہ یونسؑ ہیں۔

چرواہا اپنے ریوڑ کو لے کر شہر میں آیا اور شہر والوں سے کہا کہ تمھیں مبارک ہو یونسؑ نبی واپس آ گئے ہیں۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو وہ چرواہے کو مارنے کے لیے دوڑے۔ چرواہے نے کہا کہ تعجب نہ کرو تم میری اس بکری سے پوچھ لو۔ بکری نے دوبارہ فصیح لہجہ میں کہا کہ لوگو! یہ سچ کہہ رہا ہے' یونسؑ تمھارے شہر کے باہر آ چکے ہیں۔

لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور آپؑ کو سلام کیا اور پورے احترام کے ساتھ آپؑ کو شہر میں لے آئے۔ سب لوگوں نے ایمان قبول کیا۔

من لایحضرہ الفقیہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ سورج گرہن اور چاند گرہن پر نمازِ خوف واجب کی گئی ہے' کیونکہ کسوف وخسوف اللہ کی نشانی ہے' جس کے متعلق کوئی پتہ نہیں کہ وہ رحمت کے لیے ہے یا عذاب کے لیے ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چاہا کہ ایسے موقع پر آپؐ کی اُمت اپنے خالق کی طرف رجوع کرے' تاکہ خدا اس کے شر سے ان کو محفوظ رکھے جیسا کہ اس نے قومِ یونسؑ کو آئے ہوئے عذاب سے محفوظ رکھا تھا۔

ایمان کے لیے جبر غیر مناسب ہے

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝

"اور اگر تیرے رب کی یہ مشیت ہوتی کہ تمام لوگ ایمان لائیں تو زمین پر بسنے والے تمام افراد ایمان لے آتے تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں"۔

عیون الاخبار میں ابوالصلت ہروی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے اس آیت کا مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: میرے آبائے طاہرینؑ کی سند سے مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ مدینہ میں کچھ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا تھا کہ جو لوگ آپؐ کے زیر دست ہیں انھیں جبراً کلمہ پڑھوائیں' اس سے ہماری تعداد میں اضافہ ہوگا اور دشمن ہم سے مرعوب ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں کوئی بدعت ایجاد کر کے خدا کے حضور پیش ہونے کا خواہش مند نہیں ہوں۔ اللہ نے جو چیز میرے ذمہ عائد نہیں کی میں اسے اپنی طرف سے ایجاد کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس آیت کے ذریعہ سے اپنے حبیب کو یہ پیغام دیا کہ خدا کسی کو مجبور کر کے ایمان قبول کرانا نہیں چاہتا۔ اگر ایسا ہوتا تو کوئی بھی شخص ثواب و جزا کا حقدار نہ ہوتا۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ لوگ آزاد اور خودمختار ہو کر اپنی مرضی و رغبت سے ایمان لائیں تاکہ وہ جزا اور مقام تقرب کے حقدار بن سکیں۔

کتاب التوحید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اپنا معاملہ خدا کے لیے بناؤ، لوگوں کے لیے نہ بناؤ، کیونکہ جو معاملہ خدا کے لیے ہوگا وہ تو خالص خدا کے لیے ہی شمار کیا جائے گا اور جو معاملہ لوگوں کے لیے ہوگا تو وہ خدا کے ہاں شرف قبولیت حاصل نہ کرے گا اور اپنے دین کے لیے لوگوں سے جھگڑا نہ کرو، کیونکہ جھگڑا دلوں میں بیماری پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (القصص:۵۶) ''آپ جس سے محبت رکھیں اسے راہِ مستقیم پر چلا نہیں سکتے اللہ جسے چاہے راہِ مستقیم پر چلائے''۔

اللہ نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا: أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ''کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں''۔

لوگوں کو ان کے حال پر رہنے دو۔ لوگوں نے لوگوں سے دین حاصل کیا ہے جب کہ تم نے رسولؐ خدا سے دین لیا ہے۔ میں نے اپنے والد علیہ السلام سے سنا تھا کہ جب اللہ کسی بندہ کو اس امر (عقیدہ ولایت) میں داخل کرنا چاہتا ہے تو وہ اتنی تیزی سے اس میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ پرندہ اپنے آشیانہ میں تیزی سے داخل ہوتا ہے۔

بے ایمان لوگوں کو آیات کوئی فائدہ نہیں دیتیں

وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ○

''جو لوگ ایمان لانا نہیں چاہتے انھیں آیات اور تنبیہات کوئی فائدہ نہیں پہنچاتیں''۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''آیات'' سے ائمہ اور ''نذر'' سے انبیاء مراد ہیں۔

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حبیبؐ خدا کو معراج ہوئی تو جبریل امینؑ آپؐ کے

آپ براق لائے۔ آپؐ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس گئے اور وہاں انبیائے کرامؑ سے ملاقات ہوئی۔

معراج سے واپس آنے کے بعد آپؐ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ خدا نے مجھے معراج کرائی تھی اور میں بیت المقدس گیا تھا اور جب میں وہاں سے واپس آ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ فلاں قبیلہ کے پانی پر ٹھہرا ہوا تھا اور سرخ رنگ کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا اور وہ لوگ اس کو تلاش کر رہے تھے۔

کفار مکہ نے یہ بات سنی تو انھوں نے کہا کہ محمدؐ آج سے ایک عرصہ قبل شام گیا تھا، اب شام شہر میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں۔ ان سے شام کی گلیوں اور بازاروں کے متعلق سوال کریں وہ یقیناً جواب نہ دے سکیں گے اور جواب نہ دینے کی وجہ سے انھیں خفت اٹھانا پڑے گی۔

یہ منصوبہ بنانے کے بعد وہ رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپؐ سے شام کے بازاروں، تجارتی مراکز اور شام کے دروازوں کے متعلق سوال کرنے شروع کر دیئے۔ نبی اکرمؐ کو ان کے سوال گراں محسوس ہوئے۔ اتنے میں جبریلؑ آئے اور انھوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: لیجیے میں نے آپؐ کے لیے شام کو بلند کر دیا ہے۔ یہ جو کچھ پوچھیں آپؐ اسے دیکھ کر جواب دیتے جائیں۔ چنانچہ لوگ پوچھتے گئے آنحضرتؐ جواب دیتے گئے، مگر اس کے باوجود بھی انتہائی کم افراد آپؐ پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا: وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ''جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے ان کے لیے آیات اور تنبیہات فائدہ مند نہیں ہوتیں''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان نہ لائیں۔

تفسیر عیاشی میں محمد بن فضل سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے ''فرج'' (کشائش) کے متعلق کچھ دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ کشائش کا انتظار بھی کشائش کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ''آپ کہہ دیں کہ تم انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تمھیں کیا چیز مانع ہے کہ جو شخص عقیدہ امامت پر مر جائے اس کے لیے جنت کی گواہی دو۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ''اس طرح ہم پر یہ حق ہے کہ اہلِ ایمان کو نجات دیں''۔

○○○

سُورَةُ هُودٍ

سورة هود نزلت بمكة غير اية اقم الصلاة طرفی النهار

وهی مائة وثلاث وعشرون اية وهی عشر ركوعات

"سورۂ ہود مکہ میں نازل ہوئی البتہ اقم الصلاۃ طرفی النہار کی آیت مدنی ہے۔

اس کی ایک سو تیئس آیات ہیں اور دس رکوع ہیں۔

سورۂ ہود کے مرکزی موضوعات

اس سورہ کے بعض مرکزی موضوعات یہ ہیں: خدا کا رازق ہونا' آسمان و زمین چھ روز میں پیدا ہوئے۔ انسانی حالت' حضرت رسولؐ کی فہمائش' قرآن کے مبنی برحقیقت ہونے کی دلیل' رسول کا تامی اور گواہ' ظالموں پر خدا کی لعنت' مومن و کافر کی تشبیہ' حضرت نوحؑ کا قصہ' نافرمانی کی وجہ سے خاندان سے خروج' قومِ ہودؑ کا قصہ' توبہ و استغفار کے فوائد' حضرت صالحؑ کا قصہ' حضرت اسحاقؑ کی پیدائش' حضرت لوطؑ کا قصہ' قیامت میں دو قسم کے لوگ ہوں گے' ظالم کی اعانت بھی ظلم ہے اور نماز پنجگانہ کا وجوب وغیرہ۔

فضائل سورۂ ہود

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص ہر جمعہ کے دن سورہ ہود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اسے گروہِ انبیاء کے ساتھ مبعوث فرمائے گا اور اس کے نامۂ اعمال میں کوئی لغزش مرقوم نہ ہوگی۔

مجمع البیان میں ابی بن کعب سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورہ ہود پڑھے تو حضرت نوح علیہ السلام کی تصدیق و تکذیب کرنے والے افراد اور ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ، لوطؑ، ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کی تصدیق کرنے والے اور ان کی تکذیب کرنے والے افراد کی تعداد سے دس گنا زیادہ اسے اجر دے گا۔

ابوحجیفہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ تو بہت جلدی بوڑھے ہو گئے (اس کی وجہ کیا ہے؟)

آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔

کتاب الخصال میں ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر نے رسولؐ خدا سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپ بہت تیزی سے بوڑھے ہوگئے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: مجھے ہود، واقعہ، مرسلات اور عم یتساءلون جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

ооо

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۚ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾ **وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ** مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَي

الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ
مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا
سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ
لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا
رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ
نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّىْ ؕ اِنَّهٗ
لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱۱ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ
وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ
مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۱۲
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ
وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۳
فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۴ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

سہارا اللہ کے نام کا جو رحمٰن و رحیم ہے

"الرٰ۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم بنائی گئی ہیں۔ پھر صاحب حکمت باخبر کی طرف سے تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں کہ تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں تمھارے لیے اس کی جانب سے ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔

اور یہ کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو پھر اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک خاص مدت تک کے لیے تمھیں اچھا سامانِ زیست فراہم کرے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو میں تمھارے متعلق ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تمھیں خدا کی طرف پلٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

آگاہ رہو یہ لوگ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ اس سے چھپ جائیں۔ آگاہ رہو جب یہ کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں تو جسے وہ چھپا رہے ہیں اور جسے ظاہر کر رہے ہیں

اسے اللہ خوب جانتا ہے۔ وہ سینوں میں چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔

زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ اس کے رہنے کی جگہ اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے۔ یہ سب کچھ کتاب مبین میں ہے۔

اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام (اَدوار) میں پیدا کیا اور اس کا تختِ اقتدار پانی پر تھا تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے اور اگر آپ کہیں کہ موت کے بعد تم اٹھائے جاؤ گے تو منکرین حق یہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو واضح جادو کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

اور اگر ہم ایک خاص مدت تک ان سے عذاب کو مؤخر کردیتے ہیں تو وہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ آخر کس چیز نے اسے روک رکھا ہے؟ جب اس سزا کا وقت آئے گا تو اسے ان سے ہٹایا نہیں جاسکے گا اور جس عذاب کا وہ مذاق اُڑا رہے ہیں۔ وہی عذاب ان کو گھیر لے گا۔

اور اگر کبھی ہم انسان کو رحمت کا مزہ چکھانے کے بعد اس سے سلب کرتے ہیں تو وہ مایوس ہوجاتا ہے اور ناشکری کرنے لگ جاتا ہے۔

اور اگر اسے تکلیف پہنچنے کے بعد نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ مجھ سے تمام برائیاں دور ہوگئی ہیں اور وہ خوش ہوکر فخر کرنے لگتا ہے۔ مگر وہ لوگ اس کیفیت سے مستثنیٰ ہیں جو صبر کرنے والے نیکوکار ہیں ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے تو شاید تم اپنی طرف بھیجی جانے والی وحی کے بعض حصوں کو ترک کرنے والے ہو اور اس سے تمھارا سینہ اس لیے تنگ ہوا ہے کہ یہ لوگ یہ کہیں گے کہ اس پر خزانہ نازل کیوں نہیں کیا گیا یا اس کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ آپ تو صرف عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا نگران اور ذمہ دار ہے۔

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے خود قرآن گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ تم اس جیسے دس سورہ

گھڑ کر لے آؤ اور خدا کے علاوہ جو بھی تمھارے معبود ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

پھر اگر وہ (تمھارے معبود) تمھاری مدد کو نہ پہنچیں تو پھر جان لو کہ یہ کتاب اللہ کے علم سے نازل ہوئی ہے اور یہ کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو کیا تم سرِ تسلیم خم کرتے ہو؟ جو لوگ دنیاوی زندگی اور اس کی خوشنمائی کے طالب ہوتے ہیں تو ہم اُن کے اعمال کا پورا بدلہ یہیں دے دیتے ہیں اور ان سے کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں نارِ دوزخ کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور ان کے سارے اعمال اکارت ہوگئے ہیں اور ان کا سب کیا دھرا باطل ہوگیا ہے۔

کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل رکھتا ہو اور اس کے پیچھے اس کا گواہ بھی ہے جو خود اسی میں سے ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب گواہی دے رہی ہے جو کہ رہنما اور رحمت ہے۔ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور انسانی گروہوں میں سے جو بھی اس کا انکار کرے تو دوزخ اس کے لیے وعدہ گاہ ہے۔ تم اس میں شک نہ کرنا۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے حق ہے لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں رکھتی۔

قرآن کی آیات محکم اور مفصل ہیں

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ

"الٓرٰ، یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم بنائی گئی ہیں پھر صاحب حکمت باخبر کی طرف سے تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں"۔

"الٓرٰ" مبتداء ہے اور وہ کتاب "اس کی خبر ہے"۔ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ "کتاب" کی صفت ہے۔

۱۔ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اس کتاب کی آیات محکم اور مضبوط ہیں اور یہ کبھی منسوخ نہیں ہوں گی۔

قرآن مجید میں اگرچہ کچھ منسوخ آیات بھی موجود ہیں لیکن اس کی زیادہ تر تعداد غیر منسوخ اور نافذ العمل ہے اسی لیے تمام آیات قرآنیہ کے لیے لفظ محکم کا اطلاق کیا گیا ہے۔

۲- اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اس کی آیات میں خدائے حکیم کی طرف سے حکمت شامل کی گئی ہے۔

۳- آیات کو محکم بنانے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ قرآنی آیات کا لب لباب عقیدہ توحید، عدل، نبوت، امامت و قیامت ہے اور یہ مفاہیم کبھی بھی قابلِ نسخ نہیں رہے۔

۴- آیات کے محکم بنانے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ آیات قرآنیہ میں کوئی تناقض و تضاد نہیں ہے اور یہ فصاحت و بلاغت کے آخری درجہ پر فائز ہیں کہ کائنات کا کوئی بھی فرد ان کی مثال لانے سے عاجز ہے۔

''فصلت'' کا مفہوم

آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کتاب کی آیات محکم اور مفصل ہیں اور مفصل ہونے کے چند مفاہیم ہیں:

۱- آیات کو سورتوں اور آیت آیت کے تحت لایا گیا ہے۔

۲- آیات کو یکے بعد دیگرے بھیجا گیا ہے۔

۳- انسانی ضروریات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

۴- اس میں حلال وحرام کو علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

استغفار وتوبہ کے فوائد

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ ۙ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّیُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ ۝

''کہ تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں تمھارے لیے اس کی جانب سے ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔ اور یہ کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو۔ پھر اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک خاص عرصہ تک کے لیے تمھیں اچھا سامانِ زیست فراہم کرے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا اور اگر تم منہ پھیرتے ہو تو میں تمھارے متعلق ایک بڑے ہولناک

دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں"۔

مقصدِ آیات یہ ہے کہ کتاب کو اس لیے محکم و مفصل بنایا گیا ہے تاکہ تم بس اللہ کی ہی عبادت کرو۔ کتاب مقدس کا ماحصل ہی یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے اور انبیاء کی بعثت اور ان کی تبلیغ کا پہلا مقصد بھی یہی ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے نذیر اور بشیر ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ کلمۂ توحید کا انکار کرتے ہیں رسولِ خدا ان کے لیے عذاب کی خبر دینے والے ہیں اور جو لوگ توحید خداوندی کا اقرار کریں اور استغفار و توبہ کریں تو آنحضرتؐ ان کے لیے بشیر ہیں اور آپ کی بشارت یہ ہے کہ اگر تم نے استغفار اور توبہ کے تقاضوں پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں اچھا سامانِ زیست فراہم کرے گا اور ہر شخص کو اس کی فضیلت کے مطابق درجات عطا کرے گا۔

اس آیت میں ایک نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی منافع کو لفظ "متاع" سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی تھوڑے بہت فائدہ کے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافع دنیا آخرت کے مقابلہ میں انتہائی کم اور قلیل ترین ہیں اسی لیے دنیاوی منافع کو اللہ نے لفظ "متاع" سے تعبیر کیا ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

اللہ کا اصول یہ ہے کہ وہ ہر صاحبِ فضیلت کو فضیلت کے درجات عطا کرتا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ کے تحت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں۔ مقصد روایت یہ ہے کہ تمام صاحبانِ فضل میں حضرت علی علیہ السلام اعلیٰ وارفع شخصیت کے مالک ہیں۔

منہ لپیٹ کر گزرنے والے

أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

"آگاہ رہو کہ یہ لوگ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپ جائیں۔ آگاہ رہو جب یہ کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں تو جسے وہ چھپا رہے ہیں اور جسے ظاہر کر رہے ہیں اسے اللہ خوب جانتا ہے اور وہ سینوں میں چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے"۔

روضہ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

...میں بیٹھے ہوتے تو اس وقت مشرکین طواف کعبہ کے لیے آتے تو وہ اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیتے تھے تاکہ رسولؐ خدا انہیں نہ پہچان سکیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کی کوئی فضیلت بیان کرتے تو منافق اپنے کپڑے سمیٹنے لگ جاتے تھے۔ چنانچہ اللہ نے اس آیت میں ان کی اسی حالت کو بیان کیا ہے۔

ہر جاندار کا رزق خدا کے ذمہ ہے

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

''اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق خدا کے ذمہ نہ ہو''۔

کائنات میں ہزاروں قسم کے جاندار ہیں اور ان کی غذا ایک دوسرے سے جدا جدا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اجناس کو ان کی طبائع اور اعضاء کے تقاضوں کے مطابق رزق فراہم کرتا ہے۔ روایات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی شانِ رزّاقی دکھانے کے لیے فرمایا کہ اس چٹان پر عصا مارو۔ حضرتؑ نے عصا مارا تو وہ چٹان پھٹ گئی۔ اندر سے دوسری چٹان نمودار ہوئی۔ آپؑ نے اس پر بھی عصا مارا تو وہ پھٹ گئی۔ اس میں سے ایک اور چٹان برآمد ہوئی۔ آپؑ نے اس پر بھی عصا مارا تو وہ پھٹ گئی۔ اس میں سے ایک ننھا سا کیڑا برآمد ہوا۔ اس کے منہ میں ایک سبز پتہ تھا جسے وہ چبا رہا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کانوں سے خدا نے حجاب ہٹایا تو آپؑ نے سنا کہ وہ کیڑا کہہ رہا تھا: ''پاک ہے وہ جو مجھے دیکھ رہا ہے اور میرا کلام سن رہا ہے اور میری موجودگی سے واقف ہے اور وہ مجھے یاد رکھتا ہے اور وہ مجھے فراموش نہیں کرتا''۔ (اضافۃ من المترجم)

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ایک بدوی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں ایک کثیر العیال شخص ہوں اور بھائیوں، بہنوں اور بھتیجوں کی کفالت بھی میرے ذمہ ہے، لیکن میں انتہائی غریب اور مفلس ہوں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ وہ ہمارے حالات بہتر بنائے۔

رسولؐ خدا نے اسے تسلی دی اور اس کے سامنے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کی آیت پڑھی اور اس کے حق میں دعا فرمائی۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ایک شخص نے حضرت عمر کے عہدِ حکومت میں اسے دیکھا

تھا۔ اس وقت وہ شہر مدینہ کا سب سے بڑا مالدار شخص تھا۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں

''اس نے سب کو روزی بانٹ رکھی ہے۔ وہ سب کے عمل و کردار اور سانسوں تک کے شمار [illegible]
چھپی نظروں اور سینے کی مخفی نیتوں اور صلب میں ان کے ٹھکانوں اور شکم میں ان کے سونپے جانے کی جگہوں [illegible]
ہے یہاں تک کہ ان کی عمریں اپنی حد و انتہا کو پہنچ جائیں''۔

زمین و آسمان چھ دنوں (اَدوار) میں پیدا ہوئے

[illegible]

''اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (ادوار) میں پیدا کیا اور اس کا تخت اقتدار
پانی پر تھا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے؟''

عیون الاخبار میں ابوالصلت عبداللہ بن صالح ہروی سے منقول ہے کہ مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام
سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا

اللہ تعالیٰ نے عرش، پانی اور ملائکہ کو آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے خلق کیا تھا۔ ملائکہ اپنے وجود اور عرش [illegible]
کر خدا کی ذات کا استدلال کرتے تھے۔ پھر اللہ نے اپنا عرش اقتدار پانی پر قائم کیا، تاکہ ملائکہ کو اس کی قدرت [illegible]
اور انہیں معلوم ہو سکے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ پھر اللہ نے عرش کو اپنی قدرت سے منتقل کیا اور اسے سات [illegible]
کے اوپر قرار دیا۔

پھر اس نے سات آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (ادوار) میں پیدا کیا۔ خدا چشم زدن میں بھی پیدا کرنے کی قدرت
رکھتا تھا لیکن اس نے چھ ایام (ادوار) میں اس لیے پیدا کیا تاکہ ملائکہ یہ جان سکیں کہ آسمان و زمین تدریجی طور پر [illegible]
ہیں اور اس درجہ بندی سے ان کا حادث ہونا ثابت کیا جب کہ ہر حادث اپنے وجود کے لیے اپنے خالق کا محتاج ہوتا ہے۔
اللہ نے عرش کو اپنی کسی احتیاج کی بنا پر پیدا نہیں کیا۔ وہ عرش اور اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے۔ اس کے متعلق یہ [illegible]
نہیں ہے کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ اللہ جسم و جسمانیات سے پاکیزہ ہے اور وہ اپنی مخلوق کی صفت سے منزہ ہے۔ پھر [illegible]

تخلیق انسان کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ''تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے؟''

خدا نے یہ نہیں کہا کہ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ تم میں سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے کیونکہ خدا تو ہر چیز کا پہلے سے عالم ہے۔ جب مامون نے امام علیہ السلام کا یہ بیان سنا تو اس نے کہا:

اے ابوالحسنؑ! آپؑ نے میرا عُقدہ حل کردیا۔ خدا آپؑ کے عُقدے حل فرمائے۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دنیا کو چھ ایام میں پیدا کیا۔ پھر ان کے ایام کو سال کے دنوں سے نفی کردیا ہے اسی لیے ایک سال تین سو چون (۳۵۴) دنوں کا ہوتا ہے (جب کہ اصولی طور پر اسے تین سو ساٹھ دنوں پر مشتمل ہونا چاہیے تھا۔

احتجاج طبرسی میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں: اللہ تعالیٰ نے احکامِ شریعت کو رفتہ رفتہ مکمل کیا' تاکہ مخلوق کے لیے ان پر عمل کرنا آسان ہوسکے اور مبلغین شریعت کے لیے بھی آسانی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بھی چھ مراحل میں پیدا کیا' حالانکہ اگر وہ چاہتا تو وہ چشمِ زدن میں بھی انھیں پیدا کرسکتا تھا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ کے ضمن میں مرقوم ہے: ابتدائے تخلیق کے وقت عرشِ اقتدار پانی پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو پیدا کیا۔ پھر قلم کو پیدا کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ جاری ہوجائے (یعنی لکھے)۔ قلم نے عرض کیا: پروردگار! میں کیا لکھوں؟

اللہ نے فرمایا: جو کچھ کائنات میں ظہور پذیر ہونا ہے وہ سب کچھ لکھو۔ پھر اللہ نے ہوا سے تاریکی کو پیدا کیا اور ہوا سے روشنی کو پیدا کیا اور پانی کو ہوا سے پیدا کیا اور عرش کو ہوا سے بنایا اور اس نے ہوا کی ایک قسم کو ''ریح عقیم'' یعنی سخت ہوا بنایا اور آگ کو ہوا سے پیدا کیا۔ پھر تمام مخلوقات کو ہوا سے پیدا ہونے والی چھ اشیاء سے پیدا کیا۔ اللہ نے سخت ہوا کو پانی پر مسلط کیا۔ اس نے پانی کو سخت حرکت دی جس سے بڑی بڑی موجیں وجود میں آئیں اور جھاگ پیدا ہوئی اور اس کا دھواں ہوا میں پھیلنے لگا۔ جب وہ وقت آیا جس کا خدا نے ارادہ کیا تھا تو جھاگ سے کہا: جم جا۔

جیسے ہی حکم صادر ہوا جھاگ جم گئی اور موج سے فرمایا کہ تو بھی جم جا۔ موج جم گئی۔ اللہ نے جھاگ سے زمین بنائی اور موج سے مضبوط پہاڑ پیدا کیے۔ جب وہ جم گئے تو اللہ نے روح وقدرت سے کہا: تم آسمان پر میرے عرش کو سجاؤ۔ انھوں نے اللہ کا عرش آسمانوں پر سجایا۔

اللہ تعالیٰ نے دھوئیں سے فرمایا کہ جم جا۔ وہ جم گیا۔ پھر اللہ نے حکم دیا کہ تو لمبی سانس لے۔ پھر اس سے اور زمین سے فرمایا: چاہو تو خوشی سے ہمارا حکم قبول کرو چاہو تو مجبور ہو کر ہمارا حکم تسلیم کرو۔ انھوں نے کہا: ہم بخوشی اطاعت کر رہے ہیں۔ پھر اللہ نے دو دنوں میں آسمان پیدا کیے اور ان کے برابر سات زمینیں پیدا کیں۔ جب اس نے مخلوق کا رزق پیدا کر لیا تو اس نے آسمان، جنات اور ملائکہ کو جمعرات کے دن پیدا کیا۔ زمین کو اتوار کے دن پیدا کیا اور بری و بحری مخلوقات کو سوموار کے دن پیدا کیا اور انھی دو دنوں کے لیے اللہ نے فرمایا ہے: اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (حم السجدہ: ۹) ''تو کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا؟''

اللہ تعالیٰ نے درخت، دریا اور دریائی مخلوق اور چرند منگل کے دن پیدا کیے اور جنات کے جدِّ اعلیٰ ''جان'' کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور پرندے بدھ کے دن پیدا کیے اور آدم علیہ السلام کو روزِ جمعہ کی چھ گھڑیوں میں پیدا کیا۔ الغرض اللہ نے چھ ایام میں آسمانوں اور زمین اور ان میں رہنے والی مخلوقات کو پیدا کیا۔

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اتوار کے دن ''خیر'' کو پیدا کیا۔ اللہ ''خیر'' سے قبل ''شر'' کو پیدا نہیں کر سکتا تھا اور اتوار سوموار کے دنوں میں زمینیں پیدا کیں اور زمینی غذاؤں کو بدھ کے دن پیدا کیا اور آسمانوں کو بدھ اور جمعرات کے دنوں میں پیدا کیا اور آسمانی غذاؤں کو جمعہ کے دن پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ''خدا نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس کو چھ دنوں میں پیدا کیا''۔

کیا خدا عرش پر بیٹھا ہوا ہے؟

وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

''اور اس کا عرشِ اقتدار پانی پر تھا''۔

کتاب التوحید میں داؤد رقی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ کے متعلق دریافت کیا تو اس کے جواب میں آپؑ نے فرمایا: لوگ اس کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں؟

میں (راوی) نے کہا: لوگ تو کہتے ہیں کہ عرش پانی پر تھا اور خدا عرش پر بیٹھا ہوا تھا۔

یہ سن کر آپؑ نے فرمایا: وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر اس نظریہ کو مان لیا جائے تو خدا ''محمول'' (اٹھایا جانے والا) قرار

جواب — یہ صفت مخلوق کی ہے خالق کی نہیں ہے اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس نے خدا کو اٹھایا تھا اس میں زیادہ طاقت تھی اور خدا میں تھوڑی طاقت تھی جبھی تو اٹھایا تھا!

میں (راوی) نے کہا: میں آپؑ پر قربان جاؤں آپؑ ہی اس کی وضاحت کریں۔

آپؑ نے فرمایا: اللہ نے اپنے علم اور اپنے دین کو پانی پر سوار کیا۔ اس وقت نہ تو آسمان تھا اور نہ ہی زمین بنی تھی اور اس وقت نہ انسان تھے اور نہ ہی جن تھے اور اس وقت شمس وقمر کا وجود نہیں تھا۔ پھر جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو انھیں اپنے سامنے پھیلا دیا اور ان سے کہا کہ تمھارا رب کون ہے؟

سب سے پہلے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علی اور ائمہ علیہم السلام نے جواب دیا اور کہا کہ تو ہی ہمارا رب ہے۔ اللہ نے اپنا علم اور اپنا دین ان کے سپرد کر دیا، پھر خدا نے ملائکہ سے فرمایا: یہ ہستیاں میرے علم اور میرے دین کی حامل ہیں اور میری مخلوق میں میرے امین ہیں اور یہ مسئول (جواب دہ) ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ نے اولادِ آدمؑ سے فرمایا کہ تم میری ربوبیت اور ان کی اطاعت کا اقرار کرو۔

بنی آدم نے کہا: خدایا! ہم نے تیرے فرمان کو تسلیم کیا اور ہم نے اقرار کیا۔

اس وقت اللہ نے ملائکہ سے فرمایا کہ تم ان کے اقرار کے گواہ بن جاؤ، تاکہ کل روزِ حشر میں ان میں سے کوئی یہ نہ کہنے پائے کہ آخر ہم کیا کرتے، ہمارے آباء واجداد نے شرک کیا تھا۔ ہم تو ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے لوگ تھے۔

حدیث کے آخر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: روزِ میثاق ہماری ولایت کی تاکید کی گئی تھی۔

اصول کافی کی دو روایات میں بھی اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ جب کائنات میں صرف پانی ہی پانی تھا اور پوری کائنات وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ کا منظر پیش کر رہی تھی تو اس پانی میں بیت اللہ کا مقام ایک سفید موتی کی طرح سے چمکتا تھا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں ابوبکر حضرمی سے منقول ہے کہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک حج کے لیے آیا اور اس کے ساتھ "ابرش کلبی" بھی تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی حج کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ہشام کی نظر امام صادقؑ پر پڑی تو اس نے اپنے مصاحب خاص "ابرش کلبی" سے کہا کہ تم انھیں جانتے ہو؟ اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ ہشام نے کہا: کیا یہ وہ ہے جس کے وسعتِ علم کی وجہ سے شیعہ اسے اپنا نبی مانتے ہیں۔

"ابرش" نے کہا: اگر یہ بات ہے تو پھر میں اس سے وہ مسئلہ پوچھتا ہوں جس کا جواب نبی اور وصی کے علاوہ اور کوئی

نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر ابرش امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ آپؑ مجھے قرآن کریم کی ایک آیت کا مفہوم سمجھائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (انبیاء: ۳۰) ''کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین بند تھے ہم نے انھیں کھول دیا) سوال یہ ہے کہ وہ بند کیسے تھے اور کھلے تو کیسے کھلے؟''

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی صفات وہی ہیں جو اس نے خود بیان کی ہیں۔ اللہ کا عرش اقتدار پانی پر تھا اور پانی ہوا پر تھا اور ہوا کی کوئی حد نہیں تھی۔ اس وقت پانی اور ہوا کے علاوہ کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پانی میٹھا تھا۔ پھر جب خدا نے زمین بنانے کا ارادہ کیا تو ہواؤں کو چلنے کا حکم دیا۔ جب ہوائیں چلیں تو موجیں وجود میں آئیں۔ موجوں سے جھاگ پیدا ہوئی اور پھر جھاگ یکجا ہوئی۔ اللہ نے اس جھاگ کو بیت اللہ کے مقام پر جمع کیا۔ پھر خدا نے جھاگ کا پہاڑ بنایا اور اس کے نیچے سے زمین بچھائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَهُدًى لِّلْعٰلَمِينَ ۝ (آل عمران: ۹۶) ''یقیناً پہلا گھر جسے لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے اور وہ بابرکت اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے''۔

پھر جتنا عرصہ تک خدا چاہتا تھا، ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد جب اس نے آسمان بنانے کا ارادہ کیا تو ہواؤں کو چلنے کا حکم دیا وہ سمندروں پر چلتی رہیں، یہاں تک کہ جھاگ پیدا ہوئی۔ پھر اس جھاگ اور موج سے آگ کے بغیر دھواں پیدا ہوا جس سے خدا نے آسمان بنایا اور اس میں بروج و نجوم پیدا کیے اور سورج چاند کی منازل مقرر فرمائیں اور انھیں فلک میں چلایا۔ آسمان سبز پانی کے رنگ کی طرح سے سبز تھا اور زمین میٹھے پانی کے رنگ کی طرح سے غبار آلود تھی۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں: پھر یہ کہ اس نے کشادہ فضا، وسیع اطراف واکناف اور خلا کی وسعتیں پیدا کیں اور ان میں ایسا پانی بنایا جس کے دریائے مواج کی لہریں طوفانی اور بحر ذخار کی موجیں تہ بہ تہ تھیں۔ اسے تیز ہوا اور تند آندھی کی پشت پر لادا۔ پھر اسے پانی کے پلٹانے کا حکم دیا اور اسے اس کے پابند رکھنے پر قابو دیا اور اسے پانی کی سرحد سے ملا دیا۔ اس کے نیچے ہوا دُور تک پھیلی ہوئی تھی اور اُوپر پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پھر اللہ سبحانہ نے اس پانی کے اندر ایک ہوا خلق کی، جس کا چلنا بانجھ (بے ثمر) تھا اور اسے اس کے مرکز پر قرار رکھا۔ اس کے جھونکے تیز کر دیے اور اس کے چلنے کی جگہ دُور اور دراز تک پھیلا دی۔ پھر اس ہوا کو مامور کیا کہ وہ پانی کے ذخیرے کو تھپیڑے دے اور بحرِ بے کراں کی موجوں کو اُچھالے۔ اس ہوا نے پانی کو یوں متھ دیا جس طرح دہی کے مشکیزے کو متھا جاتا ہے اور اسے دھکیلتی ہوئی تیزی سے

چلی جس طرح خالی فضا میں چلتی ہے اور پانی کے ابتدائی حصے کو آخری حصے پر اور ٹھہرے ہوئے کو متلاطم پر پلٹانے لگی یہاں تک کہ اس متلاطم پانی کی سطح بلند ہوگئی اور وہ تہ بہ تہ پانی جھاگ دینے لگا۔ اللہ نے وہ جھاگ کھلی ہوا اور کشادہ فضا کی طرف اٹھائی اور اس سے ساتوں آسمان پیدا کیے۔ نیچے والے آسمان کو رکی ہوئی موج کی طرح بنایا اور اُوپر والے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ الی آخرہ (اضافۃ من المترجم نقلا عن نہج البلاغہ)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ ابن عباس نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے چند مسائل دریافت کرائے۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ کا تعلق عرش سے بھی تھا۔ اللہ نے عرش سے قبل صرف تین چیزوں یعنی ہوا، قلم اور نور کو پیدا کیا تھا۔

اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ''تا کہ خدا تمھیں آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل کون کرتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ عمل میں بہتری کو دیکھنا چاہتا ہے عمل کی کثرت کو دیکھنا نہیں چاہتا (یعنی خدا عمل کی کیفیت کو دیکھتا ہے کمیت کو نہیں دیکھتا) اور عمل کا حُسن خوفِ خدا اور سچی نیت میں مضمر ہے۔

نہج البلاغہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے یہ کلمات منقول ہیں: اللہ سبحانہٗ نے اپنے رسولوں کو وحی کے امتیازات کے ساتھ بھیجا اور انھیں مخلوق پر اپنی حجت ٹھہرایا، تا کہ وہ یہ عذر نہ کر سکیں کہ ان پر حجت تمام نہیں ہوئی۔ چنانچہ اللہ نے انھیں سچی زبانوں سے راہِ حق کی دعوت دی۔ (یوں تو) خدا مخلوقات کو اچھی طرح جانتا بوجھتا ہے اور جن رازوں اور بھیدوں کو وہ چھپا کر رکھتے ہیں، خدا ان سے بے خبر نہیں ہے۔ (پھر یہ احکام اس لیے دیئے ہیں) کہ وہ ان لوگوں کو آزما کر ظاہر کردے کہ ان میں سے اعمال کے لحاظ سے کون اچھا ہے تا کہ ثواب ان کی جزا اور عقاب ان کی (بداعمالیوں) کی پاداش ہو۔

کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور وہ ان کے انجام سے بھی باخبر تھا۔ اللہ نے انھیں چند چیزوں کے بجا لانے کا حکم دیا اور چند چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا۔ جن امور کو اس نے بجا لانے کا حکم دیا ہے لوگوں میں اس کے بجا لانے کی استطاعت بھی رکھی ہے اور جن چیزوں سے خدا نے منع کیا ہے اس سے دُور رہنے کی بھی لوگوں میں قدرت رکھی ہے۔ البتہ جب لوگ اس کے اوامر بجا لاتے ہیں اور اس کے نواہی سے باز رہتے ہیں تو اس میں خدا کا اذن شامل ہوتا ہے۔ اللہ نے کسی کو اپنی نافرمانی پر مجبور نہیں کیا البتہ خدا بندوں کی آزمائش ضرور کرتا ہے۔ اس ذریعہ سے وہ یہ دیکھتا ہے کہ بہتر عمل کرنے والے کون ہیں؟

اُمتِ معدودہ

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ......

''اور اگر ہم ان سے ایک خاص مدت تک کے لیے عذاب مؤخر کردیتے ہیں تو کہنے لگ جاتے ہیں کہ اسے کس چیز نے روک رکھا ہے؟''

آیت مجیدہ کا ایک ممکنہ ترجمہ یہ بھی ہے اور اگر ہم ان سے کچھ مخصوص اور مقرر کردہ گروہ کے آنے تک عذاب کو مؤخر کردیتے ہیں تو کہنے لگ جاتے ہیں کہ اسے کس چیز نے روک رکھا ہے؟

لفظ ''امۃ'' کا اطلاق لوگوں کے ایک گروہ پر ہوتا ہے مثلاً اگر ہم کہیں جاء نی امة من الناس تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ میرے پاس لوگوں کا ایک گروہ آیا۔ قرآن مجید میں بھی لفظ ''اُمت'' انسانی گروہ کے معانی میں آیا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے: وجد علیہ اُمة من الناس یسقون' یا وادکر بعد اُمة یعنی اس نے کئی گروہوں کے گزر جانے کے بعد یوسف کو یاد کیا۔ کفارِ مکہ آنحضرتؐ کا مذاق اُڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم جس عذاب سے ہمیں ڈرا رہے ہو آخر وہ عذاب ہم پر کیوں نہیں آجاتا؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس عذاب کے نازل کرنے کا ایک وقت ہم نے مقرر کر رکھا ہے، جب وہ وقت آئے گا تو پھر عذاب تم سے ہٹایا نہ جائے گا۔ کفارِ مکہ کو اگرچہ غزوات میں عذاب الٰہی کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر وہ عذاب آئے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن الرازی)

روایاتِ اہلِ بیتؑ میں ''اُمت معدودہ'' سے اصحابِ قائمؑ کو مراد لیا گیا ہے جیسا کہ حسب ذیل چار روایات میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اُمة معدودة یعنی گنے ہوئے گروہ کے افراد کی تعداد مجاہدین بدر کی تعداد کے برابر ہوگی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اصحابِ قائمؑ کی تعداد تین سو سے کچھ اُوپر ہوگی۔ خدا کی قسم وہ اُمۃ معدودہ ہیں اور انھی کے متعلق وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ کی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور جب خدا کا حکم ہوگا تو وہ خریف کے بادل کے متفرق ٹکڑوں کی طرح سے ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔

حسین بن خزاز کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اُمۃ معدودہ سے حضرت قائمؑ اور ان کے اصحاب مراد ہیں۔

روضہ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضرت قائمؑ کا ظہور ہوگا تو اللہ تعالیٰ آپؑ کے تین سو تیرہ ساتھیوں کو آپؑ کے لیے جمع کردے گا اور وہ خریف کے بادل کے ٹکڑوں کی طرح سے ایک دوسرے سے آکر مل جائیں گے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی حضرت علی علیہ السلام سے یہی مفہوم منقول ہے۔

ایک انسانی عادت

وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

"اگر کبھی ہم انسان کو رحمت کا مزہ چکھانے کے بعد اس سے رحمت سلب کرلیتے ہیں تو وہ مایوس ہوجاتا ہے اور ناشکری کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اگر ہم اسے تکلیف پہنچنے کے بعد نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ مجھ سے تمام برائیاں چلی گئی ہیں اور وہ خوش ہوکر فخر کرنے لگ جاتا ہے۔ مگر وہ لوگ اس کیفیت سے مستثنیٰ ہیں جو صبر کرنے والے نیکوکار ہیں ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے"۔

ان آیات میں عام انسانی نفسیاتی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر انسان کو نعمت مل جائے تو وہ ناشکری کرتا ہے اور اگر اس سے نعمت سلب کرلی جائے تو وہ نا اُمیدی اور مایوسی میں چلا جاتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ یہاں کی نعمات بھی انتہائی محدود اور ہوا کے ایک جھونکے کی مانند ہیں اور دنیا کے حالات ہر وقت تغیر پذیر رہتے ہیں۔ کبھی سکھ ہے تو کبھی دکھ ہے۔ کبھی شہنائی کی گونجیں ہیں تو کبھی ماتم کی صدائیں ہیں۔ تھوڑے دل والے انسان دکھ کو دیکھ کر جزع فزع کرنے لگ جاتے ہیں جب کہ اہلِ صبر اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ رکھنے والے افراد سکھ میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور دکھ کی گھڑی میں صبر کرتے ہیں۔

الخصال میں مرقوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے اپنی ایک وصیت میں فرمایا تھا: یاعلیؑ! ایک مومن میں آٹھ خصلتیں ہونی چاہییں:

۱- دل ہلا دینے والے حالات میں باوقار رہے، ۲- آزمائش کے لمحات میں صابر رہے، ۳- سکھ کے وقت شکر ادا کرے، ۴- خدا کے دیئے ہوئے رزق پر قناعت کرے، ۵- اپنے دشمنوں پر بھی ظلم نہ کرے۔ ۶- دوستوں پر اپنا بوجھ نہ ڈالے، ۷- اس کا بدن اس سے تھکان محسوس کرے، ۸- باقی لوگ اس سے راحت محسوس کریں۔ (اضافۃ من المترجم)

کفار کے اعتراضات

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝

''تو شاید تم اپنی طرف بھیجی جانے والی وحی کے بعض حصوں کو ترک کرنے والے ہو اور اس سے تمھارا سینہ اس لیے تنگی محسوس کرتا ہے کہ یہ لوگ کہیں گے کہ اس پر خزانہ نازل کیوں نہیں ہوا یا اس کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ آپ تو صرف عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا نگران اور ذمہ دار ہے''۔

روضہ کافی میں عمار بن سوید سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے قریب مقام ''قدید'' پر پہنچے تو آپؑ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اے علیؑ! میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ میرے اور تیرے درمیان موالات قائم رکھے' اللہ نے میری اس دعا کو قبول کیا۔ میں نے اپنے رب سے دعا مانگی۔ وہ میرے اور تیرے درمیان مواخات قائم فرمائے' اللہ نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ میں نے اپنے رب سے دعا مانگی کہ وہ تجھے میرا وصی مقرر کرے' اللہ نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی۔

قریش میں سے حضرت علی علیہ السلام کے ''مخالفین'' نے کہا کہ محمدؐ کی اس دعا سے تو تین کلو کھجوریں جو پرانی مشک میں پڑی ہوئی ہوں' ہمیں اس سے زیادہ عزیز ہیں۔ اس کی بجائے محمدؐ نے یہ سوال کیوں نہ کیا کہ اللہ اس کی مدد کے لیے کوئی فرشتہ نازل کرے اور اس نے خدا سے کوئی خزانہ کیوں نہ مانگا جس سے اسے فقر و فاقہ سے نجات ملے۔ محمدؐ اپنے رب سے حق و باطل کی جو بھی دعا مانگتے ہیں وہ قبول ضرور ہوتی ہے۔

ان کی یہ باتیں سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ ہوا اور آپ کو سینے میں تنگی سی محسوس ہوئی۔ آنحضرت کی اس حالت کو دیکھ کر اللہ نے آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی: فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ ......

تفسیر عیاشی میں زید بن ارقم صحابی سے مروی ہے کہ جبریل امینؑ شب عرفہ رسولؐ خدا پر نازل ہوئے اور ولایت علیؑ کی تبلیغ کا حکم دیا۔ رسولؐ خدا نے منافقین کی تکذیب کے اندیشہ سے اپنے سینہ میں تنگی سی محسوس کی۔ آپؐ نے کچھ افراد کو مشورہ کے لیے طلب کیا اور ان افراد میں مَیں بھی شامل تھا۔ آپؐ نے ہم سے مشورہ طلب کیا کہ کیا اس کا اعلان ایامِ حج میں کیا جائے؟ جواب میں ہم نے کچھ نہ کہا: رسولؐ خدا رو دیئے۔ جبریل امینؑ نے آپؐ سے کہا: محمدؐ! کیا آپ حکمِ خدا پہنچانے سے گھبرا گئے ہیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جبرئیلؑ! ہرگز نہیں۔ میرے رب کو علم ہے کہ میں نے قریش کی کتنی اذیتیں سہی ہیں۔ ان لوگوں نے اس وقت تک میری رسالت کا اقرار نہیں کیا جب تک خدا نے مجھے اذنِ جہاد نہ دیا اور میری مدد کے لیے آسمان سے لشکر نہ اُتارے۔ اب یہ لوگ میرے بعد علیؑ کی ولایت کے اقرار پر کیسے آمادہ ہوں گے؟!

جبرئیل امینؑ آنحضرتؐ کی یہ گفتگو سن کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی کے لیے فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ...... کی آیت مجیدہ نازل فرمائی۔

عمار بن سوید سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ کی آیت کے متعلق بیان فرمایا جس کا کچھ حصہ ہم روضہ کافی کی روایت سے نقل کر چکے ہیں۔ روایت کے آخر میں امام علیہ السلام نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے آخر میں (یعنی نماز ختم کرنے کے بعد) بلند آواز سے علیؑ کے لیے دعا مانگی اور جسے تمام حاضرین نے سنا:

اللهم هب لعلي المودة في صدور المؤمنين والهيبة والعظمة في صدور المنافقين

''پروردگار! مومنین کے دلوں میں علیؑ کی محبت عنایت فرما اور منافقین کے سینوں میں علیؑ کی ہیبت اور عظمت کو مسلط فرما''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۝ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (مریم:۹۶-۹۷)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے عنقریب اللہ ان کے لیے مؤدت پیدا کردے گا۔ ہم نے اسے آپ کی زبان سے آسان کیا ہے تاکہ اس سے آپ پرہیزگاروں کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں''۔

''جھگڑالو قوم'' سے بنی اُمیہ مراد ہیں۔

وہاں پر موجود ''ایک شخص'' نے کہا: محمدؐ کے اس سوال سے تو مجھے ایک صاع کھجوریں جو کہ پرانی مشک میں پڑی ہوئی ہوں زیادہ عزیز ہیں۔ اس کے بجائے محمد کو چاہیے تھا کہ وہ خدا سے ایک فرشتہ کے نازل ہونے کا سوال کرتا جو اس کی مدد کرتا یا پھر محمد کو چاہیے تھا کہ خدا سے کوئی خزانہ ہی مانگ لیتا تاکہ اس سے اس کا فقر وفاقہ تو دور ہو جاتا۔

اس پر اللہ نے دس آیات نازل فرمائیں، جن میں پہلی آیت فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ ہے۔ اَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ
پھر وہ یہ کہتے ہیں کہ محمدؐ نے اسے خود ہی افتراء کرلیا ہے۔ یعنی ولایتِ علیؑ، محمدؐ کی ذاتی اختراع ہے۔ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ
مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ...... فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ ...... یعنی اگر وہ ولایتِ علیؑ کے حکم میں آپؐ کا کہنا نہ مانیں تو ہمیں ان کی کوئی پروا
نہیں ہے۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ ''جان لو جو کچھ نازل کیا گیا ہے،
اللہ کے علم سے نازل ہوا ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو کیا تم سرِ اطاعت خم کرلو گے؟ یعنی کیا تم ولایتِ علیؑ کو تسلیم
کرلو گے؟!

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۝ ''جو بھی دنیاوی
زندگی اور اس کی آرائش کا طلب گار ہو تو ہم ان کے اعمال کا پورا بدلہ اسی دنیا میں ہی دے دیتے ہیں''۔ مقصد یہ ہے کہ
ولایتِ علیؑ کے منکرین کے اعمال کا بدلہ ہم اس دنیا میں ہی دے دیں گے اور ان سے کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ''کیا وہ (بھی افتراء کرسکتا ہے) جو اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل رکھتا ہو۔ اور اس کے پیچھے اس کا گواہ بھی
ہے جو خود اسی میں سے ہے اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب گواہی دے رہی ہے جو کہ رہنما اور رحمت ہے وہ اس پر ایمان
رکھتے ہیں اور انسانی گروہوں میں سے جو بھی اس کا انکار کرے تو اس کے لیے دوزخ وعدہ گاہ ہے۔ تم اس میں شک نہ کرنا، یہ
تمھارے رب کی طرف سے حق ہے لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں رکھتی''۔

اس آیت میں اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ کے الفاظ کے مصداق رسولؐ خدا ہیں اور وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ سے
امیرالمومنینؑ مراد ہیں اور وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ علیؑ کی ولایت کا
غطر بار تذکرہ کتاب موسیٰؑ میں بھی موجود تھا۔ اور ''یقول الاشھاد'' سے ائمہ علیہم السلام مراد ہیں۔

دنیا طلبی

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص دنیا کے حصول
کے لیے کوئی نیک کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا ہی میں اس کا اجر عطا کردے گا جب کہ آخرت میں اس کے لیے دوزخ

ے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

مجمع البیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میری اُمت کو زمین کی حکومت و اقتدار کی بشارت دی جا چکی ہے۔ جو بھی شخص صرف دنیا کے لیے کوئی عمل کرے گا' اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"جو لوگ دنیاوی زندگی اور اس کی خوشنمائی کے طالب ہوتے ہیں تو ہم ان کے اعمال کا پورا بدلہ یہیں دے دیتے ہیں اور ان سے کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں نارِ دوزخ کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور ان کے سارے اعمال اکارت ہو گئے ہیں اور ان کا سب کیا دھرا باطل ہو گیا ہے"۔

حضرت علیؑ شاہد رسولؐ ہیں

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ......

"کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل رکھتا ہو اور اس کے پیچھے اس کا گواہ بھی چل رہا ہو جو اس میں سے ہو"۔

اس آیت مجیدہ میں اللہ نے رسولؐ اور امامؑ کی علامات بیان کی ہیں۔ رسولؐ کی علامت یہ بیان کی کہ وہ رب کی طرف سے "صاحب بینہ" یعنی کھلی دلیل لے کر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات میں جتنے بھی رسولؐ آئے وہ اپنے زمانہ کی ضروریات کے مطابق کوئی نہ کوئی معجزہ لے کر آئے۔ کسی کے ہاتھوں پر اللہ نے لوہے کو موم کر دیا اور کسی کو عصا کا معجزہ دیا اور کسی کو مُردہ زندہ کرنے کا معجزہ دیا۔ ہمارے رسولؐ کو خدا نے قرآن جیسا عظیم الشان معجزہ عطا کیا اور باقی انبیاء اور رسولِ اکرمؐ کے معجزات میں یہ فرق ہے کہ جس طرح سے ان کی نبوت وقتی تھی اسی طرح سے ان کے معجزات بھی وقتی تھے جب تک نبی رہے وہ معجزات بھی ساتھ رہے اور جیسے ہی نبی دنیا سے رخصت ہوا اس کا معجزہ بھی دنیا سے رخصت ہو گیا لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو خدا نے دائمی شریعت دے کر روانہ کیا اور آپ کو آخری نبی بنایا۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور قیامت تک آپ کی نبوت ہی جاری رہے گی۔ اسی مناسبت سے اللہ نے آپ کو معجزہ بھی وہ عطا کیا جو قیامت تک قائم رہے گا۔

اللہ نے امام کی تین نشانیاں بیان کی ہیں اور فرمایا ہے: وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ۔ امام کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ رسول کا ''تالی'' ہو جس طرح سے چودھویں کا چاند سورج کا ''تالی'' ہوتا ہے۔ سورج کے غروب ہوتے ہی بلافصل نمودار ہوجاتا ہے اسی طرح سے امام کی امامت بھی نبی کے بعد بلافصل ہوتی ہے۔

امام کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ رسول کا ''شاہد'' یعنی گواہ ہوتا ہے اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ نبی کا جزو ہوتا ہے اور وہ مِنْهُ کا مصداق ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا: عَلِيٌّ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ۔ (اضافۃ من المترجم)

اصول کافی میں عمر بن الحلال سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے آیت أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: رسولؐ خدا عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ کے مصداق ہیں اور امیر المومنین علی علیہ السلام وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ کے مصداق ہیں۔

بصائر الدرجات میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: میں قرآن کی ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ دن کے وقت نازل ہوئی یا رات کے وقت نازل ہوئی اور کس کے متعلق نازل ہوئی اور کن حالات میں نازل ہوئی۔ ہر جنتی اور جہنمی کے متعلق اللہ نے قرآن کی کوئی نہ کوئی آیت نازل کی ہے۔ مجھے ان تمام آیات کا علم ہے۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: امیر المومنینؑ! آپؑ کے متعلق قرآن مجید کی کون سی آیت نازل ہوئی؟

آپؑ نے فرمایا: کیا تو نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں سنی: أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ۔ رسولؐ خدا، اللہ کی طرف سے بیّنہ ہیں اور میں ان کا شاہد ہوں اور ان میں سے ہوں اور ان کے پیچھے بلافصل چلنے والا ہوں۔

تفسیر علی بن ابراہیم کی دو روایات کا ماحصل یہ ہے: وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً میں موجود لفظ إِمَامًا وَرَحْمَةً ''وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ'' کی صفت ہیں یعنی جو رسول کا شاہد ہے اور اس کے پیچھے بلافصل چلنے والا ہے اور جو اس کی ایک جزو ہے وہی امام اور رحمت ہے۔

امالی شیخ الطائفہ میں منقول ہے کہ ایک دن امیر المومنین علی علیہ السلام نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور انسانی جان کو پیدا کیا۔ قریش کے جس بھی فرد پر میثاق جاری ہوا ہے اور اس کے متعلق کتاب اللہ کی کوئی آیت نازل ہوئی ہے تو میں اس آیت کو اسی طرح سے جانتا ہوں جس طرح سے اس فرد کو جانتا ہوں۔

مجمع میں سے ایک شخص اُٹھا اور اس نے کہا: امیرالمومنینؑ! آپؑ کے متعلق کون سی آیت نازل ہوئی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر تو نے پوچھ ہی لیا ہے تو اچھی طرح سے سمجھ لے اور میرے علاوہ تجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا تو نے سورہ ہود پڑھی ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں۔ آپؑ نے فرمایا: اللہ نے اس سورہ میں فرمایا ہے: اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ۔ جو ذات رب کی طرف سے ''بینہ'' واضح دلیل لے کر آئی وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور شاہد ان کا جزو ہے اور جو ان کے پیچھے بلافصل چلتا ہے، وہ شاہد مَیں ہی ہوں اور مَیں ان کا جزو ہوں۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ سے مراد وہ شاہد پیغمبر ہے جو خدا کی طرف سے بندوں پر حجت ہے اور نبی کا قائم مقام صرف وہی ہوسکتا ہے جو نبی کی طرح سے طاہر ہو اور پیغمبر کا جانشین ایسا کوئی فرد نہیں ہوسکتا جس کا دامن کفروشرک سے ملوث رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا: لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ۝ (میرا عہدہ امامت ظالمین کو نہیں پہنچے گا)۔ جب کہ شرک ظلمِ عظیم ہے، کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۝ (شرک بہت بڑا ظلم ہے)۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا کہ بت پرستوں کو خدا کی طرف سے عہدۂ امامت نہیں ملے گا تو آپ نے یہ دعا مانگی تھی: واجنبني وبني ان نعبد الاصنام ''مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا''۔

اور تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص منافقین کو صادقین پر اور کافروں کو صالحین پر ترجیح دے تو اس نے بدترین افتراء کیا۔ جب کہ اللہ نے حق پرست اور باطل پرست اور پاک ونجس اور مومن وکافر میں بڑا فرق رکھا ہے۔ اور نبی کے بعد اس کی مسند کا وارث وہی ہوسکتا ہے جو نبی کی طرح صدق وعدل، طہارت وفضیلت کا سرچشمہ ہو۔

سلیم بن قیس بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپؑ اپنی سب سے بڑی فضیلت سے ہمیں آگاہ کریں اور یہ بتائیں کہ اللہ نے آپؑ کے حق میں کون سی آیت نازل کی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ...... ''اور وہ شاہد رسولؐ میں ہوں''۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسولِ خدا اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ کے مصداق ہیں اور وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ کے مصداق امیرالمومنینؑ اور ان کی نسل کے یکے بعد دیگرے اوصیاء ہیں۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ وَیَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ سے حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں۔ طبری نے بھی جابر بن عبداللہ کی زبانی حضرت علی علیہ السلام سے یہی مفہوم نقل کیا ہے۔

روضہ کافی میں حضرت علی علیہ السلام سے ایک خطبہ منقول ہے جو کہ ''خطبہ وسیلہ'' کے نام سے معروف ہے۔ اس خطبہ میں آپؑ نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منہ موڑنا خدا سے جنگ کے مترادف ہے اور نبی سے دُوری کا نتیجہ دوزخ ہے، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ''انسانی گروہوں میں سے جو بھی اس کا انکار کرے تو دوزخ اس کی وعدہ گاہ ہے''۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس بھی شخص تک میری دعوت پہنچے خواہ وہ یہودی و نصرانی ہو اور وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ دوزخی قرار پائے گا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۟ۙ﴿۱۸﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ یَكُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ۘ یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْۤا

رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۗ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ لا اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِىْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ

اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۳۲ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝۳۳ وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۳۴ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝۳۵ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝۳۶ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝۳۷ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝۳۸ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝۳۹ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝۴۰ وَقَالَ

ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰى نُوْحُ
ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ
الْكٰفِرِيْنَ ۝۴۲ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا
عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ
فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝۴۳ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ
اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ
وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۴ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ
اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ
الْحٰكِمِيْنَ ۝۴۵ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ
صَالِحٍ ۫ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ
مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۴۶ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ
لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۴۷
قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ
مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۸ تِلْكَ مِنْ

نَبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

''اور اس سے بڑھ کر بھلا اور کون ظالم ہوسکتا ہے جو خدا پر جھوٹ تراشے؟ یہ لوگ اپنے پروردگار کے حضور پیش کیے جائیں گے اور گواہ یہ گواہی دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھے تھے۔

آ گاہ رہو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ جو خدا کے راستے سے روکتے ہیں اور اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ یہ لوگ زمین پر اللہ کو بے بس کرنے والے نہ تھے اور نہ اللہ کے مقابلے میں کوئی ان کا حامی تھا۔ انھیں دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ یہ لوگ حق بات سن نہیں سکتے تھے اور نہ ہی حق کو دیکھ سکتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا ہے اور جو کچھ انھوں نے گھڑ رکھا تھا وہ بھی ان سے کھو گیا۔ لازمی ہے کہ وہ آخرت میں سب سے بڑھ کر خسارے میں رہیں۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور رب کی بارگاہ میں عاجزی کرتے رہے وہ یقیناً جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

کافر اور مسلمان کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے اور سننے والے کی سی ہے۔ تو کیا یہ دونوں یکساں ہوسکتے ہیں کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یقیناً ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس نے کہا) میں تمھارے لیے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کرو۔ میں تمھارے متعلق دردناک دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں۔

اس کی قوم کے سردار جنھوں نے کفر اختیار کیا تھا جواب میں کہا: ہم تو تجھے اپنے جیسا ہی ایک انسان سمجھتے ہیں اور تیری پیروی ان لوگوں نے کی ہے جو ہمارے معاشرے کے گھٹیا

ترین اور رائے سے خالی افراد ہیں۔ ہمیں تو تمھیں اپنے اُوپر کوئی برتری دکھائی نہیں دیتی۔
سچ تو یہ ہے کہ ہم تمھیں جھوٹے افراد خیال کرتے ہیں۔

نوحؑ نے کہا: اے میری قوم! ذرا سوچو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر تھا' پھر اس نے مجھے اپنی خاص رحمت سے بھی نواز دیا مگر وہ تمھیں نظر نہ آئی تو کیا میں ناگواری کے باوجود تمہارے اُوپر زبردستی ہدایت لاد سکتا ہوں؟

اے میری قوم! میں تم سے اس کام کے عوض کوئی دولت تو نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور میں ان لوگوں کو دھکے دینے والا بھی نہیں ہوں جو ایمان لائے ہیں۔ یقیناً وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کرنے والے ہیں البتہ میں تمھیں جاہل قوم تصور کر رہا ہوں۔

اے میری قوم! اگر میں نے انھیں دھتکار کر نکال دیا تو خدا کی طرف سے میری مدد کون کرے گا تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرو گے؟

اور میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس تمام علمِ غیب ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تمھاری آنکھیں حقارت سے دیکھ رہی ہیں' اللہ انھیں کوئی بھلائی نہ دے گا' ان کے اندر کی کیفیت اللہ بہتر جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو میں ظالموں میں سے قرار پاؤں گا۔

ان لوگوں نے کہا کہ اے نوحؑ! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑا کیا۔ اب اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو جس چیز کی دھمکی ہمیں دے رہے ہو تو اسے لے آؤ۔

نوحؑ نے کہا: اگر خدا چاہے گا تو وہ اس عذاب کو لائے گا' تم اسے عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اگر میں تمھاری خیر خواہی بھی کرنا چاہوں تو میری خیر خواہی تمھیں کچھ فائدہ نہیں دے سکے گی۔ جب خدا تمھیں گمراہی میں چھوڑ دینا چاہتا ہو۔ وہی تمھارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

(اے پیغمبر) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے یہ سب کچھ خود گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیں اگر میں نے یہ سب کچھ گھڑا ہے تو اس کا جرم میرے ذمہ ہے اور جو جرائم تم کر رہے ہو ان سے میں بیزار ہوں۔ اور نوحؑ کی طرف وحی کی گئی کہ تمھاری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں بس وہی ایمان لا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی ایمان نہیں لائے گا تم ان کے افعال پر غم نہ کرو اور ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری وحی کی نگرانی میں کشتی بناؤ۔ اور ظالموں کے متعلق مجھ سے بات نہ کرنا یہ سب کے سب ڈوبنے والے ہیں۔

نوحؑ کشتی بنا رہا تھا اور جب بھی اس کی قوم کے سرداروں میں سے کوئی اس کے پاس سے گزرتا تو وہ اس کا مذاق اُڑاتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تمھارا اسی طرح سے مذاق اُڑائیں گے۔ عنقریب تمھیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب اُترتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور سے پانی اُبلنے لگا تو ہم نے کہا کہ ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کرلو اور اپنے خاندان کو بھی کشتی پر سوار کرلو البتہ انھیں سوار نہ کرنا جن کے متعلق ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جو ایمان لائے ہیں انھیں کشتی پر سوار کراؤ۔ ان کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم لوگ تھے۔

نوحؑ نے کہا: اس پر سوار ہو جاؤ‘ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہی مربوط ہے۔ یقیناً میرا رب بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ کشتی انھیں لے کر پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان چلی جا رہی تھی کہ نوحؑ نے اپنے بیٹے کو آواز دی جو کہ دُور فاصلے پر کھڑا تھا کہ فرزند ہمارے ساتھ کشتی پر سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔

اس نے کہا: میں عنقریب پہاڑ پر پناہ لے لوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوحؑ نے کہا: آج امرِ خدا سے بچانے والا کوئی نہیں ہے سوائے اس کے جس پر وہ رحم کر دے۔ پھر دونوں

کے درمیان موج حائل ہوگئی اور وہ غرق ہونے والوں میں شامل ہوگیا۔

حکم ہوا: اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تو رک جا۔ پھر پانی زمین میں بیٹھ گیا، فیصلہ کر دیا گیا۔ کشتی "جودی" پر ٹک گئی اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں کی قوم کے لیے دُوری ہے۔ اور نوحؑ نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا:

اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو تمام حاکموں میں سے بڑا حاکم ہے۔ اللہ نے کہا: وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ یہ عمل غیر صالح ہے لہٰذا مجھ سے ایسی بات کا سوال نہ کرو جس کا تجھے علم نہیں ہے۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ بنو۔

نوحؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حکم ہوا اے نوحؑ! اُتر جا ہماری طرف سے تجھ پر سلامتی اور برکتیں ہیں اور ان گروہوں پر بھی سلامتی اور برکتیں ہیں جو تیرے ساتھ ہیں۔ اور کچھ گروہ ایسے بھی ہیں جن کو ہم کچھ مدت کے لیے سامانِ زیست عطا کریں گے۔ پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمھاری طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے آپ کو ان واقعات کا علم نہیں تھا اور نہ ہی آپ کی قوم کو علم تھا۔ آپ صبر کریں انجام کار اہلِ تقویٰ کے لیے ہے"۔

خدا پر افتراء باندھنے والا بہت بڑا ظالم ہے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝

''اس سے بڑھ کر بھلا اور ظالم کون ہوسکتا ہے جو خدا پر جھوٹ تراشے؟ یہ لوگ اپنے پروردگار کے ہاں پیش کیے جائیں گے اور گواہ یہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھے تھے۔ آگاہ رہو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے''۔

جتنے بھی جھوٹے مدعیان نبوت و امامت و مہدویت گزرے ہیں یہ آیت ان تمام افراد پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے اور قیامت کے دن گواہ یہ گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے خدا پر جھوٹ تراشے تھے اور اللہ ان پر لعنت کرے گا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا پر جھوٹ تراشنے والوں میں سے قریش کے وہ چار سلاطین مراد ہیں جنھوں نے یکے بعد دیگرے سلطنت کی ہے اور گواہوں میں سے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام مراد ہیں۔

وضاحت: یہ آیت مجیدہ صرف چار سلاطین قریش پر مشتمل نہیں ہے۔ آیت عام ہے' اس میں ایسے تمام مفتری شامل ہیں جنھوں نے خدا پر افتراء پردازی کی ہے۔ البتہ مذکورہ روایت کی حیثیت کل میں سے جزو کی سی ہے یا ممکن ہے کہ امام علیہ السلام کے فرمان کا یہ مقصد ہو کہ مذکورہ سلاطین افتراء باندھنے والوں میں سے سرِ فہرست ہیں۔ (اضافۃ من المترجم)

کتاب المناقب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''اشہاد'' (گواہی دینے والے) ہم ہیں اور یوں تو ہر ظالم پر لعنت ہے' لیکن آلِ محمدؐ کے حقوق غصب کرنے والے اس میں سرِ فہرست ہیں۔

راہِ خدا سے روکنے والے

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝

''جو خدا کے راستہ سے روکتے ہیں اور اس کے راستہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ یہ لوگ زمین پر اللہ کو بے بس کرنے والے نہ تھے اور نہ اللہ کے مقابلے میں ان کا کوئی حامی تھا۔ انھیں دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ یہ لوگ حق بات سن نہیں سکتے تھے اور نہ ہی حق کو دیکھ سکتے تھے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ امامت اللہ کا راستہ ہے اور جو لوگ راہِ امامت سے روکتے ہیں اور راہِ امامت کو

نیز ہا کر کے اغیار کی امامت کی دعوت دیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو حق بات سننے کے روادار نہیں ہیں۔ اور یہ لوگ امیر المومنین علی علیہ السلام کا ذکرِ خیر سننے پر آمادہ نہیں ہیں اور یہ وہ ہیں جنھوں نے خسارہ اٹھایا ہے اور قیامت کے دن ان کے گھڑے ہوئے جھوٹ ان سے کھو جائیں گے۔

اِخبات اور مخبتین

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اور اپنے رب کے حضور اِخبات سے کام لیا"۔

لفظ "اِخبات" کے معنی عاجزی اور گردن جھکا دینے کے ہیں۔ مقصدِ آیت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح بجالائے اور خدا کے حضور سرِ تسلیم خم کر دیا تو وہ جنت میں جائیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (اضافۃ من المترجم)

روضہ کافی میں زید الشحام سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک شخص رہتا ہے جس کا نام "کلیب" ہے اور جب بھی وہ آپؑ کا کوئی فرمان سنتا ہے تو فوراً کہتا ہے میں اِسے تسلیم کرتا ہوں اس کی اس عادتِ تسلیم کی وجہ سے ہم نے اس کا نام "کلیب تسلیم" رکھ دیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا اس پر رحم کرے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: جانتے ہو کہ "تسلیم" کیا ہے؟

ہم نے عرض کیا: آپؑ ہی فرمائیں۔ آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! تسلیم ہی "اِخبات" ہے اور ایسے ہی افراد کے لیے اللہ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

واقعۂ نوحؑ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

"ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس نے کہا) میں تمھارے لیے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں"۔

روضہ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا کچھ اقتباس حسبِ ذیل ہے:

آدم علیہ السلام نے اپنی وفات سے پہلے اپنے فرزند شیثؑ ہبۃ اللہ کو بہت سی باتوں کی وصیت کی تھی اور انھوں نے

اپنی وصیت میں حضرت نوحؑ کی آمد کی بشارت بھی دی تھی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ میری نسل میں سے نوحؑ کو نبی بنا کر مبعوث فرمائے گا، وہ لوگوں کو خدا کی وحدانیت کی دعوت دے گا، لیکن اس کی قوم اسے جھٹلائے گی۔ اللہ تعالیٰ انھیں طوفان کے ذریعہ سے غرق کر دے گا۔

حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس پشتوں کا فاصلہ تھا اور حضرت نوحؑ کے تمام آباء نبی اور وصی تھے۔ حضرت آدمؑ نے ہبۃ اللہ کو وصیت کی تھی کہ اپنی اولاد سے کہہ دیں کہ جسے نوحؑ کا زمانہ نصیب ہو وہ اس پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کرے اور تصدیق کرے۔

اولادِ قابیل کا خوف نسل ہبۃ اللہ پر طاری ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے انھوں نے اپنے علم و ایمان اور اسمِ اکبر اور میراثِ نبوت اور علمِ نبوت کے آثار کو اپنے تک محدود کرلیا تھا۔ جب حضرت نوحؑ نے نبوت کا اعلان کیا تو انھوں نے حضرت آدمؑ کی وصیت کو ایک بار پھر پڑھا اور وصیت کے تحت وہ ان پر ایمان لائے اور ان کی تائید و تصدیق کی۔

آدمؑ نے اپنے فرزند ہبۃ اللہ سے فرمایا تھا کہ وہ سال میں ایک دن مقرر کریں اور اس دن کو اپنے لیے روزِ عید قرار دیں اور اس دن وہ نوحؑ کی آمد سے لوگوں کو باخبر کرتے رہیں۔ اسی طرح سے ہر جانے والا نبی اپنے بعد آنے والے کی وصیت کرتا رہا، یہاں تک کہ یہ معاملہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اختتام پذیر ہوا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا اصلی نام ''عبدالغفار'' تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ پر اور لوگوں کی گمراہی پر نوحہ کناں رہتے تھے اسی وجہ سے ان کا نام ''نوحؑ'' پڑ گیا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت توحید، اخلاص اور ترکِ شرک پر مبنی تھی اور عقیدۂ توحید وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ خدا کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے لوگوں کو نماز، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا تھا اور انھیں حلال و حرام سے آگاہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانہ میں شرعی سزائیں اور احکامِ میراث کو نازل نہیں کیا تھا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے شاگرد ''مفضل'' سے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کوفہ کے مغرب میں دریائے فرات کے کنارے رہائش پذیر تھی۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے مسجدِ کوفہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: اسی جگہ پر حضرت نوح علیہ السلام نے

کشتی بنائی تھی اور اسی مقام پر وہ تنور تھا جس سے پانی برآمد ہوا تھا اور حضرت نوحؑ کا گھر اور ان کی مسجد کا مقام بھی یہی ہے۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی عمر عام طور پر تین سو سال ہوتی تھی۔

عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے اُمت اور عترت کے بارہ فرق بیان فرمائے۔ اس گفتگو کے ضمن میں آپؑ نے یہ بھی فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کے قول کو اللہ نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْـهَلُوْنَ ۝

"اے میری قوم! میں تم سے اس کام کے عوض کوئی دولت تو نہیں مانگتا میرا اجر تو بس اللہ کے ذمہ ہے اور میں ان لوگوں کو دھکے دینے والا بھی نہیں ہوں جو ایمان لائے ہیں۔ یقیناً وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کرنے والے ہیں، البتہ میں تمہیں جاہل قوم تصور کرتا ہوں"۔

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا کہ میں تم سے اُجرت کا طلب گار نہیں ہوں۔ میری اُجرت اس خدا کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے۔ جب کہ اللہ نے اپنے حبیب کریمؐ سے فرمایا تھا:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ (الشوریٰ:۲۳)

"آپ کہہ دیں کہ میں تم سے تبلیغ نبوت پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ قرابت داروں سے مؤدت رکھو"۔

اللہ تعالیٰ نے آلِ محمدؐ کی مؤدت کو اجرِ رسالت اس لیے قرار دیا ہے کہ خدا جانتا تھا کہ یہ خاندان دین سے کبھی منحرف نہیں ہوگا اور یہ خاندان کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔

روضہ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کی تھی کہ اب تیری قوم میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ عرض کیا تھا:

وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح:۲۷) "ان کی نسل میں فاجر و کافر کے علاوہ اور کوئی پیدا نہیں ہوگا"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں صالح بن میثم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا کہ نوح علیہ

السلام کو کیسے پتہ چلا تھا کہ اب ان کی قوم میں کوئی ایمان دار پیدا نہیں ہوگا؟

آپؑ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں پڑھی؟ وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ ...... "اور نوحؑ کی طرف وحی کی گئی کہ تمھاری قوم میں سے جو ایمان لائے ہیں بس وہی ایمان لائے ہیں ان کے علاوہ اب کوئی اور ایمان نہیں لائے گا"۔

اس وحی الٰہی کے تحت حضرت نوح علیہ السلام کو علم ہوا تھا کہ اب کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: نوح علیہ السلام نے تین سو سال تک اپنی قوم کو دین کی دعوت دی، لیکن لوگوں نے آپؑ کی تبلیغ کو قبول نہ کیا۔ آپؑ نے بددعا کرنے کا ارادہ کیا۔ طلوع آفتاب کے وقت آپؑ کے پاس آسمانِ دنیا سے بارہ ہزار فرشتے اُترے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: ہم آسمانِ دنیا کے فرشتے ہیں، جب کہ آسمانِ دنیا کی وسعت پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے اور آسمانِ دنیا سے دنیا تک پانچ سو سال کی مسافت کے برابر فاصلہ ہے۔ ہم طلوع آفتاب کے وقت روانہ ہوئے تھے اور اس وقت آپؑ کے پاس پہنچے ہیں اور ہم آپؑ سے یہ کہنے آئے ہیں کہ آپؑ اپنی قوم کو بددعا نہ دیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں انھیں تین سو سال کی مہلت دے رہا ہوں۔ جب آپؑ کو تبلیغ کرتے ہوئے چھ سو سال گزر گئے اس کے باوجود آپؑ کی قوم آپؑ پر ایمان نہ لائی اس وقت آپؑ نے بددعا کا ارادہ کیا۔ اس وقت دوسرے آسمان سے بارہ ہزار فرشتے آپؑ کے پاس آئے۔ دوسرے آسمان کا حجم پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے اور دوسرے آسمان اور آسمانِ دنیا کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

ان ملائکہ نے آپؑ سے کہا کہ ہم دوسرے آسمان سے اُتر کر آپؑ کے پاس یہ کہنے کے لیے آئے ہیں کہ آپؑ اپنی قوم کو بددعا نہ دیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں انھیں مزید تین سو سال کی مہلت دیتا ہوں۔ جب آپؑ کو تبلیغ کرتے ہوئے نو سو سال کا عرصہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر وحی کی کہ اب ان میں سے کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بددعا دی اور بارگاہِ احدیت میں یہ کہا:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ

وَ لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح:۲۶-۲۷)

''پروردگارا! کسی چلنے پھرنے والے کافر کو زمین پر مت چھوڑ' اگر تو نے انھیں چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل میں بھی فاجر و کافر کے علاوہ کوئی مومن پیدا نہیں ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو کھجور کے درخت کاشت کرنے کا حکم دیا۔ آپؑ نے کھجوریں کاشت کیں۔ قوم کے افراد جب آپ کو کھجور کاشت کرتے ہوئے دیکھتے تو وہ آپؑ کا مذاق اڑا کر کہتے تھے کہ نو سو برس کا بڈھا اب کھجوریں کاشت کر رہا ہے۔ وہ لوگ صرف مذاق پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ آپؑ کو پتھر بھی مارتے تھے۔ جب پچاس برس گزرے اور کھجوروں کے تنے مضبوط ہوگئے تو خدا نے آپؑ کو حکم دیا کہ اب ان کھجوروں کو کاٹ کر ان سے کشتی بناؤ۔ آپؑ نے کھجوریں کاٹیں تو آپؑ کے منکروں کی زبانیں مزید کھل گئیں اور انھوں نے جی بھر کر آپؑ کا مذاق اُڑایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے:

وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝

''جب اس کی قوم کے سردار اس کے پاس سے گزرتے تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے تھے۔ نوحؑ نے کہا: اگر آج تم ہمارا مذاق اُڑا رہے ہو تو ہم بھی عنقریب تمھارا مذاق اُڑائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ نے جبریل امینؑ کو ان کے پاس روانہ کیا' جنھوں نے انھیں کشتی بنانے کی تعلیم دی۔ کشتی کا زمین کی طرف طول ایک ہزار دو سو ہاتھ تھا اور اس کا عرض آٹھ سو ہاتھ تھا اور اس کی بلندی اسّی (۸۰) ہاتھ تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: پروردگار! اتنی بڑی کشتی بنانے میں میری مدد کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنی قوم میں اعلان کر دو کہ جو شخص کشتی بنانے میں میری مدد کرے گا اور کشتی سے جو لکڑی کے ٹکڑے گریں گے وہی ٹکڑے ان کو مزدوری میں دیئے جائیں گے اور وہ ٹکڑے سونے چاندی میں بدل جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے حکمِ خداوندی کے تحت یہ اعلان کیا تو لوگوں نے دھڑا دھڑ کام کرنا شروع کیا اور وہ لوگ مزدوری کرتے ہوئے ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بھی عجیب انسان ہے جو خشکی پر کشتی بنا رہا ہے۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل امینؑ کے توسط سے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس کھجور کی سات گٹھلیاں بھیجیں اور فرمایا کہ تم انھیں اپنے ہاتھوں سے کاشت کرو اور جب یہ پک کر جوان ہو جائیں گی تو اپنے پیروکاروں کو نجات کی بشارت دینا اور یہ خیال رکھنا کہ میں اپنی مخلوق کو اچانک

تباہ کرنا پسند نہیں کرتا لہٰذا تم لوگوں کو میرے راستے کی دعوت دیتے رہو تاکہ ان پر حجت تمام ہو جائے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے حکمِ خداوندی سے وہ گٹھلیاں کاشت کیں جس سے کھجوریں پیدا ہوئیں جب وہ پک کر جوان ہو گئیں اور پھل دینے لگیں تو جبریل امینؑ پھر نازل ہوئے اور فرمایا: اب ان کھجوروں کی گٹھلیاں لو اور انھیں کاشت کرو اور قوم کو میرے راستے کی دعوت دو' تاکہ ان پر حجت تمام ہو سکے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے تین سو ساتھی آپؑ سے منحرف ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ اگر یہ خدائی وعدہ ہوتا تو اللہ اس کی خلاف ورزی نہ کرتا۔ الغرض سات مرتبہ اللہ کے حکم سے حضرت نوح علیہ السلام نے گٹھلیاں کاشت کیں اور ہر بار آپؑ کے ساتھی آپؑ سے منحرف ہوتے رہے' یہاں تک کہ جب آپؑ نے ساتویں مرتبہ کھجوریں کاشت کیں تو ستر سے کچھ زیادہ افراد آپؑ کے پاس رہ گئے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اب ہر قسم کا میل کچیل چھٹ گیا ہے۔ اب تاریک رات کے بعد صبح نمودار ہونے والی ہے' جس جس کی طینت خراب تھی اس نے تجھے چھوڑ دیا اور جو لوگ اپنے ایمان پر اب بھی ثابت ہیں اور عقیدۂ توحید پر گہرے دل سے ایمان رکھتے ہیں اور تیری نبوت کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں میں انھیں زمین پر اپنا جانشین بناؤں گا اور ان کے دین کو مضبوطی عطا کروں گا اور میں ان کے خوف کو امن سے بدل دوں گا' تاکہ وہ ہر طرح کے شرک کے شوائب سے پاک ہو کر میری ہی عبادت کریں۔ اب اگر میں منافقین اور بے یقین افراد کو ان سے علیحدہ نہ کرتا تو ان کے نفاق میں مزید پختگی پیدا ہو جاتی اور وہ مخلص اہلِ ایمان سے عداوت رکھتے اور زمین پر فتنہ و فساد برپا کرتے اور فتنہ و فساد کی موجودگی میں دین کی مضبوطی ناممکن ہے' لہٰذا تم ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بناؤ اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔

روضہ کافی میں مفضل بن عمر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کتنے عرصہ میں کشتی تیار کی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: انھیں کشتی بنانے میں دو "دَور" صرف ہوئے تھے۔

میں (راوی) نے عرض کیا کہ دَور سے کتنا عرصہ مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: دَور سے اسی (۸۰) سال کا عرصہ مراد ہے۔

میں نے کہا: دوسرے لوگ تو کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے میں پانچ سو سال لگ گئے تھے؟

آپ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہماری وحی سے کشتی بناؤ۔ مقصد یہ ہے کہ وحی سے تعمیر ہونے والی کشتی پر پانچ سو سال کا طویل عرصہ نہیں لگ سکتا۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک شامی نے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے سفینۂ نوحؑ کے طول و عرض کے متعلق سوال کیا۔ آپؑ نے جواب میں فرمایا: کشتی کا طول آٹھ سو ہاتھ اور اس کا عرض پانچ سو ہاتھ اور اس کی بلندی اسی ہاتھ تھی۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جانوروں کے لیے کشتی میں نوے گھر مخصوص کیے تھے۔
مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:
مسجدِ کوفہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ اس میں پڑھی جانے والی ایک نماز کا ثواب نوے نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔ اس میں ایک ہزار ستر انبیاء نے نماز پڑھی تھی۔ اسی میں وہ تنور تھا جس سے طوفانِ نوحؑ کے وقت پانی نکلا تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی جگہ بنائی گئی تھی اور وہ بابل کی ناف (درمیان حصہ) ہے اور انبیاء کے جمع ہونے کا مقام ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ کی تھی مگر لوگ اُن کا مذاق اڑاتے تھے۔ آخرکار آپؑ نے ان کے خلاف بددعا کی اور بارگاہ احدیت میں یہ عرض کیا:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح:۲۶-۲۷)

"پروردگار! زمین پر کسی چلنے والے کافر کو زندہ نہ رکھ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل میں بھی فاجر و کافر ہی پیدا ہوں گے"۔

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو وحی کی کہ تم ہماری نگاہوں اور ہماری وحی کی تعلیمات کے تحت کشتی تیار کرو۔ چنانچہ انھوں نے مسجدِ کوفہ میں بیٹھ کر کشتی بنائی تھی اور آپؑ اپنے ہاتھوں سے لکڑیاں لاتے تھے اور کشتی بناتے تھے۔

عیون الاخبار میں عبدالسلام بن صالح ہروی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! اللہ تعالیٰ نے زمانۂ نوحؑ میں پوری دنیا کو کیوں غرق کیا تھا' جب کہ ان میں چھوٹے معصوم بچے بھی تھے اور بے

گناہ لوگ بھی تھے؟

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: غرق ہونے والوں میں کوئی بچہ شامل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے طوفان نوح سے چالیس سال قبل عورتوں کو بانجھ بنا دیا تھا اسی لیے جب طوفان آیا تو اس وقت ایک بھی بچہ موجود نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ وہ کسی بے گناہ کو ہلاک نہیں کرتا۔ قومِ نوحؑ نے اپنے نبی کی تکذیب کی تھی اسی لیے اللہ نے انھیں غرق کیا تھا۔ ان کے علاوہ باقی لوگ وہ تھے جو اس تکذیب پر راضی تھے اور جو کسی گناہ پر راضی ہو وہ بھی گناہ گار کی مانند ہوتا ہے۔ اسی لیے باقی بھی ڈوب گئے تھے۔

یہی روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی مرقوم ہے۔

روضہ کافی میں ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے کھجوریں کاشت کیں تو ان کی قوم نے ان کا مذاق اُڑایا اور کہا لیجیے اب آپ کاشتکار بن چکے ہیں اور جب آپؑ نے کشتی بنانا شروع کی تو ان کی مذاق میں شدت پیدا ہوگئی اور کہنے لگے دیکھیے یہ صاحب خشکی پر کشتی بنا کر ملاح بننا چاہتے ہیں۔

مفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ وہ تنور کہاں تھا جس سے پانی برآمد ہوا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: وہ تنور ایک بوڑھی مومنہ خاتون کے گھر میں تھا اور وہ گھر مسجدِ کوفہ کے قبلہ کی مخالف سمت میں (یعنی بطرفِ شمال) تھا۔ میں (راوی) نے کہا: وہ جگہ تو اس وقت "باب الفیل" کے قریب واقع ہے تو کیا پانی نکلنے کی ابتداء وہیں سے ہی ہوئی تھی۔

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں! اللہ نے یہ چاہا کہ قومِ نوحؑ کو اپنی نشانی دکھائے۔ اس کے بعد آسمان سے موسلا دھار بارشیں ہوئیں اور دریائے فرات میں انتہائی اُونچے درجے کا سیلاب آ گیا اور تمام چشمے پھوٹ پڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ نوحؑ کو پانی میں غرق کر دیا تھا اور اس سیلاب میں صرف حضرت نوحؑ اور آپؑ کے وہ ساتھی بچ گئے تھے جو آپؑ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: مسجدِ کوفہ بہترین مسجد ہے۔ اس میں ایک ہزار انبیاءؑ اور ایک ہزار اوصیاء نے نماز پڑھی ہے اور سفینۂ نوحؑ بھی یہیں تیار ہوا تھا اور یہیں وہ تنور تھا جس سے پانی کی ابتداء ہوئی تھی۔

مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: مسجد کوفہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ اس میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ستر نمازوں کے برابر ہے۔ اس میں ایک ہزار ستر انبیاء نے نماز پڑھی ہے۔ اس میں وہ تنور ہے جس سے طوفان کا آغاز ہوا تھا اور حضرت نوحؑ نے یہیں رہ کر کشتی بنائی تھی۔ یہ بابل کی ناف ہے اور انبیاء کے جمع ہونے کا مقام ہے۔

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام نے روئے زمین کے پانیوں کو آواز دی تھی۔ تمام پانیوں نے انھیں لبیک کہی تھی، البتہ کڑوے پانی اور ''کبریت'' نے انھیں جواب نہیں دیا تھا۔

تفسیر عیاشی میں ''وفار التنور'' کے ضمن میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! تنور سے روٹیاں پکانے والا تنور مراد نہیں ہے۔ آپؑ نے سورج کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اس سے سورج کا طلوع ہونا مراد ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے میں مصروف تھے کہ اتنے میں ان کی بیوی ان کے پاس آئی اور کہنے لگی: تنور سے پانی نکل آیا ہے۔ یہ سن کر آپؑ تیزی سے وہاں آئے اور اس پر ڈھکن رکھ دیا اور ڈھکن پر اپنی مہر ثبت کی۔ پانی رُک گیا۔ جب آپؑ کشتی سے فارغ ہوئے تو آپؑ نے وہ مہر توڑی اور ڈھکن اٹھایا تو تنور سے پانی نکلنے لگا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی تیار کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو حکم دیا کہ آپؑ سریانی زبان میں یہ آواز دیں کہ کوئی جانور اور درندہ ایسا نہ ہو جو یہاں نہ آئے۔ آپؑ نے آواز دی تو تمام جانور آپؑ کے پاس جمع ہوگئے۔ آپ نے تمام جانوروں میں سے ایک ایک جوڑے کو کشتی پر بٹھایا اور آپؑ پر ایمان لانے والوں کی تعداد صرف اسی (۸۰) افراد پر مشتمل تھی۔ آپؑ نے انھیں بھی کشتی پر سوار کیا جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

''ہم نے کہا کہ ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کرلو اور اپنے خاندان کو بھی کشتی

پر سوار کرلو البتہ انھیں سوار نہ کرنا جن کے متعلق ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جو ایمان لائے ہیں انھیں کشتی پر سوار کرو اور ان پر ایمان لانے والے بہت ہی کم لوگ تھے"۔

حضرت نوح علیہ السلام نے وہاں کشتی بنائی تھی جہاں آج مسجد کوفہ ہے۔ جب وہ دن آیا جس میں خدا نے لوگوں کی ہلاکت کا ارادہ کیا تھا، نوح علیہ السلام کی بیوی اپنے گھر میں بیٹھی تنور پر روٹیاں پکا رہی تھی کہ اچانک اس نے چیخ کر کہا کہ تنور سے پانی جوش مار رہا ہے۔ یہ سن کر نوح علیہ السلام اُٹھے اور تنور پر ڈھکنا دیا اور اس ڈھکن پر اپنی مہر لگائی۔ آپ نے اپنی کشتی میں جانوروں کے لیے جگہیں بنائی تھیں اور ہر جانور کی غذا اور دیگر ضروریات بھی پہلے سے کشتی میں جمع کر رکھی تھیں۔ آپ نے جانوروں کو کشتی میں سوار کرایا۔ پھر آپ تنور کے پاس آئے اور آپؑ نے اپنی مہر توڑی اور تنور کے منہ سے ڈھکنا ہٹایا تو پانی پورے جوش سے نکلنے لگا۔ سورج کو گرہن لگا' آسمان سے پانی کی چادریں اُترنے لگیں اور زمین کے تمام چشمے پھوٹ پڑے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ (القمر: ۱۱-۱۲)

"ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین کو پھاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا اور یہ سارا پانی اس کام کو پورا کرنے کے لیے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا"۔

معانی الاخبار اور مجمع البیان کی دو روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے افراد کی تعداد صرف آٹھ تھی۔

اصول کافی میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے ایک شاگرد ہشام سے فرمایا: ہشام! اللہ نے قلت کی تعریف کی ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ "نوحؑ پر بہت تھوڑے افراد ہی ایمان لائے تھے"۔

کتاب احتجاج طبرسی میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کے ضمن میں یہ کلمات بھی مذکور ہیں: اللہ نے اپنی زمین کو ایسے عالم سے خالی نہیں رکھا' جو لوگوں کی رہنمائی کر سکے اور سبیلِ نجات کے معلم بھی اللہ نے زمین پر رکھے ہیں البتہ ان کی تعداد انتہائی قلیل ہے۔ اللہ نے انبیاء کی اُمتوں کی تفصیل بیان کی ہے اور انھیں آنے والوں کے لیے نمونہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس نے قوم نوحؑ کے متعلق فرمایا: وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ "نوحؑ پر بہت کم افراد ایمان

ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام اپنی کشتی میں اہلِ ایمان اور جانوروں کے جوڑوں کو سوار کرا چکے تو ... آپ نے حلال جانوروں کے آٹھ جوڑے سوار کرائے تھے جن کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے:

... مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ (الانعام: ۱۴۳) "آٹھ نر و مادہ ہیں دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے دو اونٹ کی قسم میں سے ہیں اور دو گائے کی قسم سے"۔

بھیڑ کے دو جوڑے ہیں ایک جوڑا وہ ہے جسے لوگ اپنے گھروں میں پالتے ہیں اور بھیڑ کی ایک جنس وہ ہے جو پہاڑوں میں بستی ہے اور لوگوں کے لیے اس کا شکار حلال کیا گیا ہے۔ بکری کے بھی دو جوڑے ہیں: ایک جوڑا وہ ہے جسے لوگ گھروں میں پالتے ہیں اور اس کی دوسری قسم ہرن ہیں جو کہ صحراؤں میں رہتے ہیں۔ اسی طرح سے اُونٹ کے بھی دو جوڑے ہیں: ۱۔ عام اُونٹ ۲۔ بختی اُونٹ (دو کوہان والا اُونٹ)۔ گائے کی جنس کے بھی دو جوڑے ہیں ایک وہ جوڑا ہے جسے لوگ اپنے گھروں میں پالتے ہیں اور دوسرا جوڑا وہ ہے جو جنگلوں میں رہتا ہے (نیل گائے)۔

حضرت نوح علیہ السلام نے تمام قسم کے پالتو اور غیر پالتو پرندوں کا بھی جوڑا جوڑا اپنی کشتی پر سوار کرایا تھا۔

مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے قومِ نوحؑ کی ہلاکت کا ارادہ کیا تو ان کی عورتوں کو عذاب نازل ہونے سے چالیس سال قبل بانجھ بنا دیا تھا اور پورے چالیس برس تک کسی بچے نے جنم نہیں لیا تھا اور جب آپؑ سفینہ بنا کر فارغ ہوئے تو اللہ نے آپؑ کو حکم دیا کہ وہ سریانی زبان میں تمام جانوروں کو آواز دیں۔ آپؑ نے آواز دی تو تمام جانور جمع ہوگئے۔ آپؑ نے ہر جنس کا ایک ایک جوڑا سوار کیا' لیکن آپؑ نے چوہے اور بلی کا جوڑا سوار نہ کیا۔ طوفان کافی دنوں پر محیط ہوگیا۔ اہلِ کشتی کو چوہے کی احتیاج محسوس ہوئی۔ حضرت نوحؑ نے خنزیر کو بلایا اور اس کی پیشانی پر ہاتھ لگایا۔ اسے چھینک آئی' اس کے ناک سے چوہوں کا جوڑا برآمد ہوا۔ پھر چند ہی دنوں میں چوہوں کی نسل پھیل گئی اور اہلِ کشتی نے چوہوں کی کثرت کی شکایت کی۔ آپؑ نے شیر کو بلایا اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اسے چھینک آئی اور بلیوں کا ایک جوڑا اس کی ناک سے برآمد ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اہلِ کشتی نے غلاظت کا شکوہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کو حکم دیا اس نے چھینک ماری تو خنزیر برآمد ہوا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں کتے کو بٹھایا تھا لیکن آپ نے کسی حرام زادے کو کشتی پر سوار نہیں کیا تھا۔

آپؑ نے اپنی ایک اور حدیث میں فرمایا: حرام زادے کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہے اور حرام زادہ لوگوں کی امامت نہیں کرا سکتا۔ حضرت نوحؑ نے اپنی کشتی میں کتے اور خنزیر کو تو سوار کیا تھا لیکن آپؑ نے کسی حرام زادے کو کشتی پر سوار نہیں کیا تھا۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک شامی نے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے چند سوال کیے تھے اور آپؑ نے ان کے جواب دیئے تھے۔ ان سوالات میں یہ سوال بھی شامل تھا۔ بکری کی دم اُوپر کیوں اُٹھی رہتی ہے اور اس کی شرم گاہ ظاہر کیوں ہے اور اس کے برعکس بھیڑ کی شرم گاہ ہر وقت دُم سے کیوں ڈھکی رہتی ہے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: جب بکری کشتی نوحؑ پر سوار ہوئی تھی تو اس نے حضرت کی نافرمانی کی تھی۔ آپؑ نے اس کی دم توڑ دی تھی، یہی وجہ ہے کہ اس کی شرم گاہ کھلی رہتی ہے جب کہ بھیڑ نے آپؑ کی آواز پر جلدی سے لبیک کہی تھی آپؑ نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا تھا اسی لیے اس کی شرم گاہ دم سے چھپی رہتی ہے۔

کتاب علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسولِ خدا کی سواری کے جانور بطورِ میراث حضرت علی علیہ السلام کو ملے تھے۔ آنحضرتؐ کی سواری کے جانور میں ایک گدھا تھا جسے آنحضرتؐ "یعفور" کے نام سے پکارتے تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کا اس پر گہرا اثر ہوا۔ جیسے ہی آپ کی وفات ہوئی تو اس نے اپنی رسی تڑائی اور دوڑتا ہوا "قبا" میں آیا اور اس نے بنی حطیم کے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی اور وہ مرگیا اور وہی کنواں ہی اس کی قبر بن گیا۔

یعفور گدھے نے آنحضرتؐ سے کلام بھی کیا تھا اور اس نے آنحضرتؐ سے کہا تھا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو جائیں۔ مجھے میرے باپ نے بتایا تھا اور اس نے یہ بات اپنے سلسلۂ آباء سے سنی تھی کہ جب حضرت نوحؑ کے دور میں طوفان آیا اور انھوں نے جانوروں کو کشتی پر سوار کیا تھا تو ان میں ہمارا جدِ اعلیٰ بھی موجود تھا۔ ایک دن حضرت نوح علیہ السلام نے اس کی طرف نگاہِ شفقت سے دیکھا اور اس کے چہرے پر اپنا دستِ شفقت پھیر کر فرمایا تھا کہ اس کی نسل سے وہ گدھا پیدا ہوگا جس پر انبیاء کا سردار اور خاتم الانبیاء نبی سوار ہوگا۔ خدا کا شکر ہے جس نے مجھے یہ شرف عطا کیا ہے۔

یہ روایت اصولِ کافی میں بھی مرقوم ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا چلنا اور رُکنا اللہ کے نام کے ساتھ ہی مربوط ہے۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ جب نوح علیہ السلام کشتی پر بیٹھ گئے تو اس وقت وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ (کہا گیا کہ ظالم قوم کے لیے دُوری ہو) کی صدا بلند ہوئی تھی۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مثل اهل بیتی فیکم مثل سفینة نوح من رکبها نجی ومن تخلف عنها فی النار۔

"تمھارے اندر میری اہلِ بیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ جیسی ہے جو اس پر سوار ہوگیا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا"۔

کتاب الخصال میں حضرت علی علیہ السلام کی زبانِ اطہر سے خود ان کے فضائل نقل کیے گئے ہیں۔ اس حدیث میں آپؑ نے فرمایا کہ میں نے رسولِؐ خدا سے سنا انھوں نے مجھ سے یہ فرمایا: علیؑ! میری اُمت میں تمھاری مثال سفینۂ نوحؑ کی سی ہے جو اس پر سوار ہوگا وہ نجات پالے گا اور جو پیچھے رہے گا وہ ڈوب جائے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی رجب کی یکم تاریخ کو چلی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تھا کہ وہ اس دن روزہ رکھیں اور آپؑ نے فرمایا کہ جو شخص اس دن کا روزہ رکھے گا تو دوزخ کی آگ اس سے ایک سال کے فاصلہ تک دُور ہو جائے گی۔

ڈوبنے سے بچنے کی عزیمت

امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: جسے غرق ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ یہ کلمات پڑھے: خدا نے چاہا تو وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گا:

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ، بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْقَوِيِّ ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ڰ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

کتاب کمال الدین میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی حفاظت کے لیے تیرہ ہزار تیرہ فرشتے نازل کیے تھے اور جب قائم آلِ محمدؐ کا ظہور ہوگا اور آپؑ رسولِؐ خدا کا پرچم لہرائیں گے تو وہ تمام فرشتے آپؑ کی مدد

کے لیے آسمان سے اُتریں گے اور وہ آپؑ کی مدد کریں گے۔

الکافی میں علی بن اسباط سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کی: مولا! ہم خواہ دریائی راستہ اختیار کریں یا خشکی کا ہمارے دونوں راستے ہی خطرناک ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: جب تم روانگی کا ارادہ کرو تو پہلے مسجد نبویؐ میں جا کر دو رکعت نماز نافلہ ادا کرو، پھر خشکی یا تری کا راستہ اختیار کرنے کے لیے خدا سے سو مرتبہ استخارہ کرو۔ اور اگر استخارہ کے بعد تمھارے دل میں یہ عزم پیدا ہو کہ تم دریائی راستہ کا سفر اختیار کرو تو جب تم کشتی میں بیٹھو تو حضرت نوح علیہ السلام کے وہ کلمات پڑھو جنھیں خدا نے قرآن حکیم میں نقل کیا ہے اور وہ کلمات یہ ہیں: وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا ۚ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (خدا نے چاہا تو ہر خطرے سے محفوظ رہو گے)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب کشتی پر بیٹھو تو یہ دعا پڑھو: بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا ۚ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (خدا نے چاہا تو تمھارا سفر بخیریت گزرے گا)

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ طوفانِ نوحؑ کے وقت پورے چالیس دن تک آسمان سے بارش برستی رہی اور زمین کے چشمے پھوٹتے رہے جس کی وجہ سے نوحؑ کی کشتی آسمان سے جا ٹکرائی تھی اور کشتی کا سفر مسجدِ کوفہ سے شروع ہوا تھا۔

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ طوفانِ نوحؑ کا پانی ہر میدان اور پہاڑ کی بلندی سے پندرہ ہاتھ بلند تھا۔

عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب نوح علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے اور کشتی چلنے لگی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو یہ وحی فرمائی کہ اگر کسی وقت تمھیں غرق ہونے کا خطرہ محسوس ہو تو ایک ہزار مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا ورد کر کے مجھ سے نجات کی درخواست کرنا، میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کو غرق ہونے سے بچا لوں گا۔

پھر کشتی سفر کر رہی تھی کہ شدید آندھی چلی، نوح علیہ السلام نے محسوس کیا کہ اس سے کشتی کا توازن برقرار نہیں رہ سکے گا اور وہ ڈوب جائے گی۔ ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ ایک ہزار بار لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرتے۔ چنانچہ اس وقت انھوں نے سریانی زبان میں یہ جملہ کہا: هیلویا الغا الغایا مارہیا یا مارہیا اتقن – یہ الفاظ کہنے کی دیر تھی کہ ڈگمگاتی ہوئی کشتی سیدھی

ہوئی اور ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر چلنے لگی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: جس کلام کی وجہ سے میں غرق ہونے سے بچا ہوں وہ کلام ہر وقت میرے پاس رہنا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی انگوٹھی پر یہ عبارت تحریر کرائی:

لا الہ الا اللہ الف مرۃ یارب اصلحنی۔

(لا الہ الا اللہ ایک ہزار مرتبہ۔ پروردگار! میری اصلاح کر۔)

یہی روایت الخصال میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

احتجاج طبرسی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی پر بیٹھے اور ایک بار انھیں غرق ہونے کا اندیشہ ہوا تو انھوں نے یہ دعا پڑھی: اللھم انی اسئلک بمحمد وآل محمد لما انجیتنی من الغرق (خدایا! میں تجھے محمدؐ وآلِ محمدؐ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ مجھے غرق ہونے سے نجات عطا فرما) تو اللہ تعالیٰ نے انھیں غرق ہونے سے بچالیا۔

نافرمان اولاد اور فرماں بردار اولاد کا انجام

کتاب علل الشرائع میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: نوح علیہ السلام کی مجموعی عمر دو ہزار پانچ سو برس تھی۔ ایک دن آپؑ کشتی میں سوئے ہوئے تھے کہ ہوا کا جھونکا آیا، جس سے آپؑ کا کپڑا ہٹ گیا اور آپؑ ننگے ہوگئے۔ یہ منظر دیکھ کر آپؑ کے دو بیٹے حام اور یافث ہنسنے لگے جب کہ حضرتؑ کے بڑے فرزند سام نے باپ پر کپڑا ڈالا اور بھائیوں کو ہنسنے پر ڈانٹا۔ الغرض کئی بار ہوا سے حضرتؑ کا کپڑا ہٹا اور ہر بار سام نے باپ پر کپڑا ڈالا اور ہر مرتبہ حام اور یافث ہنسے۔ نوح علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپؑ نے دو بیٹوں کو ہنستے ہوئے پایا۔ آپؑ نے ان سے ہنسنے کا سبب دریافت کیا تو سام نے ساری حقیقت اپنے والد کو کہہ سنائی۔

نوح علیہ السلام نے آسمان کی جانب ہاتھ بلند کیے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

پروردگار! حام کی صلب کے پانی کو تبدیل کر دے۔ اس کی نسل سے جو بھی پیدا ہو وہ سیاہ فام ہو۔ پھر آپؑ نے کہا: خدایا! یافث کی صلب کے پانی کو بھی تبدیل کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی صلب کے پانی کو تبدیل کر دیا۔ سیاہ فام جہاں

بھی ہیں وہ سب کے سب "حام" کی اولاد ہیں اور ترک، صقالب، یاجوج و ماجوج اور چینی یافث سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب کہ تمام سفید فام افراد کا تعلق سام کی نسل سے ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے حام اور یافث سے فرمایا: اللہ قیامت تک تمھاری اولاد کو سام کی اولاد کا غلام بنائے۔ اس نے مجھ سے بھلائی کی ہے جب کہ تم دونوں نے میری نافرمانی کی ہے۔ تمھاری نافرمانی کی نشانی قیامت تک تمھاری اولاد میں جاری رہے گی اور سام کی بھلائی کی نشانی قیامت تک اس کی اولاد میں باقی رہے گی۔

کیا کنعان حضرت نوحؑ کا بیٹا نہیں تھا؟

تفسیر عیاشی کی تین اور مجمع البیان کی ایک روایت میں منقول ہے کہ کنعان حضرت نوحؑ کا سگا بیٹا نہیں تھا۔ وہ ان کی بیوی کا بیٹا تھا۔

وضاحت: مترجم یہ سمجھتا ہے کہ ان روایات کی کوئی حقیقت نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید میں واضح الفاظ میں اسے اِبْنَهٗ کہا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اسے یٰبُنَیَّ کہہ کر پکارا تھا۔ اور جب وہ اپنی نافرمانی کی وجہ سے ڈوبنے لگا تھا تو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں یہ عرض کیا تھا: اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ "یقیناً میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے"۔ لہٰذا قرآن مجید کی ان تین توضیحات کی موجودگی میں اسے حضرت نوحؑ کا لے پالک بیٹا قرار دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب، من المترجم)

"نجف" کی وجہ تسمیہ

کتاب علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "نجف" ایک زمانہ میں پہاڑ تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند نے اسی کے متعلق کہا تھا: سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ (میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا، وہ مجھے پانی سے بچائے گا) اس وقت روئے زمین پر اس سے بڑا پہاڑ اور کہیں موجود نہیں تھا۔

جب نوح علیہ السلام کے نااہل بیٹے نے پہاڑ کو اپنی پناہ گاہ بنایا تو اس وقت خدا نے اس پہاڑ سے کہا: اے پہاڑ! کیا مجھے چھوڑ کر لوگ تیرا سہارا ڈھونڈھ رہے ہیں؟ خدا کے اس کلام سے پہاڑ کے ٹکڑے ہوئے اور کچھ ٹکڑے شام کی طرف چلے گئے۔ باقی پہاڑ نے ریت کی صورت اختیار کر لی اور ایک عظیم سمندر میں تبدیل ہو گیا۔ اس وقت اسے "بحرِ نَیْ" کہا جاتا تھا۔ پھر وہ سمندر خشک ہو گیا اور خشک ہونے کے عمل کو لفظ "جف" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ "نَیْ" نامی سمندر تھا جو خشک ہو گیا۔

لوگوں نے اسے ''نے بھف'' کہنا شروع کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ لفظ ''نے بھف'' لفظ ''نجف'' میں تبدیل ہوگیا' کیونکہ یہ لفظ کچھ مختصر تھا اور زبانوں پر آسانی سے جاری ہوتا تھا۔

من لایحضرہ الفقیہہ میں صفوان بن مہران جمّال سے منقول ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ آپؑ قادسیہ سے ہوتے ہوئے نجف تشریف لائے اور فرمایا: یہاں وہ پہاڑ ہوا کرتا تھا جس کے متعلق میرے جدِ اطہر نوح علیہ السلام کے فرزند نے کہا تھا کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا۔ اس وقت اللہ نے پہاڑ سے فرمایا کہ اے پہاڑ! کیا مجھے چھوڑ کر تیری پناہ لی جارہی ہے؟ کلام الٰہی سن کر وہ پہاڑ زمین میں دھنس گیا اور اس کے کچھ حصے ملک شام کی طرف کھسک گئے۔

نااہل بیٹے کا انجام

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۚ وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۗ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝

''وہ کشتی انھیں لے کر پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان چلی جارہی تھی کہ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو آواز دی جو کہ دُور فاصلے پر کھڑا تھا کہ فرزند ہمارے ساتھ کشتی پر سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔ اس نے کہا کہ میں عنقریب پہاڑ پر پناہ لے لوں گا۔ وہ مجھے پانی سے بچالے گا۔ نوحؑ نے کہا: آج امرِ خدا سے بچانے والا کوئی نہیں ہے سوائے اس کے کہ جس پر وہ رحم کردے۔ پھر دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی اور وہ غرق ہونے والوں میں شامل ہوگیا''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی چلنے لگی تو آپؑ نے اپنے بیٹے ''کنعان'' کو دیکھا جو کافروں کے ساتھ آپؑ سے دُور کھڑا تھا۔ آپؑ نے اسے کشتی پر چڑھنے کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور پانی سے بچ جاؤں گا۔

حضرتؑ نے فرمایا: آج عذابِ خدا سے کوئی چیز بچانے والی نہیں ہے۔ حضرت نوحؑ نے دیکھا کہ بیٹا رفتہ رفتہ پانی میں ڈوب رہا ہے تو انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں درخواست کی اور کہا کہ پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ

حق ہے اور تو سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نوحؑ! یہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ یہ غیر صالح عمل کا مجسمہ ہے۔ جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق مجھ سے سوال مت کر۔ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ نبی ہو کر جاہلوں میں سے نہ بنو۔

اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ اور اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

اس دوران ایک موج آئی جو نااہل بیٹے کو بہا کر لے گئی۔ سفینہ موجوں پر چلتا ہوا مکہ کی سرزمین پر پہنچا اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ طوفانِ نوحؑ میں ساری دنیا ڈوب گئی' مگر بیت اللہ کا مقام ڈوبنے سے محفوظ رہا تھا۔ اسی لیے اس گھر کو البیت العتیق کہا جاتا ہے۔ اور لفظ ''عتق'' کے معنی آزادی کے ہیں اور ''عتیق'' آزاد شدہ کو کہا جاتا ہے۔ بیت اللہ کو ''البیت العتیق'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مقام غرق ہونے سے آزاد رہا تھا۔

چالیس دن تک آسمان سے بارشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ زمین کے تمام چشمے پھوٹ پڑے تھے اور پانی کی بلندی کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آسمان سے ٹکر کھانے لگ گئی تھی۔ پھر حضرتؑ نے دستِ دعا بلند کیے اور کہا: یا رحمان انفر یعنی اے میرے رب بس اب پانی کو روک لے''۔

اس وقت اللہ نے بارشیں ختم کر دیں اور زمین کو حکم ملا: يَٰٓأَرْضُ ٱبْلَعِى مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقْلِعِى وَغِيضَ ٱلْمَآءُ وَقُضِىَ ٱلْأَمْرُ وَٱسْتَوَتْ عَلَى ٱلْجُودِىِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ''حکم ہوا' اے زمین' اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تو رُک جا۔ پھر پانی زمین میں بیٹھ گیا اور حق و باطل کا فیصلہ کر دیا گیا اور کشتی ''کوہ جودی'' پر ٹک گئی اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لیے دُوری ہے''۔

زمین نے اپنا پانی پی لیا۔ پھر آسمان کے پانی نے زمین میں داخل ہونا چاہا تو زمین نے کہا کہ خدا نے مجھے میرا اپنا پانی پینے کا حکم دیا ہے۔ مجھے آسمان کا پانی پینے کا حکم نہیں دیا گیا' لہٰذا میں آسمانی پانی نہیں پیوں گی۔ چنانچہ آسمانی پانی زمین پر جوں کا توں کھڑا رہ گیا۔ اللہ نے جبریل امینؑ کو بھیجا اور انھوں نے وہ تمام آسمانی پانی زمین کے گرد سمندروں میں ڈال دیا۔
حضرت نوحؑ کی کشتی ''کوہ جودی'' پر لنگر انداز ہوئی تھی اور جودی ''موصل'' کے قریب ایک بڑا پہاڑ ہے۔
تہذیب الاحکام میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب نوح علیہ السلام سفینہ پر سوار تھے تو خدا

نے انھیں وحی فرمائی کہ وہ بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائیں۔ آپؑ نے وحی الٰہی کے تحت سات چکر لگائے۔ پھر آپؑ کشتی سے پانی میں اُترے۔ اس جگہ پر آپؑ کے گھٹنوں تک پانی محسوس ہوا۔ آپؑ نے اس جگہ سے ایک صندوق برآمد کیا جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی ہڈیاں تھیں۔ آپؑ نے وہ صندوق کشتی پر رکھا۔ پھر کشتی چکر لگاتی ہوئی آپؑ کو مسجد کوفہ کے وسط میں لے آئی اور جب آپؑ یہاں پہنچے تو اس وقت خدا نے زمین کو حکم دیا کہ تو اپنا پانی نگل لے جس طرح سے طوفان کا آغاز مسجد کوفہ سے ہوا تھا اسی طرح سے پانی نگلنے کے عمل کی ابتداء بھی مسجدِ کوفہ سے ہوئی تھی۔ جب پانی خشک ہوا تو کشتی پر بیٹھے ہوئے افراد کشتی سے اُترے اور زمین پر پھیل گئے۔

تفسیر عیاشی میں لفظ ''ابلعی'' کے متعلق دو اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ ہندی زبان کا ہے جس کا معنی ہے ''پی لے''۔ دوسری روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: طوفانِ نوحؑ کے آخری ایام میں اللہ نے پہاڑوں کی طرف وحی کی کہ میں تم میں سے ایک پہاڑ پر سفینۂ نوحؑ کو لنگر انداز کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کا یہ فرمان سن کر پہاڑ اُونچے ہوتے گئے البتہ ''کوہِ جودی'' نے تواضع اور انکساری کو اپنایا' اسی لیے سفینۂ نوحؑ کوہِ جودی پر لنگر انداز ہوا۔ جب کشتی پہاڑ پر لنگر انداز ہو رہی تھی تو نوح علیہ السلام نے کہا: "بارات قنی ، بارات قنی"۔

میں (راوی) نے کہا: مولاؑ! ان جملوں کا کیا معنی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: یہ سریانی زبان کے الفاظ ہیں اور ان کا معنی ہے خدایا! اصلاح فرما۔ خدایا! اصلاح فرما۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جب نوح علیہ السلام نے کشتی کے لنگر انداز ہونے کی آوازیں سنیں تو انھوں نے کشتی کے ایک سوراخ سے سر نکالا اور اپنی انگلی سے اشارہ کر کے کہا: رحمان اتقن ''خدایا! احسان فرما''۔

روضہ کافی میں مفضل بن عمر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کتنے دن تک کشتی میں سوار رہے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ مسلسل سات دن رات کشتی پر سوار رہے۔ کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا پھر وہ ''جودی'' پر لنگر انداز ہوئی اور وہ جگہ فرات کوفہ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سفینۂ نوحؑ نے صفا و مروہ کے درمیان ''سعی'' بھی کیا تھا اور اس نے بیت اللہ کے گرد سات چکر بھی لگائے تھے' پھر آخر میں ''جودی'' پر لنگر انداز ہوئی تھی۔

الکافی میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: سفینۂ نوحؑ خدا کی طرف سے مامور تھا۔ اس نے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے تھے' پھر وہاں سے منیٰ گئی اور منیٰ سے بیت اللہ کی طرف واپس آئی اور طواف النساء کے چکر لگائے تھے۔

تہذیب الاحکام میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: کشتی نوحؑ عاشورہ کے دن جودی پر لنگر انداز ہوئی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس میں سوار افراد کو حکم دیا کہ وہ اس دن کا روزہ رکھیں۔

مجمع البیان میں ہے کہ کفارِ قریش نے قرآن کے مقابلہ میں کچھ سورتیں بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ انھوں نے ادیب افراد کا انتخاب کیا اور گوشت اور شراب سے ان کی خوب تواضع کی اور یہ سلسلہ چالیس دن تک چلتا رہا۔ لیکن جب انھوں نے وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ کی آیت مجیدہ سنی تو انھوں نے بے ساختہ کہا کہ اس کلام کے مقابلہ میں کلام لانا ناممکن ہے' کیونکہ یہ کلام مخلوق کے کلام سے مشابہت ہی نہیں رکھتی۔ پھر انھوں نے قرآن کا مقابلہ کرنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔

کتاب احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ ایک شامی یہودی نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا: آپؑ ذرا حضرت نوح علیہ السلام کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور دیکھیں انھوں نے رضائے الٰہی کے لیے کس قدر صبر سے کام لیا تھا اور کیا آپؑ کے نبی نے بھی ان جیسا صبر کیا ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے نبی ان سے بھی بڑے صابر تھے۔ لوگوں نے آپ کو طرح طرح کی ایذائیں دیں' لیکن آپؐ نے ہر مقام پر صبر کیا' ایک مرتبہ ابولہب اُونٹ کی اوجھڑی اُٹھا کر لایا۔ اللہ نے ملک الجبال فرشتہ کو آنحضرتؐ کے پاس بھیجا۔ اس نے آپؐ سے کہا میں آپؐ کے فرمان کی تعمیل کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اگر آپ حکم دیں تو میں پہاڑ اُٹھا کر ان لوگوں پر پھینک دوں اور ان کا نام ونشان تک مٹا دوں۔

آنحضرتؐ نے یہ سن کر فرمایا: نہیں مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ خدایا! میری اُمت کو ہدایت دے یہ لوگ نہیں جانتے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو ہلاک ہوتے دیکھا تو انھیں اس کافر پر رحم آ گیا' لیکن آنحضرتؐ نے اپنے رشتہ داروں سے مسلح جہاد کیا۔ آپؐ نے کسی کی رشتہ داری کی پرواہ نہیں کی تھی۔

ایک زندیق نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا: آپؑ کی کتاب بھی بڑی عجیب ہے۔ اس میں انبیاء کی بشری غلطیوں کی بھی نشان دہی کی گئی ہے مثلاً قرآن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے نااہل بیٹے کے لیے سفارش

نبی۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اس میں اللہ کی زبردست حکمت مضمر ہے۔ خدا اگر انبیاء کی بشری کمزوریوں کا اظہار نہ کرتا تو لوگ انھیں معبود مان لیتے' جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات دیکھ کر انھیں ابن اللہ کہنا شروع کر دیا تھا۔

مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ نے فرزندِ نوحؑ کے متعلق یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ وہ نوح علیہ السلام کے اہل میں سے نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرتؑ کا مخالف تھا اسی لیے اللہ نے اسے اہل سے باہر نکال دیا اور جن لوگوں نے آپؑ کی پیروی کی تھی خدا نے انھیں حضرت نوحؑ کا اہل قرار دیا۔

شیخ الطائفہ نے کتاب الغیبۃ میں اسحاق بن یعقوب سے نقل کیا ہے کہ میں نے چند مشکل مسائل لکھ کر امام زمانہ علیہ السلام کے نائب خاص محمد بن عثمان العمری کے سپرد کیے اور ان سے کہا کہ وہ یہ مسائل امامِ زمانہؑ کی خدمت میں پیش کریں۔ امام زمانہ علیہ السلام کی طرف سے ایک توقیع برآمد ہوئی' جس میں یہ مرقوم تھا کہ تو نے جو یہ پوچھا ہے کہ میرے خاندان والے اور میرے چچازاد میرے مخالف کیوں ہیں؟ سنو! اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی کسی انسان سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے اور جو میرا انکار کرے وہ مجھ سے نہیں ہے اور اس کا راستہ فرزندِ نوحؑ کے راستے جیسا ہے۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ان کا مخالف تھا۔ اللہ نے اسے اہل سے خارج کر دیا اور جنھوں نے آپؑ کی اتباع کی تھی انھیں حضرت نوحؑ کا اہل قرار دیا۔ کنعان رشتہ میں تو حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا' لیکن جب اس نے اللہ کے نبی کی دین میں مخالفت کی تو وہ اہل سے خارج ہوگیا تھا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے دربارِ مامون میں عترت اور اُمت کے درمیان بارہ فرق بیان کیے تھے اور اس خطبہ کے ضمن میں آپؑ نے یہ کلمات بھی ارشاد فرمائے: کیا تمھیں ہدایت یافتہ اور چنے ہوئے افراد کی وراثت کا علم نہیں ہے؟ حاضرین نے کہا: آپؑ ہی بیان فرمائیں۔ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (الحدید: ۲۶)

''بے شک ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو رکھا ان میں

کچھ ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں اکثریت فاسقین کی ہے"۔

کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے اپنے نااہل بیٹے کو بچانے کے لیے خدا سے درخواست کی اور اسے اپنا "اہل" قرار دیا تھا اور آپؑ نے اسے اس لیے "اہل" قرار دیا تھا کہ اللہ کا آپؑ سے وعدہ تھا کہ وہ آپؑ کے اہل کو نجات دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے جواب میں فرمایا:

يٰنُوحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

"اے نوحؑ! وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے، یہ عمل غیر صالح ہے لہٰذا مجھ سے ایسی بات کا سوال نہ کرو جس کا تمھیں علم نہیں ہے۔ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے مت بنو"۔

ساداتِ کرام کے لیے لمحۂ فکریہ

عیون الاخبار میں حسن بن موسیٰ الوشا بغدادی سے منقول ہے کہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی مجلس میں خراسان میں موجود تھا۔ آپؑ کا بھائی زید بن موسیٰ کاظمؑ بھی چند افراد کے ساتھ آپؑ کی محفل میں حاضر ہوا اور وہ حاضرین پر اپنا خاندانی تفاخر جمانے لگا اور کہنے لگا کہ ہم یہ ہیں، ہم وہ ہیں۔ امام علی رضا علیہ السلام لوگوں سے گفتگو کرنے میں مصروف تھے کہ آپؑ نے بھی اس کی افتخار آمیز باتیں سن لیں۔ آپؑ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے فرمایا: زید! معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کوفہ کی اس روایت نے تمھیں دھوکے میں ڈال دیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ان فاطمة احصنت فرجها فحرم الله تعالیٰ ذریتها علی النار "حضرت فاطمہؑ نے اپنی عصمت کی حفاظت کی ہے جس کے نتیجہ میں اللہ نے اس کی اولاد پر نارِ جہنم کو حرام قرار دیا ہے"۔ (اچھی طرح سن لو) یہ حدیث صحیح ہے، لیکن اس سے امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور حضرت فاطمہ زہراءؑ کی بلافصل اولاد مراد ہے۔

عجیب بات ہے کہ تیرا والد امام موسیٰ بن جعفرؑ تو خدا کی اطاعت کرے اور دن کو روزہ رکھے اور رات کو قیام کرے اور تو خدا کی نافرمانی کرے اور جب تم دونوں خدا کے حضور آؤ تو برابر ہو کر آؤ۔ اس کا مطلب تو پھر یہ ہے کہ تم اپنے والد سے بھی خدا کو زیادہ عزیز ہو۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: ہم میں سے نیکی کرنے والے کو دوہرا اجر ملے گا اور ہمارے بدکار کو بھی دوہرا عذاب دیا جائے گا۔

راوی کہتا ہے کہ امام علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: حسن! قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ...... کی آیت کو تم کس طرح سے پڑھتے ہو؟

میں نے کہا: کچھ لوگ اسے اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ پڑھتے ہیں جب کہ کچھ اِنَّهٗ عَمِلَ غَیۡرَ صَالِحٍ پڑھتے ہیں اور جو لوگ اس طرح سے پڑھتے ہیں وہ اس کی والد سے نفی کرتے ہیں۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز ایسا نہیں۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہی صلبی بیٹا تھا' لیکن جب اس نے خدا کی نافرمانی کی تو اللہ نے اسے حضرتؑ کے اہل سے خارج کر دیا تھا۔ اسی طرح سے جو ہم میں سے ہو کر خدا کی اطاعت نہیں کرے گا تو وہ ہم میں سے نہیں ہوگا اور تو (غیر سید ہو کر بھی) اگر اللہ کی اطاعت کرے گا تو تو بھی ہم اہلِ بیتؑ میں سے ہوگا۔

علی بن ابراہیم بن ہاشم کہتے ہیں کہ مجھ سے یاسر نے بیان کیا کہ امام علی رضا علیہ السلام کے بھائی زید بن موسیٰؑ نے مدینہ میں حکومت کے خلاف خروج کیا اور اس نے بنی عباس کے کئی مکانات نذرِ آتش کیے تھے اور کچھ افراد کو قتل کیا تھا۔ حکومت کی فوج نے اس سے لڑائی کی اور اسے گرفتار کر لیا۔ اسے گرفتار کر کے مامون کے پاس بھیج دیا گیا۔ مامون نے کہا کہ اسے اس کے بھائی علی رضاؑ کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ جب اسے امام علی رضا علیہ السلام کے سامنے لایا گیا تو آپؑ نے اس سے فرمایا:

زید! کوفہ کے احمق افراد کے اس قول نے تمہیں دھوکا دیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان فاطمة احصنت فرجها فحرم الله ذريتها على النار، ''حضرت فاطمہ زہراءؑ نے اپنی عصمت کی نگہبانی کی ہے، اللہ نے اس کی نسل کے لیے دوزخ کو حرام قرار دیا ہے''۔

سنو! یہ فرمان حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے لیے ہے۔ اگر تیرا خیال یہ ہے کہ تو خدا کی نافرمانی کر کے جنت میں جائے گا اور تیرا والد موسیٰ کاظمؑ اللہ کی اطاعت کر کے جنت میں جائے گا تو پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تو خدا کو اپنے والد سے بھی زیادہ پیارا ہے۔ خدا کے ہاں درجات اس کی اطاعت سے ہی ملتے ہیں اور تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا کی نافرمانی کر کے بھی وہ درجات حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ تیرا خیال انتہائی برا ہے۔

زید نے آپؑ سے کہا: میں آپؑ کا بھائی ہوں اور آپؑ کے والد کا فرزند ہوں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: تو جب تک خدا کی اطاعت کرے گا تو میرا بھائی رہے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنے نااہل بیٹے کو بچانے کے لیے اسے اپنا ''اہل'' کہا تھا' اس کے جواب میں خدا نے فرمایا تھا: اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ (وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے یہ غیر شائستہ عمل ہے'')۔

اللہ نے کنعان کی نافرمانی کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کے اہل سے خارج کر دیا تھا۔

تفسیر علی بن ابراہیم کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی موصل کے قریب کوہِ جودی پر لنگر انداز ہوئی اور کشتی میں اسی (۸۰) اہلِ ایمان سوار تھے۔ کشتی سے اُترنے کے بعد انھوں نے وہاں ایک شہر قائم کیا تھا جس کا نام "مدینۃ الثمانین" (اسی افراد کا شہر) رکھا گیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی ایک بیٹی بھی کشتی میں سوار تھی۔ انسانوں کی نسل اس سے چلی۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ نوح علیہ السلام دو میں سے ایک باپ ہے۔

دو نصیحتیں

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی لنگر انداز ہوئی اور آپؑ کشتی سے باہر آئے تو ابلیس لعین آپؑ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ آپؑ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ آپؑ نے بددعا دے کر تمام فاسقین کو غرق کر دیا ہے۔ اب کچھ دن مجھے آرام نصیب ہوگا اور اس احسان کی وجہ سے میں آپؑ کو دو نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں:

پہلی نصیحت یہ ہے کہ کبھی کسی سے حسد نہ کرنا، کیونکہ اگر میں نے آدمؑ سے حسد نہ کیا ہوتا تو آج ابلیس نہ کہلاتا۔ دوسری نصیحت یہ ہے کہ کبھی حرص نہ کرنا، کیونکہ اگر آپؑ کے دادا جنت میں حرص نہ کرتے تو انھیں جنت سے کبھی نہ نکالا جاتا۔

الکافی میں ہے کہ طوفان کی وجہ سے قبریں اکھڑیں اور ان سے ہڈیاں برآمد ہوئیں تو حضرت نوح علیہ السلام بہت پریشان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی کی یہ تمھاری اپنی بددعا کا ہی ثمر ہے۔ اگر تو بددعا نہ کرتا تو یہ ہڈیاں یوں باہر نہ آتیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: پروردگار! میں تجھ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی فرمائی کہ غم دُور کرنے کے لیے سیاہ انگور کھاؤ۔

وفاتِ نوحؑ

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پچاس برس تک مزید زندہ رہے۔ جب ان کی زندگی کے آخری ایام آئے تو جبریلؑ امین ان کے پاس آئے اور کہا کہ اب آپؑ کی نبوت کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور آپؑ کی زندگی کے دن پورے ہونے والے ہیں۔ آپ اسم

علم اور میراثِ علم اور علمِ نبوت کے آثار اپنے فرزند سام کے سپرد کر دیں۔ آپؑ نے اس پر عمل کیا۔

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کی کل زندگی دو ہزار تین سو سالوں پر مشتمل تھی اور آپؑ نے آٹھ سو پچاس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت کیا تھا اور نو سو پچیس برس تک آپؑ نے نبوت کی تبلیغ کی تھی اور طوفان کے بعد آپؑ نے پانچ سو برس تک زندگی بسر کی۔ اس دوران آپؑ نے کئی شہر آباد کیے اور اپنی اولاد کو شہروں میں رہائش دلائی۔

آخر کار جامِ زیست لبریز ہو گیا۔ ملک الموت آپؑ کے پاس پہنچا۔ اس وقت آپؑ دھوپ میں بیٹھے تھے۔ اس نے آپؑ پر سلام کیا، آپؑ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ملک الموت! کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا: میں آپؑ کی روح قبض کرنے کے لیے آیا ہوں۔ آپؑ نے کہا: اچھا اتنی اجازت دو کہ دھوپ سے اُٹھ کر چھاؤں میں آ جاؤں۔ اس نے اجازت دی۔ آپؑ دھوپ سے اُٹھ کر چھاؤں میں آئے اور آپؑ نے ملک الموت سے کہا: مجھے اپنی تمام زندگی یوں محسوس ہوتی ہے جیسے میں دھوپ سے اُٹھ کر چھاؤں میں آیا ہوں۔

تہذیب الاحکام میں ابی بصیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: امیر المومنین علی علیہ السلام کہاں دفن ہوئے تھے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ اپنے والد حضرت نوح علیہ السلام کی قبر میں دفن ہوئے تھے۔ میں (راوی) نے کہا: قبرِ نوحؑ کہاں ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ وہ مسجدِ کوفہ میں مدفون ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: نہیں، وہ پشتِ کوفہ (نجف) میں مدفون ہیں۔ (نقلاً عن الهامش)

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ
قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ
اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا
تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّيْ
تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ
بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ
اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ
وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ
اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ
مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ قف جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا
رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا
بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ

مُجِيبٌ ۝ قَالُوا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ
اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَآ اِلَيْهِ
مُرِيبٍ ۝۶۲ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّي
وَاٰتٰىنِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِي مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ قف فَمَا
تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝۶۳ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً
فَذَرُوهَا تَاْكُلْ فِيٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ
عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝۶۴ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ط
ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ۝۶۵ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا
وَّالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ط اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝۶۶ وَاَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوا
فِي دِيَارِهِمْ جٰثِمِينَ ۝۶۷ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ط اَلَآ اِنَّ ثَمُودَاْ
كَفَرُوا رَبَّهُمْ ط اَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ۝۶۸ ع وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيمَ
بِالْبُشْرٰى قَالُوا سَلٰمًا ط قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ
حَنِيذٍ ۝۶۹ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ
مِنْهُمْ خِيفَةً ط قَالُوا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوطٍ ۝۷۰

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ
اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ
شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ
رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ
مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى
يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ
اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِىْٓءَ
بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ
قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ
قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ
فِىْ ضَيْفِىْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا
لَنَا فِىْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِىْ
بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِىْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ
رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا

يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

"اور (قوم) عادؑ کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہودؑ کو روانہ کیا۔ اس نے کہا: اے برادرانِ قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ کوئی تمھارا معبود نہیں ہے۔ تم نے تو محض جھوٹ گھڑ رکھے ہیں۔

اے میری قوم! اس تبلیغ پر میں تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میری اُجرت اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تم سوچ بچار نہیں کرتے؟ اے میری قوم! اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ وہ تم پر موسلادھار بارش برسائے گا اور تمھاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا اور مجرم بن کر منہ نہ پھیرو۔

انھوں نے کہا: اے ہودؑ! تم ہمارے پاس کوئی واضح نشانی تو لے کر نہیں آئے اور تیرے کہنے پر ہم اپنے خداؤں کو نہیں چھوڑ سکتے اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے تم پر کسی کی مار پڑ گئی ہے۔

ہودؑ نے کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ تم جو شرک کر رہے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔ تم میرے خلاف مل کر جو بھی سازش کرنا چاہو وہ کر لو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔ میں نے اللہ پر بھروسہ کیا ہے، جو میرا اور تمھارا رب ہے اور وہ ہر جاندار کی پیشانی کو

پکڑے ہوئے ہے۔ بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ہے۔

اگر تم منہ پھیرتے ہو تو پھیر لو' مجھے جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا وہ پیغام میں نے تمھیں پہنچا دیا ہے۔ میرا رب تمھاری جگہ اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو اور جو لوگ اس پر ایمان لائے تھے نجات دے دی اور ہم نے انھیں سخت عذاب سے محفوظ رکھا۔

یہ ہیں عاد اپنے رب کی آیات سے انھوں نے انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور انھوں نے ہر جبار سرکش کے حکم کی پیروی کی تھی۔ اس دنیا اور روزِ قیامت میں ان کے پیچھے لعنت کو لگایا گیا۔ آگاہ رہو! قومِ عاد نے اپنے پروردگار کا انکار کیا تھا۔ آگاہ رہو! ہود کی قوم عاد کے لیے دوری ہے۔

اور ثمود کی طرف سے ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ کوئی تمھارا معبُود نہیں ہے۔ اسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور تمھیں زمین میں آباد کیا۔ تم اس سے مغفرت طلب کرو۔ پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب قریب اور دعاؤں کے قبول کرنے والا ہے۔

افرادِ قوم نے کہا: اس سے قبل قوم کو تم سے توقعات وابستہ تھیں۔ کیا تو ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روکنا چاہتا ہے جن کی عبادت ہمارے آباء و اجداد کیا کرتے تھے؟ تو جس طرف ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہم کو شک ہے جس نے ہمیں خلجان میں مبتلا کر ڈالا ہے۔

صالح نے کہا: اے میری قوم! کیا تم نے اس بات پر بھی توجہ کی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک شہادت رکھتا تھا پھر اس نے اپنی طرف سے مجھے رحمت عطا کی۔ اس کے

بعد مجھے اللہ کی پکڑ سے کون بچائے گا؟ اگر میں نے اس کی نافرمانی کی۔ تم لوگ تو میرے خسارہ میں ہی اضافہ کر رہے ہو۔

اے میری قوم! اللہ کی یہ اُونٹنی تمھارے لیے ایک نشانی ہے اسے آزاد چھوڑ دو' تا کہ اللہ کی زمین پر چرتی پھرتی رہے۔ اس سے کسی طرح کی برائی نہ کرنا' ورنہ بہت جلد تم پر اللہ کا عذاب آ جائے گا۔

انھوں نے اُونٹنی کو مار ڈالا۔ صالحؑ نے کہا: تم اپنے گھروں میں تین دن اور رہ لو۔ یہ وعدہ ہے جو جھوٹا ثابت نہ ہوگا۔ جب ہمارے فیصلے کا وقت آ گیا تو ہم نے صالحؑ اور جو ان پر ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے انھیں نجات دی اور ہم نے انھیں اس دن کی رُسوائی سے محفوظ رکھا۔ بے شک تیرا رب صاحبِ قوت اور غالب ہے۔

ظلم کرنے والوں کو ایک چیخ نے آ لیا۔ وہ اپنے گھروں میں بے حس و حرکت بن کر رہ گئے۔ گویا وہ وہاں کبھی آباد ہی نہیں رہے تھے۔ آگاہ رہو! قومِ ثمودؑ نے اپنے پروردگار کا انکار کیا۔ دُوری ہو قومِ ثمودؑ کے لیے۔

اور ہمارے نمائندے (فرشتے) ابراہیمؑ کے پاس خوش خبری لے کر گئے' کہا: تم پر سلام ہو۔ ابراہیمؑ نے ان پر سلام کیا۔ تھوڑی دیر بعد ابراہیمؑ ان کی مہمانی کے لیے بھنا ہوا بچھڑا لے کر آ گئے۔ جب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو اس نے انھیں اُوپرا سمجھا اور ان سے خوف سا محسوس کیا۔ انھوں نے کہا: ڈریں نہیں' ہمیں قومِ لوطؑ کی طرف بھیجا گیا ہے۔

ابراہیمؑ کی بیوی کھڑی تھی وہ ہنس دی تو ہم نے اسے اسحاقؑ کی بشارت دی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی بشارت دی۔ وہ کہنے لگی: ہائے میری بدبختی کیا میں بچہ جنم دوں گی' جب کہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر ہیں جو کہ بوڑھے ہیں یقیناً یہ تو عجیب چیز ہے۔

فرشتوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کرتی ہو؟ اے اہلِ بیت ابراہیمؑ! اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تم پر ہیں۔ بے شک وہ قابلِ تعریف اور بڑی شان والا ہے۔

جب ابراہیمؑ کا خوف دُور ہو گیا اور اس کے پاس خوش خبری آ گئی تو وہ قومِ لوطؑ کے متعلق ہم سے جھگڑنے لگا۔ یقیناً ابراہیمؑ بُردبار اور نرم دل اور ہماری طرف رُجوع کرنے والا تھا۔

(فرشتوں نے کہا) ابراہیمؑ! اس سے باز آ جاؤ۔ تمھارے رب کا حکم پہنچ چکا ہے اور ان پر وہ عذاب نازل ہونے والا ہے جسے ٹالا نہیں جا سکتا۔

اور جب ہمارے نمائندے لوطؑ کے پاس پہنچے تو ان کی آمد سے وہ بہت گھبرایا اور دل تنگ ہوا' اور کہنے لگا کہ آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔ جیسے ہی وہ آئے تو لوطؑ کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے اور اس سے پہلے وہ بدکاریاں کیا کرتے تھے۔

لوطؑ نے کہا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں (تمھاری بیویاں) موجود ہیں۔ یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ تم اللہ سے ڈرو اور مہمانوں کے متعلق مجھے رُسوا نہ کرو۔ کیا تمھارے اندر کوئی باشعور شخص موجود نہیں ہے؟

وہ کہنے لگے کہ تو جانتا ہے کہ تمھاری بیٹیوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اور ہم جو کچھ چاہتے ہیں اس کے متعلق تمھیں بخوبی علم ہے۔

لوطؑ نے کہا: اے کاش! میرے پاس تمھارے مقابلہ کے لیے قوت موجود ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا۔

انھوں (فرشتوں) نے کہا: اے لوطؑ! ہم تیرے رب کے نمائندے ہیں۔ یہ لوگ تمھارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ رات کے اندر ہی اپنے خاندان کو لے کر نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے' سوائے تیری بیوی کے' اس پر بھی وہی عذاب آنے والا ہے جو ان پر آنے والا ہے۔ ان کے عذاب کے لیے صبح کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ کیا صبح قریب نہیں ہے؟ اور

جب ہمارے فیصلے کا وقت آیا تو ہم نے اس کے اُوپر کے حصّہ کو نیچے اُلٹ دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تابڑتوڑ برسائے۔ ان میں سے ہر پتھر تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھا اور یہ عذاب ظالموں سے دُور نہیں ہے''۔

قومِ عادؑ کا انجام

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝۵۰ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵۱ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۵۲

''اور قومِ عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہودؑ کو روانہ کیا۔ اس نے کہا: اے برادرانِ قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ کوئی تمھارا معبود نہیں ہے۔ تم تو محض جھوٹ گھڑ رہے ہو۔ اے برادرانِ قوم! میں تم سے اس تبلیغ کی کوئی اُجرت طلب نہیں کرتا۔ میری اُجرت تو بس اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تم سوچ بچار سے کام نہیں لیتے؟ اے میری قوم! اپنے رب سے مغفرت طلب کرو۔ پھر اس کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر موسلادھار بارش برسائے گا اور تمھاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا اور تم مجرم بن کر منہ نہ پھیرو''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ قومِ عادؑ ایک بادیہ نشین قوم تھی، ان کا وطن ''شقوق'' سے ''اجفر'' تک چار منازل میں پھیلا ہوا تھا۔ وہ کاشتکاری کرتے تھے اور وہاں بہت زیادہ کھجوریں پائی جاتی تھیں۔ ان کی عمریں بڑی طویل اور جسم بڑے مضبوط ہوتے تھے اور وہ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپؑ نے انھیں اسلام قبول کرنے اور بت پرستی چھوڑنے کی دعوت دی، لیکن انھوں نے آپؑ پر ایمان لانا گوارا نہ کیا اور انھوں نے اپنے پیغمبر کو تکلیفیں دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے بارش کا سلسلہ روک دیا اور مسلسل سات برس تک بارش نہ برسی اور بارش نہ ہونے کی وجہ سے وہاں قحط پڑ گیا۔

حضرت ہود علیہ السلام خود بھی کاشتکار تھے۔ خشک سالی کی وجہ سے ان کے کھیت بھی متاثر ہوئے۔ کچھ لوگ ان سے دعا کرانے کے لیے اُن کے دروازے پر آئے۔ اس وقت آپؑ اپنے کھیتوں کی نگہبانی کے لیے باہر گئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے دروازے پر دستک دی۔ دستک کے جواب میں ایک بوڑھی اور کانی عورت باہر آئی اور اس نے پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کرنے آئے ہو؟

ان لوگوں نے کہا: ہم فلاں جگہ کے رہائشی ہیں اور ہمارے علاقہ میں خشک سالی کا زور ہے۔ ہم ہودؑ کے پاس دعا کے لیے آئے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے حق میں دعا کریں، تاکہ خشک سالی دُور ہو اور بارشیں نازل ہوں اور ایک بار پھر ہریالی کا دور دورہ ہو۔

عورت نے کہا: اگر اس کی دعا قبول ہوتی تو خود اس کے اپنے کھیت خشک سالی سے کیوں متاثر ہوتے؟

ان لوگوں نے کہا: آپ ہمیں یہ بتائیں کہ ہودؑ کہاں ہیں؟ عورت نے کہا: اگر اسے ملنا ہے تو فلاں جگہ پر جاؤ۔ وہ تمھیں وہاں مل جائیں گے۔

وہ لوگ انھیں تلاش کرتے ہوئے اس جگہ پر آئے اور انھوں نے کہا: اے خدا کے نبی! ہمارا پورا علاقہ خشک سالی کی زد میں ہے اور ایک طویل عرصہ سے بارش نہیں ہوئی، آپؑ خدا سے درخواست کریں کہ وہ بارانِ رحمت نازل کرے اور ہماری مُردہ زمینیں پھر سے آباد ہو جائیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے کہا: جاؤ، تمھارے علاقہ میں بارش ہوگی اور تمھارا علاقہ سرسبز و شاداب ہو جائے گا۔

ان لوگوں نے کہا: اے پیغمبرِ خدا! ہم نے ایک عجیب بات دیکھی ہے، جب ہم آپؑ کے مکان پر گئے تو آپؑ کے گھر سے ایک بوڑھی عورت نے نکل کر ہم سے کہا کہ تم کون ہو اور کیا کرنے آئے ہو۔ جب ہم نے اسے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو اس نے کہا کہ اگر ہودؑ کی دعا قبول ہوتی تو خود اس کے کھیت کیوں مرجھا جاتے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: وہ میری بیوی ہے اور میں اس کی لمبی عمر کے لیے خدا سے دعا مانگتا رہتا ہوں۔

ان لوگوں نے کہا: پھر تو یہ اور زیادہ عجیب بات ہے۔ آپؑ نے کہا: نہیں، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہر مومن کا کوئی نہ کوئی دشمن ضرور ہوتا ہے جو اسے اذیت پہنچاتا رہتا ہے اور یہ بھی میری دشمن ہے۔ البتہ وہ میری ایسی دشمن ہے جو میرے زیردست ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے کسی زبردست دشمن کے حوالے نہیں کیا۔ الغرض حضرت ہودؑ اپنی قوم کو تبلیغ دین کرتے رہے اور انھیں عقیدۂ توحید اپنانے اور بت پرستی چھوڑنے کی دعوت دیتے رہے اور آپؑ نے اپنی قوم کو چار

بنیادی نکات کی دعوت دی:

۱- اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانو ۲- بت پرستی چھوڑ دو ۳- خدا کے حضور استغفار کرو ۴- خدا کی طرف رجوع کرو۔

استغفار اور توبہ کے آپؑ نے انھیں دو بڑے فوائد سے آگاہ کیا۔ آپؑ نے فرمایا: اگر تم توبہ و استغفار کرو گے تو تمھاری خشک سالی ختم ہوجائے گی اور تم پر موسلا دھار بارشیں برسیں گی اور اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ خدا تمھاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔

قومِ عادؑ کی بدبختی عروج پر تھی۔ انھوں نے آپؑ سے کہا: آپؑ ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لائے ہیں اور آپؑ کے کہنے پر ہم اپنے خداؤں کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اپنا عذاب نازل کیا اور ان پر تیز اور ٹھنڈی آندھی بھیجی اور وہ آندھی مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں تک چلتی رہی۔ اس وقت چاند زحل میں تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے ایک ہوا پیدا کی ہے، جس کا نام ''ریح عقیم'' (بے ثمر ہوا) ہے اور یہ ہوا ساتویں زمین کے نیچے سے نکلتی ہے۔ اس ہوا کو اللہ نے اب تک صرف ایک ہی مرتبہ باہر آنے کی اجازت دی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ قومِ عادؑ پر ناراض ہوا تو اُس نے اپنے ملائکہ سے کہا کہ وہ ایک انگوٹھی کے سوراخ برابر اس ہوا کو باہر آنے دو۔ زمین کے نگہبان فرشتوں نے جب ایک انگوٹھی کے سوراخ برابر اس ہوا کو نکلنے کی اجازت دی تو وہ اس مقدار تک محدود نہ رہی۔ بیل کے ایک نتھنے کے برابر وہ باہر آئی۔

زمین کے خازن فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: پروردگار! یہ ہوا ہمارے قابو سے باہر ہے۔ اگر تو نے اسے نہ روکا تو یہ صرف قومِ عادؑ کو ہی تباہ نہیں کرے گی بلکہ دوسرے بے گناہ لوگوں کو بھی تباہ و برباد کردے گی۔

اللہ تعالیٰ نے جبریل امینؑ کو بھیجا۔ انھوں نے اپنے پروں سے اُسے واپس کیا اور فرمایا: جتنا تجھے حکم ملا ہے اتنا ہی باہر آ۔ چنانچہ اس ریح عقیم نے قومِ عادؑ کو تباہ و برباد کردیا۔

میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے

اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۶﴾

''بے شک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے''۔

تفسیر عیاشی میں حضرت علیؑ علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے صراطِ مستقیم پر ہونے کا مفہوم

یہ ہے کہ اللہ احسان کا بدلہ احسان اور برائی کا بدلہ برائی کی صورت میں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔

حضرت صالحؑ اور قومِ ثمودؑ

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ﴿۶۱﴾

''اور قومِ ثمودؑ کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ اُس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اس کے علاوہ تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا ہے اور تمھیں زمین میں آباد کیا ہے۔ تم اس سے مغفرت طلب کرو' پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب قریب اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے''۔

مجمع البیان میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے مقام ''حجر'' سے گزرے تو آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! اپنے نبی سے نشانیاں طلب نہ کرو۔ دیکھو قومِ صالحؑ نے اپنے نبی سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اُن کے لیے پہاڑ سے حاملہ اُونٹنی برآمد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اُونٹنی برآمد کی۔ ایک دن چشموں کا وہ پانی پیتی تھی اور دوسرے دن قومِ صالحؑ چشموں کا پانی پیتی تھی۔ جس دن اُونٹنی پانی پیتی تھی اُس دن قومِ صالح اُونٹنی کا دودھ پیا کرتی تھی۔ قومِ صالحؑ نے سرکشی کی راہ اپنائی اور اُونٹنی کو مار ڈالا۔ حضرت صالح نے ان سے کہا: اب خدا کی طرف سے تین دن بعد تم پر عذاب نازل ہوگا اور یہ خدا کا سچا وعدہ ہے۔ آخرکار خدا کا وعدہ پورا ہوا' اور چوتھے دن اس قوم پر عذاب نازل ہوگیا۔ ایک شخص کے علاوہ پورے مشرق و مغرب میں اس قوم کا کوئی فرد باقی نہ بچا' اور جو شخص باقی بچا تھا اسے بھی خدا نے اس لیے باقی رکھا تھا کہ نزولِ عذاب کے وقت وہ حرمِ خدا میں تھا۔ اس زندہ بچ جانے والے شخص کا نام ابوزعال تھا''۔

صحابہ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ابوزعال کون تھا؟ آپؐ نے فرمایا: وہ بنی ثقیف کا مورثِ اعلیٰ تھا۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک شامی نے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے بہت سے سوال کیے۔ آپؑ نے ان کے جوابات دیئے۔ اس کا ایک سوال یہ بھی تھا کہ ہم بدھ کے دن کو اپنے لیے بھاری کیوں محسوس کرتے ہیں' اور اس سے بدشگونی کیوں لیتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: وہ مہینہ کا آخری بدھ ہے جو کہ ایام محاق میں آتا ہے اس میں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا

خواب سے یہ تعبیر لی کہ ہر دانے کے عوض میں ایک سال زندہ رہوں گا اور مجموعی طور پر میں اٹھارہ برس مزید زندہ رہوں گا۔

اس خواب کو بیس دن گزرے تھے اور میں اپنی زمین آباد کر رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھے آ کر بتایا کہ امام علی رضا علیہ السلام شہر بناج تشریف لائے ہیں اور آپؑ مسجدِ حجاج میں تشریف فرما ہیں۔

میں وہاں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپؑ عین اسی جگہ تشریف فرما تھے جہاں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تا اور آپؑ کے نیچے اسی طرح کی چٹائی ہے جس طرح کی آنحضرتؐ کے نیچے میں نے دیکھی تھی۔ میں آپؑ کے پاس گیا اور آپؑ کو سلام کیا۔ آپؑ نے مجھے اپنے قریب جگہ دی۔ آپؑ کے سامنے ایک تھال پڑا ہوا تھا جس میں ''صیحانی کھجوریں'' رکھی ہوئی تھیں۔ آپؑ نے مٹھی بھر کر مجھے کھجوریں دیں۔ میں نے کھجوریں گنیں تو پورے اٹھارہ دانے تھے۔ نہ ایک کم تھا نہ ایک زیادہ تھا۔ میں نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! کچھ مزید کھجوریں عنایت کریں۔

آپؑ نے فرمایا: اگر میرے جدِ امجد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے اس سے زیادہ دی ہوتیں تو میں بھی زیادہ دیتا۔

۵- علی بن احمد الوشاء بیان کرتے ہیں کہ میں کوفہ سے ''مرو'' کی طرف گیا۔ چلتے وقت میری بیٹی نے ایک کپڑا میرے سپرد کیا اور کہا: آپ ''مرو'' جا رہے ہیں۔ اس کپڑے کو وہاں بیچ کر میرے لیے فیروزہ لیتے آنا۔

الغرض میں ''مرو'' گیا اور اپنی ضروریات کی اشیاء کی خرید و فروخت کی۔ مجھے میری بیٹی کا کپڑا یاد نہ آیا۔ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زیارت کے لیے گیا اور جب میں آپؑ کی خدمت سے اُٹھنے لگا تو آپؑ نے فرمایا: فلاں بستہ میں وہ کپڑا موجود ہے جو تیری بیٹی نے تیرے سپرد کیا تھا اور کہا تھا کہ اسے بیچ کر وہاں سے میرے لیے فیروزہ لانا۔

جب آپؑ نے یہ فرمایا تو میں نے آپؑ کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور کہا: بے شک آپ امامِ برحق ہیں۔

الغرض ائمہ علیہم السلام کی تاریخ میں اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں' مگر ان تمام روایات کے متعلق ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ نے یہ تمام باتیں اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو القاء کی تھیں اور آپؐ نے وہ باتیں حضرت علی علیہ السلام کو تعلیم فرمائی تھیں۔ پھر نسل در نسل ائمہ علیہم السلام ایک دوسرے کو تعلیم دیتے رہے تھے۔ لہٰذا ہمارے اس عقیدہ کی موجودگی میں ہم پر یہ الزام نامناسب ہے کہ ہم اپنے آئمہ کو عالم الغیب مانتے ہیں اور یہ خیانت کی بدترین قسم ہے اور یہ جان بوجھ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی سازش ہے۔ خدا ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

OOO

سُوْرَةُ يُوْسُفَ

سورة يوسف مكية وهي مائة واحدى عشرة اية و ١٢ ركوعاتها

''سورۂ یوسف مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو گیارہ آیات ہیں

اور اس کے بارہ رکوع ہیں۔

سورۂ یوسف کی فضیلت

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص شبانہ روز سورۂ یوسف کی تلاوت کرے گا تو قیامت کے دن وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح حسین وجمیل مبعوث ہوگا اور قیامت کی ہولناکی سے محفوظ رہے گا اور خدا کے نیک بندوں میں اس کا شمار ہوگا۔ آپؑ نے فرمایا: یہ بات تورات میں بھی لکھی ہوئی تھی۔

الکافی میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اپنی عورتوں کو سورۂ یوسف مت پڑھاؤ اور اس سورہ کی انھیں تعلیم نہ دو کیونکہ اس سے ان میں فتنے پیدا ہوسکتے ہیں۔ تم عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو۔ اس میں مواعظہ ہیں۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے غلاموں اور کنیزوں کو سورۂ یوسفؑ کی تعلیم دو۔ جو بھی مسلمان اس سورہ کو پڑھے گا اور اپنے اہل وعیال اور زیردستوں کو اس کی تعلیم دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے سکرات الموت کو آسان کردے گا اور اسے حسد سے محفوظ رہنے کی قوت عطا فرمائے گا۔

کتاب الخصال میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: چند چیزیں عورتوں کے لیے نامناسب ہیں۔ عورتوں پر اذان نہیں ہے اور انھیں سورۂ یوسف بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ جو انسان خلوصِ دل کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں جھک جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر خصوصی شفقت کرتا ہے اور قدم قدم پر اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ ظاہری حالات خواہ کتنے ہی ناموافق ہوں اور حوادثِ زمانہ اس کی ذلت و ہلاکت کے درپے ہوں مگر اللہ تعالیٰ اسے اَوجِ کمال پر پہنچا دیتا ہے اور تمام مخالفوں کی مخالفتیں اور حاسدین کا حسد اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ اس حقیقت کے عملی اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا حسین قصہ بیان کیا۔

قرآن کریم میں اگرچہ بہت سے انبیاء کے واقعات بیان کیے گئے ہیں لیکن جس تفصیل کے ساتھ ایک ہی جگہ پر

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس طرح سے کسی نبی کا قصہ بیان نہیں کیا گیا۔

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یوسفؑ اس کا مخلص بندہ تھا۔ اللہ نے اسے عزت عطا کی تھی جب کہ ظاہری حالات اس کے ناموافق تھے، مگر خدا نے اسے ہر مصیبت سے رہائی ۔۔۔ کی اور آخری نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بھائی جنھوں نے آپؑ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے وہ آپؑ سے معافی مانگنے پر مجبور ہوگئے اور زلیخا اور دوسری مصری عورتوں کو آپؑ کی عصمت کی گواہی دینی پڑی اور جس ملک کے قید خانہ میں آپؑ کی زندگی کا ایک طویل عرصہ گزرا تھا اس ملک کی حکومت آپؑ کے ہاتھ میں آگئی۔

الغرض یہ سورہ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ عزت وذلت خدا کے ہاتھ میں ہے اور خدا اپنے مخلص بندوں کو کبھی بے سہارا نہیں چھوڑتا۔

ooo

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۟ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۳ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۷ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۸ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا

يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿٩﴾
قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ
يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿١٠﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا
لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ﴿١١﴾ أَرْسِلْهُ مَعَنَا
غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿١٢﴾ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ
تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ﴿١٣﴾
قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿١٤﴾
فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ ۚ
وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٥﴾
وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿١٦﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا
نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۖ وَمَا أَنْتَ
بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ
كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ
وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا
وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ

بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوۡهُ بِثَمَنٍۢ بَخۡسٍ
دَرَاهِمَ مَعۡدُوۡدَةٍ ۚ وَكَانُوۡا فِيۡهِ مِنَ الزّٰهِدِيۡنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ
الَّذِى اشۡتَرٰىهُ مِنۡ مِّصۡرَ لِامۡرَاَتِهٖۤ اَكۡرِمِىۡ مَثۡوٰىهُ عَسٰٓى اَنۡ
يَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ فِى الۡاَرۡضِ
وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمۡرِهٖ
وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا
وَّعِلۡمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتۡهُ الَّتِىۡ هُوَ فِىۡ
بَيۡتِهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَقَالَتۡ هَيۡتَ لَكَ ؕ قَالَ
مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَاىَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۳﴾
وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ
لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡۤءَ وَالۡفَحۡشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا
الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ وَقَدَّتۡ قَمِيۡصَهٗ مِنۡ دُبُرٍ وَّاَلۡفَيَا
سَيِّدَهَا لَدَا الۡبَابِ ؕ قَالَتۡ مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡۤءًا اِلَّاۤ
اَنۡ يُّسۡجَنَ اَوۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِىَ رَاوَدَتۡنِىۡ عَنۡ نَّفۡسِىۡ
وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ كَانَ قَمِيۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ

فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ
دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ
دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿٢٩﴾ يُوْسُفُ
اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِىْ لِذَنْۢبِكِ ۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ
الْخٰطِئِيْنَ ﴿٢٩﴾ع وَقَالَ نِسْوَةٌ فِى الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ
فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِىْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ
لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ
عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ
حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿٣١﴾ قَالَتْ
فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ
فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ
الصّٰغِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِىْۤ اِلَيْهِ ۚ
وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّىْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ
الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٣﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ

هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰيٰتِ
لَيَسۡجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجۡنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ
اَحَدُهُمَاۤ اِنِّىۡۤ اَرٰٮنِىۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا ۚ وَقَالَ الۡاٰخَرُ اِنِّىۡۤ اَرٰٮنِىۡ
اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِىۡ خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡهُ ؕ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ ۚ
اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاۡتِيۡكُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ
اِلَّا نَبَّاۡتُكُمَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِىۡ
رَبِّىۡ ؕ اِنِّىۡ تَرَكۡتُ مِلَّةَ قَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ
هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡحٰقَ
وَيَعۡقُوۡبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِكَ بِاللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ
فَضۡلِ اللّٰهِ عَلَيۡنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا
يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَىِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَيۡرٌ اَمِ اللّٰهُ
الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ؕ ﴿۳۹﴾ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ
اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ
ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ
النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَىِ السِّجۡنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسۡقِىۡ

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ
لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٣٥﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ط قَالَ
أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ج وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي
أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ط نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ج
إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٦﴾ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ
إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ط ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي
رَبِّي ط إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ
هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ
وَيَعْقُوبَ ط مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُّشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ط ذَٰلِكَ مِنْ
فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَشْكُرُونَ ﴿٣٨﴾ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا
أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ط إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ
ط أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ط ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٠﴾ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي

رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ
قُضِىَ الْاَمْرُ الَّذِىْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِىْ ظَنَّ اَنَّهٗ
نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِىْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ
فَلَبِثَ فِى السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ؕ﴿۴۲﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّىْۤ اَرٰى سَبْعَ
بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ
وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِىْ فِىْ رُءْيَاىَ اِنْ كُنْتُمْ
لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ
الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِىْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ
اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ
اَفْتِنَا فِىْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ
سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّىْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ
فَذَرُوْهُ فِىْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا
تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ

وَ فِيۡهِ يَعۡصِرُوۡنَ ۝

سہارا اللہ کے نام کا جو رحمٰن رحیم ہے

''الٓرٰ۔ یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔ ہم نے اسے قرآن بنا کر عربی زبان میں نازل کیا ہے' تاکہ تم اسے اچھی طرح سے سمجھ سکو۔

پیغمبر ہم آپ کے سامنے ایک حسین ترین قصہ بیان کر رہے ہیں' جس کی وحی ہم نے اس قرآن کے ذریعہ آپ تک کی ہے' اگرچہ آپ اس سے پہلے غفلت کرنے والوں میں سے تھے۔

جب یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان! میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ ان کے والد نے کہا: بیٹا! اپنا خواب بھائیوں کو مت بیان کرنا ورنہ وہ تمھارے خلاف سازشیں کریں گے۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے۔

اور اس طرح سے تیرا رب تجھے منتخب کرے گا اور تجھے باتوں کی تہ تک پہنچنا سکھائے گا اور وہ تجھ پر اور آلِ یعقوبؑ پر اپنی نعمت اسی طرح سے پوری کرے گا جس طرح اس سے پہلے وہ تیرے بزرگوں ابراہیمؑ و اسحاقؑ پر کر چکا ہے۔ یقیناً تیرا رب صاحبِ علم اور صاحبِ حکمت ہے۔

یقیناً یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں سوال کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جب انھوں نے کہا کہ یوسفؑ اور اس کا بھائی ہمارے والد کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں' حالانکہ ہم ایک پورا جتھہ ہیں۔ یقیناً ہمارا والد صریح گمراہی میں مبتلا

ہے۔ تم یوسفؑ کو قتل کردو یا اسے کسی زمین پر پھینک آؤ تاکہ تمھارے والد کی توجہ تمھاری طرف ہو جائے، پھر اس کے بعد نیک بن جانا۔

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم یوسفؑ کو قتل نہ کرو اور اگر تمھیں کچھ کرنا ہی ہے تو اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دو اور کوئی آنے والا قافلہ اسے نکال لے جائے گا۔ انھوں نے اپنے باپ سے کہا: ابا جان! کیا وجہ ہے کہ آپ یوسفؑ کے متعلق ہم پر اعتماد نہیں کرتے، جب کہ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ آپ کل اسے ہمارے ساتھ روانہ کریں، کچھ کھا پی لے گا اور کھیل کود لے گا اور ہم اس کی محافظت کرتے رہیں گے۔

یعقوبؑ نے کہا: مجھے یہ بات شاق گزرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی بھیڑیا اسے نہ کھا جائے اور تم اس سے غافل رہ جاؤ۔

انھوں نے کہا: بھلا ہمارے اس جتھہ کی موجودگی میں اسے بھیڑیا کیسے کھا لے گا۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر ہم نقصان اٹھانے والے قرار پائیں گے۔ جب وہ اسے لے کر گئے اور انھوں نے اجماع کرلیا تھا کہ وہ اسے اندھے کنوئیں میں پھینکیں گے اور ہم نے یوسفؑ کی طرف وحی کی کہ ایک وقت آئے گا جب تو ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت جتائے گا۔ اس وقت انھیں خبر نہ ہوگی۔

شام کے وقت وہ روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا: ابا جان! ہم دوڑنے کے مقابلہ میں مصروف تھے اور ہم نے یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس بٹھایا ہوا تھا۔ اس اثنا میں ایک بھیڑیا اسے کھا گیا۔ ہم خواہ کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں آپؑ پھر بھی ہم پر اعتماد نہیں کریں گے۔ وہ یوسفؑ کے قمیص پر جھوٹا خون لگا کر آئے تھے۔

ان کے والد نے کہا: تمھارے نفس نے ایک بڑے کام کو تیرے لیے آسان بنا دیا

ہے۔ اب صبر ہی اچھی چیز ہے۔ جو بات تم بنا رہے ہو اس پر خدا سے ہی مدد مانگی جاسکتی ہے۔

ایک قافلہ آیا۔ انھوں نے اپنے پانی بھرنے والے کو پانی لینے کے لیے بھیجا۔ اس نے کنوئیں میں ڈول ڈالا۔ اس نے کہا: خوش خبری ہو یہ ایک لڑکا ہے۔ ان لوگوں نے اسے مالِ تجارت سمجھ کر چھپا لیا' حالانکہ وہ جو کچھ کر رہے تھے خدا کو اس کی سب خبر تھی۔ انھوں نے اسے تھوڑی سی قیمت پر چند درہموں کے بدلے بیچ دیا اور وہ اس کی قیمت سے بیزار تھے۔ اور مصر کے جس شخص نے اسے خریدا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کو اچھی طرح سے رکھنا' ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اس طرح سے ہم نے یوسفؑ کے لیے اس زمین پر قدم جمانے کی سبیل پیدا کی تاکہ ہم اسے باتوں کی تہ تک پہنچنے کی تعلیم دیں' اللہ اپنے معاملہ میں غالب ہے' لیکن لوگوں کی اکثریت کو علم نہیں ہے۔

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسی کو قوتِ فیصلہ اور علم عطا کیا اور نیکوکار افراد کو ہم اسی طرح سے بدلہ دیا کرتے ہیں۔ جس عورت کے گھر میں یوسفؑ قیام پذیر تھا۔ وہ اس پر عشق کا جال پھینکنے لگی اور اس نے دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی کہ آجا۔ یوسفؑ نے کہا: خدا کی پناہ! میرے رب نے تو مجھے اچھی منزلت بخشی ہے اور ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔

زلیخا یوسفؑ سے برائی کا ارادہ کر چکی تھی اور یوسفؑ اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ چکا ہوتا تو وہ بھی اس سے برائی کا ارادہ کر ہی لیتا' تاکہ ہم اس سے بدی اور برائی کو دور کریں۔ یقیناً وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔ اس نے پیچھے سے یوسفؑ کا قمیص پھاڑ دیا۔

دروازے پر دونوں نے اس کے شوہر کو موجود پایا۔ کہنے لگی: اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے جو تیری گھر والی سے برائی کا ارادہ کرے؟ ایسے شخص کی اس کے علاوہ اور کیا سزا ہو سکتی ہے کہ اسے زندان میں ڈال دیا جائے یا اسے سخت عذاب دیا جائے۔

یوسفؑ نے کہا: یہی عورت مجھے پھنسانے کی کوشش میں تھی۔ اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے یہ گواہی دی کہ اگر اس کا قمیص آگے سے پھٹا ہو تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے۔ اور اگر اس کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔

جب شوہر نے دیکھا کہ یوسفؑ کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس نے کہا: یہ تم عورتوں کی چالاکیاں ہیں اور یقیناً تمھاری چالیں بہت سخت ہوتی ہیں۔ یوسفؑ اس بات کو رہنے دے اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ تو ہی خطا کاروں میں سے ہے۔

شہر کی عورتوں نے کہنا شروع کر دیا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کے پیچھے پڑی ہوئی ہے' اسے محبت نے بے قابو کر دیا ہے۔ ہماری نظر میں وہ صریح غلطی کا ارتکاب کر رہی ہے۔ جب اس نے ان کی مکر پر مبنی باتیں سنیں تو ان کو دعوت دی اور ان کے لیے تکیہ دار محفل آراستہ کی اور ہر ایک کے ہاتھ میں چھری پکڑا دی اور اس نے یوسفؑ سے کہا کہ ان کے سامنے نکل آ۔ جب عورتوں نے اسے دیکھا تو وہ دنگ رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور کہنے لگیں: خدا پناہ! یہ انسان نہیں ہے یہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

اس عورت نے کہا: یہ ہے وہ شخص جس کے متعلق تم نے مجھے ملامت کی ہے۔ بے شک میں نے اسے اپنے دام میں پھانسنے کی کوشش کی تھی مگر یہ بچ نکلا اور اگر اس نے میرے حکم پر عمل نہ کیا تو اسے قید کر لیا جائے گا اور یہ ذلیل و خوار ہو جائے گا۔

یوسفؑ نے کہا: اے میرے رب! یہ عورتیں جس گناہ کی مجھے دعوت دے رہی ہیں اس برائی کی بہ نسبت مجھے زندان جانا کہیں زیادہ محبوب ہے۔ اور اگر تو نے مجھ سے ان کی چالوں کو دُور نہ کیا تو میں بھی ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو جاؤں گا۔

اس کے رب نے اس کی دعا منظور کی اور عورتوں کی چالیں اس سے ہٹا دیں۔ بے شک وہ سننے والا علم والا ہے۔

پھر ان لوگوں کو یہ تدبیر سوجھی کہ ایک عرصہ کے لیے اسے قید کر دیں' حالانکہ وہ اس کی پاک دامنی کی صریح نشانیاں دیکھ چکے تھے۔ قید خانہ میں دو جوان اس کے پاس داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ میں شراب کشید کر رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میں اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے ان کو کھا رہے ہیں۔ آپ ہمیں ان کی تعبیر بتائیں' ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے سمجھتے ہیں۔

یوسفؑ نے کہا: تمھیں یہاں جو کھانا دیا جاتا ہے وہ کھانا آنے سے پہلے میں تمھیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ اس کا تعلق ان علوم سے ہے جو میرے رب نے مجھے تعلیم دیئے ہیں۔ جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے منکر ہیں' میں نے ان لوگوں کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔

اور میں نے اپنے بزرگوں ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی ملّت کی پیروی کی ہے۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ ہم پر اور تمام انسانوں پر اللہ کا کرم ہے' لیکن لوگوں کی اکثریت شکر ادا نہیں کرتی۔

اے زندان کے میرے دو ساتھیو! تم ذرا سوچو تو سہی کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں

یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ ان کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کر رہے ہو وہ تو بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمھارے آباء واجداد نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ فرمانروائی کا حق بس اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن لوگوں کی اکثریت لاعلم ہے۔

اے قید خانہ کے میرے دو ساتھیو! تم میں سے ایک اپنے رب (شاہِ مصر) کو شراب پلائے گا اور رہا دوسرا' تو اسے سولی چڑھایا جائے گا' پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ جو بات تم دونوں پوچھ رہے تھے اس کا فیصلہ ہوگیا ہے۔ پھر ان میں سے جس کے متعلق اسے خیال تھا کہ وہ آزاد ہوجائے گا۔ اس سے یوسفؑ نے کہا کہ اپنے رب (شاہِ مصر) سے میرا ذکر کرنا' مگر شیطان نے اسے ایسا غافل کیا کہ وہ اپنے رب (شاہِ مصر) سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا۔ چنانچہ یوسفؑ کئی سالوں تک مزید زندان میں پڑا رہا۔

بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور اناج کے سات خوشے ہرے ہیں اور دوسرے خشک ہیں۔ اے دربار والو! اگر تم خوابوں کی تعبیر جانتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بیان کرو۔

اہلِ دربار نے کہا: پریشان کن خواب ہیں اور ہم خوابوں کی تعبیر سے لاعلم ہیں۔ ان دو قیدیوں میں سے جو شخص بچ گیا تھا اسے ایک عرصہ کے بعد بات یاد آئی۔ اس نے کہا: میں تم لوگوں کو اس خواب کی تعبیر بتاتا ہوں' مجھے قید خانہ میں یوسفؑ کے پاس جانے دو۔

(اس نے کہا) یوسفؑ! اے صدیق! آپ ہمیں بتائیں کہ سات موٹی گائیں ہیں جنھیں

کمزور گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہرے بھرے اناج کے خوشے ہیں اور باقی خشک ہیں، تاکہ میں لوگوں کے پاس جاؤں اور اس طرح سے وہ ان کی تعبیر جان سکیں۔

یوسفؑ نے کہا: تم سات سال تک مسلسل زراعت کرتے رہو گے۔ اس عرصہ میں جو فصلیں کاٹو تو ان میں سے اپنی خوراک کے برابر حصّہ خوشوں سے نکال لو باقی اناج بالیوں میں ہی رہنے دو۔ پھر سخت سات سال آئیں گے اس دوران وہ سب غلہ کھا لیا جائے گا جو تم نے اس وقت کے لیے جمع کیا ہوگا۔ اس کے بعد پھر ایک سال آئے گا جس میں لوگوں کے لیے بارشیں برسائی جائیں گی اور لوگ پھلوں کا رَس نچوڑیں گے"۔

قرآن کتابِ مبین ہے

الٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۟

"الٓرٰ - یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں قرآن مجید کو "کتابِ حکیم" کے الفاظ سے یاد کیا اور سورۂ یوسف میں اسے "کتابِ مبین" کے نام سے یاد کیا ہے۔ قرآن کریم بچند وجوہ "مبین" ہے:

۱- قرآن مجید محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا زبردست معجزہ ہے اس لیے یہ "مبین" ہے۔

۲- اس کتاب میں رشد و ہدایت کی نشاندہی کی گئی ہے اور حلال و حرام کی تفصیل بیان کی گئی ہے اسی لیے قرآن کتاب مبین ہے۔

۳- قرآن مجید میں اوّلین کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور ان کے حالات کی تفصیل بیان کی گئی ہے اسی لیے قرآن کتابِ مبین ہے۔

احسن القصص

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ

"ہم آپ کے سامنے حسین ترین قصہ بیان کر رہے ہیں"۔

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کو قرآن سنایا تو انھوں نے کہا کہ اگر آپ ہمیں کوئی قصہ سناتے تو کیا ہی بہتر ہوتا۔ اس کے جواب میں اللہ نے سورہ یوسفؑ نازل کی اور اس کے سرنامہ میں ارشاد فرمایا: ہم آپ کو بہترین قصہ بیان کر رہے ہیں۔

لوگوں نے کہا یارسولؐ اللہ! کاش آپؐ ہم سے کوئی حدیث بیان کرتے تو اللہ نے یہ آیت نازل کی: اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ (الزمر:۲۳) "اللہ نے حسین ترین حدیث نازل کی ہے"۔

لوگوں نے آنحضرتؐ سے کہا: کاش! آپؐ ہمیں نصیحت کرتے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰہِ (الحدید:۱۶) "کیا اہلِ ایمان کے لیے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے جھک جائیں"۔

قصۂ یوسفؑ کو "احسن القصص" اس لیے کہا گیا کہ اس میں عبرت کے بہت سے سامان موجود ہیں۔ اس سورہ میں یہ حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کی تقدیر کو وقوع پذیر ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا اور اگر خدا کسی کو عزت واقتدار دینا چاہے تو کوئی بھی اسے اس سے دُور نہیں رکھ سکتا۔

اس سورہ میں یہ بیان کیا گیا کہ حسد ہمیشہ ذلت وخواری کا موجب ثابت ہوتا ہے۔ ضمناً اس حقیقت کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ صبر کامیابی کی کنجی ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے صبر کیا تو خدا نے ان کا خاندان ان سے ملا دیا اور یوسف علیہ السلام نے صبر کیا تو خدا نے انھیں اقتدار عطا کیا۔ (اضافۃ من المترجم)

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: بعض اوقات مَیں اپنے کچھ بچوں کو دستِ شفقت پیار کرتا ہوں اور انھیں اپنی گود میں بٹھاتا ہوں جب کہ مجھے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ یہ اتنے پیار کے قابل نہیں ہیں۔ میں یہ سب کچھ اس لیے کرتا ہوں کہ وہ احساسِ محرومی کا شکار نہ ہوں اور اپنے اہل بھائی سے حسد نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یوسف کے ذریعے سے یہ سبق دیا ہے کہ ایسے حالات پیدا نہ کیے جائیں کہ بھائی ایک دوسرے سے حسد کرنے لگ جائیں۔

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: عربی زبان سیکھو۔ یہ خدا کی وہ زبان ہے جس سے اللہ نے بندوں سے خطاب کیا ہے۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ "احسن القصص" سے قرآن حکیم مراد ہے۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن "احسن الحدیث" اور "احسن القصص" ہے۔

روضہ کافی میں امیر المومنین علیہ السلام کا ایک خطبہ منقول ہے جس میں آپؑ نے قرآن مجید کے متعلق فرمایا: کتاب خدا احسن القصص، بلیغ ترین موعظہ اور فائدہ مند نصیحت ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: وحی کے نزول کی پانچ کیفیات ہیں: بعض انبیاء کو آوازِ زنجیر کی طرح سے آوازیں سنائی دیتی تھیں اور وہ اس کا مفہوم سمجھ لیتے تھے۔ بعض انبیاء کو خواب میں ہدایات ملتی تھیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند کی قربانی کا حکم خواب میں پایا اور حضرت یوسفؑ نے اپنے اقتدار کی بشارت خواب سے ہی حاصل کی تھی۔ کچھ انبیاء ایسے تھے جو ملائکہ کو دیکھتے تھے۔ کچھ وہ تھے جن کے قلوب پر القا ہوتا تھا اور کچھ وہ تھے جنھیں کانوں سے حکمِ خداوندی سنائی دیتا تھا۔

گیارہ ستارے

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ۝

"جب یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں"۔

کتاب الخصال میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ "بستان" نامی ایک یہودی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: محمدؐ! جن ستاروں کو حضرت یوسفؑ نے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا ان ستاروں کے نام کیا تھے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد حضرت جبریلؑ آپؐ پر نازل ہوئے اور انھوں نے آپ کو ان ستاروں کے نام بتائے۔ آنحضرتؐ نے اس یہودی کو اپنے ہاں طلب کیا، جب وہ آیا تو آپؐ نے اس سے فرمایا: اگر میں تجھے ان ستاروں کے نام بتا دوں تو کیا تو اسلام قبول کرلے گا؟

اس نے کہا: جی ہاں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: سنو! ان ستاروں کے نام یہ تھے: ۱۔ خوبان ۲۔ طارق ۳۔ ذیال ۴۔ ذوالکتفان ۵۔ قابس ۶۔ وثاب ۷۔ عموران ۸۔ فیلق ۹۔ مصبح ۱۰۔ صدوع ۱۱۔ ذوالقروع۔

ان گیارہ ستاروں کے علاوہ حضرت یوسفؑ نے سورج اور چاند کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے

یہی خواب اپنے والد کے سامنے بیان کیا تھا تو ان کے والد نے کہا: یہ خدا کی طرف سے تمھارے لیے خوش خبری ہے' اللہ اسے پورا کر کے رہے گا۔ جب یہودی نے یہ سنا تو اس نے اسلام قبول کرلیا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر یہ تھی کہ وہ ملکِ مصر کی حکومت پر فائز ہوں گے اور ان کے دورِ اقتدار میں ان کے والدین اور بھائی ان کے پاس آئیں گے۔ ''سورج'' سے یوسف علیہ السلام کی والدہ ''راحیل'' اور چاند سے ان کے والد حضرت یعقوبؑ مراد تھے اور گیارہ ستاروں سے ان کے گیارہ بھائی مراد تھے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے کنبہ کو لے کر مصر میں داخل ہوئے تھے اور انھوں نے یوسفؑ کی بادشاہت دیکھی تو انھوں نے اللہ کا شکرادا کرتے ہوئے خالص اللہ کا ہی سجدہ کیا تھا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی تھے۔ بن یامین ان کا سگا بھائی تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل ہے جس کا معنی ہے ''اللہ کا خالص بندہ''۔ حضرت یوسفؑ نے نو برس کی عمر میں یہ خواب دیکھا تھا۔ جب انھوں نے یہ خواب اپنے والد کے سامنے بیان کیا تو انھوں نے یوسفؑ سے کہا تھا: بیٹا! یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تیرے خلاف چالیں چلیں گے۔ یقیناً شیطان' انسانوں کا کھلم کھلا دشمن ہے۔

خوابوں کی ابتداء کب ہوئی

روضہ کافی میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ابتداء میں انسان خواب نہیں دیکھا کرتے تھے۔ خواب بعد میں شروع ہوئے' لوگوں نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! خوابوں کی دنیا کا آغاز کب سے ہوا؟ آپؑ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ اللہ نے ایک رسول بھیجا۔ اس نے لوگوں کو اللہ کی اطاعت وعبادت کی دعوت دی۔

لوگوں نے اس سے کہا: اچھا یہ بتاؤ اگر ہم تمھارا کہنا مان لیں تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ہم سے زیادہ دولت مند بھی نہیں ہیں اور قوم قبیلہ کے اعتبار سے ہم سے زیادہ صاحبِ قوت بھی تو نہیں ہیں۔ پھر ہم آپ کی پیروی کریں تو کیوں کریں؟

اس نبی نے جواب دیا: اگر تم نے میری پیروی کی تو اللہ تمھیں جنت میں داخل کرے گا اور اگر تم نے میری نافرمانی کی تو خدا تمھیں دوزخ بھیجے گا۔

انھوں نے کہا: جنت وجہنم کیا چیز ہیں؟ نبی نے کہا: جنت نعمتوں کا گھر ہے اور دوزخ عذاب کا گھر ہے۔ انھوں نے

کہا: یہ جنت و جہنم ہمیں کب ملے گی؟ نبی نے کہا: مرنے کے بعد۔ انھوں نے کہا: ہم نے کھلی ہوئی قبریں دیکھی ہیں ہڈیوں اور خاک کے سوا وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر ان لوگوں نے نبی کی زیادہ سے زیادہ مخالفت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت خوابوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جب ان لوگوں نے خواب دیکھے تو حیران ہو کر نبی کے پاس آئے۔

نبی نے ان سے کہا: اللہ نے اس ذریعہ سے تم پر حجت تمام کی ہے۔ جب تم مرجاؤ گے تو تمھارے بدن گل سڑ جائیں گے' لیکن تمھارے ارواح باقی ہوں گے۔ خدا انھیں عذاب دے گا اور یہ سلسلہ قیامت کے دن تک قائم رہے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: آخری زمانہ میں مومن کی رائے اور مومن کا خواب نبوت کا سترواں حصہ قرار پائیں گے۔

حکماء کہتے ہیں کہ برے خوابوں کی تعبیر جلد ظاہر ہوتی ہے جب کہ اچھے خوابوں کی تعبیر کافی دیر بعد ظاہر ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کسی کو برا خواب دکھا کر زیادہ دیر تک اسے انتظار اور خوف کی صلیب پر نہ لٹکایا جائے' تاکہ اس کی پریشانی کم سے کم ہو سکے اور اچھے خواب کی تعبیر اس لیے دیر سے سامنے آتی ہے تاکہ انسان پُر امید رہے اور زندگی کے کٹھن مراحل میں صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑے۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن الرازی)

آزمائش کی ابتداء کب ہوئی؟

کتاب علل الشرائع میں ابوحمزہ ثمالی سے منقول ہے کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی۔ جب آپؑ تعقیبات سے فارغ ہوئے تو مسجد سے اُٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ میں آپؑ کے ساتھ تھا۔ آپؑ نے اپنی کنیز کو صدا دی۔ اس کنیز کا نام سکینہ تھا۔ آپؑ نے اس سے فرمایا: جو بھی سائل دروازے پر آئے اسے کھانا ضرور کھلانا۔ آج جمعہ کا دن ہے۔

میں (راوی) نے کہا: مولاؑ! ہر سائل مستحق تو نہیں ہوتا۔

آپؑ نے فرمایا: ثابت! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی مستحق سائل محروم نہ ہو جائے اور اس کی وجہ سے ہم پر وہ آزمائش نہ آ جائے جو یعقوب علیہ السلام کے گھرانے پر نازل ہوئی تھی لہٰذا انھیں کھانا کھلاؤ' انھیں کھانا کھلاؤ۔

یعقوب علیہ السلام کا دستور تھا کہ آپؑ روزانہ اپنے خاندان کے لیے ایک دُنبہ ذبح کرتے تھے۔ آپؑ کا خاندان بھی اس کا گوشت کھاتا تھا اور سوال کرنے والوں کو بھی کھانا کھلاتے تھے۔

اس زمانہ میں ایک سچا مومن رہتا تھا جس کا نام ''ذمیال'' تھا۔ خدا کی نظر میں اسے مقام حاصل تھا۔ وہ دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات کو عبادت کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ شب جمعہ کو وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دروازے پر آیا اور اس نے صدا دے کر کہا: گھر والو! ایک مسافرِ غریب کو خدا کے نام پر کھانا دو۔ اس نے کئی بار یہ صدا دی، لیکن کسی نے بھی اس پر توجہ نہ دی۔ جب وہ مایوس ہوا تو اس نے کلمہ استرجاع پڑھا اور خدا کے حضور اپنی بھوک کی شکایت کی اور اس نے بھوک کی حالت میں رات گزار دی۔ صبح ہوئی تو اس نے روزہ رکھ لیا۔ وہ بے چارہ ساری رات بھوک سے بلکتا رہا جب کہ آلِ یعقوبؑ شکم سیر ہو کر سوتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے صبح کے وقت یعقوب علیہ السلام کو یہ وحی فرمائی: یعقوبؑ! تو نے میرے بندوں کی توہین کی ہے، جس کی وجہ سے تو میرے غضب کا حق دار قرار پایا ہے۔ میں تجھ پر اور تیری اولاد پر سختی نازل کروں گا۔ میرے انبیاء میں سے مجھے وہ نبی زیادہ پیارا ہے جو میرے مسکین بندوں پر رحم کرے اور انھیں اپنے قریب بٹھائے اور انھیں کھانا کھلائے اور میرے مسکین بندوں کے لیے ملجا و ماویٰ ہو۔

یعقوبؑ! میرا بندہ ''ذمیال'' تیرے دروازے پر آیا۔ اس نے افطار کے لیے تجھ سے کھانا مانگا، لیکن تو نے اسے کھانا نہ کھلایا۔ وہ ساری رات بھوک سے تڑپتا رہا، جب کہ تم نے شکم سیر ہو کر رات بسر کی اور تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اپنے دشمنوں پر جلدی سے آزمائش نازل نہیں کرتا جب کہ اپنے دوستوں پر جلدی سے آزمائش نازل کرتا ہوں۔ لہٰذا اب تم آزمائش کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور مصائب پر صبر کرو''۔

جس رات ''ذمیال'' بھوکا رہا تھا اسی وقت حضرت یوسفؑ نے یہ خواب دیکھا۔ صبح ہوئی تو انھوں نے یہ خواب اپنے والد سے بیان کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام یہ خواب سن کر پریشان ہوئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ اب ان پر آزمائش آنے والی ہے۔ اسی لیے آپؑ نے اپنے فرزند سے کہا: بیٹا! یہ خواب بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمھارے خلاف سازشیں کریں گے۔

اس تنبیہ کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اپنا خواب بیان کیا۔ جب انھوں نے یہ خواب سنا تو انھوں نے اس سے حسد کیا اور ان کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ اس کے نتیجے میں یہ واقعہ پیش آیا اور جب یوسف علیہ السلام کے بھائی انھیں ساتھ لے کر جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی تھوڑی دیر ہی چلے تھے کہ یعقوبؑ اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر دوڑتے ہوئے بیٹوں کے پاس آئے اور یوسفؑ کو سینے سے لگایا اور جی بھر کر پیار کیا۔ پھر اسے بھائیوں کے

حوالے کر دیا۔

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے سوچا کہ کہیں حضرت یعقوب علیہ السلام پر پدری شفقت غالب نہ آجائے اور وہ یوسفؑ کو اپنے پاس ہی نہ بلالیں اسی لیے انھوں نے جلدی سے سفر شروع کر دیا۔ جب وہ یوسفؑ کو باپ سے بہت دُور ایک جنگل میں لے آئے تو درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے بیٹھ کر کہنے لگے کہ ہم یوسفؑ کو یہاں ذبح کریں اور اس کی لاش یہاں پھینک دیں جیسے ہی رات ہوگئی تو جنگلی درندے آ کر اسے کھا جائیں گے۔

بڑے بھائی نے کہا: ایسا نہ کرو۔ اسے قتل کرنے کے بجائے کسی گہرے کنوئیں میں ڈال دو جہاں سے کوئی قافلہ اسے نکال کر یہاں سے بہت دُور لے جائے گا۔ چنانچہ وہ حضرت یوسفؑ کو ایک کنوئیں کی منڈیر پر لے گئے اور انھوں نے وہاں یوسفؑ سے اس کا کرتہ اُتروایا۔ پھر اسے کنوئیں میں دھکا دیا۔ کنوئیں کی پاتال سے یوسفؑ نے آواز دی: اے اولاد ''رومین!'' جب گھر جاؤ تو میرے والد کو میرے سلام پہنچاؤ۔

یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا: اس کی آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک یہ مرا نہیں ہے۔ جب تک تمھیں اس کی موت کا یقین نہ ہو جائے یہاں سے اِدھر اُدھر مت جاؤ۔ پھر کنوئیں میں خاموشی چھا گئی اور انھیں یقین ہوگیا کہ یوسفؑ مر چکا ہے۔

شام کے وقت وہ خون آلود کُرتہ لے کر باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: ابا جان! ہم دوڑنے میں مصروف تھے۔ یوسفؑ ہمارے مال کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک بھیڑیا آیا جو اسے کھا گیا۔ حضرت یعقوبؑ نے جب یہ سنا تو انھیں یقین ہوگیا کہ پروردگار کی طرف سے ان کی آزمائش شروع ہو چکی ہے۔ آپؑ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: تم نے یہ بات اپنی طرف سے بنالی ہے، جب تک یوسفؑ کو اس کے خواب کی تعبیر نہ مل جائے اس وقت تک اس پر موت نہیں آسکتی۔

ابوحمزہ (اس روایت کے راوی) کا بیان ہے کہ جب امام سجاد علیہ السلام یہاں تک پہنچے تو آپؑ نے سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا۔ میں دوسرے روز آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مولاؑ! قصۂ یوسف کا کچھ حصہ آپؑ نے کل بیان کیا تھا اس کے بعد کیا ہوا اس کی وضاحت فرمائیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: وہ رات برادرانِ یوسفؑ نے اپنے گھر گزاری۔ صبح ہوئی تو انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: آؤ چل کر یوسفؑ کا حال معلوم کریں اور یہ پتہ چلائیں کہ وہ مرگیا ہے یا زندہ ہے۔ اللہ نے وہاں

ایک قافلہ بھیجا تھا۔ اہل قافلہ نے پانی لانے والے کو اس کنوئیں سے پانی لانے کے لیے کہا۔ اس نے کنوئیں میں ڈول ڈالا یوسفؑ اس کے ڈول سے چمٹ گئے۔ جب اس نے معصوم بچے کو دیکھا تو اس نے خوشی سے کہا: لو مبارک ہو، یہ لڑکا کنوئیں سے ملا ہے۔ اہل قافلہ نے یوسفؑ کو سامانِ تجارت سمجھ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

برادرانِ یوسفؑ وہاں پہنچے تو انھوں نے ایک قافلہ کو وہاں موجود پایا۔ انھوں نے وہاں اپنے بھائی یوسفؑ کو بھی دیکھ لیا۔ اس کے بعد وہ سالار قافلہ کے پاس آئے اور اس سے کہا: یہ ہمارا غلام ہے۔ کل یہ اس کنوئیں میں گر پڑا تھا اب ہم اس کو نکالنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔

یہ کہہ کر انھوں نے یوسفؑ کو اہل قافلہ سے چھین لیا اور اسے دور لے جا کر کہا: اب تمھارے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو ان کے سامنے اقرار کرو کہ تم ہمارے غلام ہو۔ اگر تم نے اقرار کر لیا تو ہم تجھے ان کے ہاتھوں فروخت کر دیں گے۔ اس طرح سے تمھاری زندگی بچ جائے گی اور اگر تم اس کا اقرار نہیں کرتے تو ہم تجھے آگے لے جا کر قتل کر دیں گے۔

حضرت یوسفؑ نے کہا: مجھے قتل نہ کرو۔ تم مجھے ان کے ہاتھوں فروخت کر دو۔ اس کے بعد وہ اسے قافلہ والوں کے پاس لے آئے اور ان سے کہا: کیا تم میں سے کوئی اس غلام کو خریدنا چاہتا ہے؟ ایک تاجر نے اسے بیس درہموں کے عوض خرید لیا اور بھائی ویسے بھی اس کی قیمت سے بے رغبت تھے۔ جس تاجر نے یوسفؑ کو خرید کیا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر مصر لے آیا اور مصر پہنچ کر اس نے یوسفؑ کو گراں قیمت کے عوض "عزیز مصر" کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔

عزیز مصر حضرت یوسفؑ کو لے کر اپنے گھر پہنچا اور اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے اچھی طرح سے رکھنا ممکن ہے کہ یہ بڑا ہو کر ہمیں فائدہ پہنچائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔

ابوحمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا کہ جب بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں گرایا تھا تو اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر کتنی تھی؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر نو برس کی تھی۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور مصر کے درمیان کتنے دنوں کا فاصلہ تھا؟

آپؑ نے فرمایا: بارہ دنوں کی مسافت تھی۔ پھر آپؑ نے فرمایا: حضرت یوسفؑ اپنے دور کے حسین ترین فرد تھے۔ جب آپؑ جوانی کو پہنچے تو عزیز مصر کی بیوی کی نیت خراب ہوگئی اور اس نے دروازے بند کیے اور حضرت یوسفؑ کو گناہ کی دعوت دی۔

حضرت یوسفؑ نے کہا: خدا کی پناہ، میرا تعلق اس خاندان سے ہے جو زنا سے محفوظ ہے۔

عزیز مصر کی بیوی آپ پر گرنے لگی تو آپ وہاں سے بھاگے۔ وہ آپ کو پکڑنے کے لیے آپ کے پیچھے دوڑی۔ دروازے کھلتے گئے اور یوسف علیہ السلام باہر آتے رہے۔ جب آخری دروازے پر پہنچے تو عورت نے پیچھے سے ان کی قمیص کو پکڑا جس سے وہ قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔ ابھی یہ کش مکش جاری تھی کہ عزیز مصر دروازے پر آ گیا۔ عورت نے چیخ کر اپنے شوہر سے کہا: جو شخص آپ کی گھر والی کی ناموس تباہ کرنا چاہے آپ اس کو کیا سزا دیں گے؟ میری نظر میں تو اس کی سزا یہ ہے کہ اسے زندان بھیج دیا جائے یا اسے سخت عذاب دیا جائے۔

جب عزیز مصر نے یہ سنا تو اسے سخت غصہ آیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ یوسف علیہ السلام کو سخت سزا دے۔ اس وقت حضرت یوسفؑ نے اس سے کہا: مجھے یعقوبؑ کے معبود کی قسم! میں نے تیری بیوی سے برائی کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ہی پہل کی تھی۔ اگر تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ ہم میں سے زیادتی کس کی طرف سے ہوئی ہے تو تم اس معصوم بچے سے پوچھ لو۔ اس بچے کا تعلق زلیخا کے خاندان سے تھا۔ اس بچے کی ماں اسے ملنے کے لیے وہاں آئی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بچے کو بولنے کی قوت عطا کر دی۔

اس نے کہا: بادشاہ! یوسفؑ کی قمیص کو دیکھو اگر وہ سامنے سے پھٹی ہوئی ہو تو خطا یوسفؑ کی ہے اور تیری بیوی بے گناہ ہے اور اگر یوسفؑ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہو تو پھر خطا تیری بیوی کی ہے اور یوسفؑ بے قصور ہے۔

جب بادشاہ نے ایک معصوم بچے کی یہ گواہی سنی تو وہ گھبرا گیا۔ پھر اس نے یوسف علیہ السلام کی قمیص کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ قمیص کو دیکھ کر اسے یوسف کی بے گناہی کا یقین ہو گیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: یہ سب کچھ تمھارا کیا دھرا ہے، تم عورتوں کی چالیں بہت سخت ہوتی ہیں۔ پھر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: اے یوسفؑ! اس بات کو جانے دو۔ کسی کو کانوں کان اس کی خبر نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن یوسف علیہ السلام نے اس خبر کو مخفی نہ رکھا اور یوں بات محلات میں پہنچی اور عورتوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام پر دل ہار بیٹھی ہے اور یقیناً وہ سخت گمراہی میں ہے۔

جب عزیز مصر کی بیوی نے عورتوں کی باتیں سنیں تو اس نے انھیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور ان کے لیے ایک محفل آراستہ کی اور ان کے لیے کھانے کا انتظام کرایا اور ہر عورت کو ایک ایک نارنگی پکڑائی اور سب کے ہاتھ میں چھریاں دے دیں۔ یہ انتظام کر کے وہ یوسف علیہ السلام کے پاس آئی اور اُن سے کہا: آپؑ ایک دفعہ ان عورتوں کے سامنے سے گزریں۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب عورتوں کے سامنے سے گزرے تو عورتوں نے ان کا حسن و شباب دیکھا تو وہ مبہوت

ہوئی اور کہنے لگیں: خدا کی پناہ، یہ انسان نہیں ہے یہ تو محترم فرشتہ ہی ہے۔ اسی اثناء میں انھوں نے نارنگی کاٹی تو نارنگی کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔

عزیزِ مصر کی بیوی نے جب عورتوں کی اس محویت کو دیکھا تو اس نے کہا: اب تم نے دیکھ لیا کہ میں نے کس سے محبت کی ہے اسی کے متعلق تم مجھے ملامت کر رہی تھیں! الغرض وہ عورتیں بادشاہ کے محل سے نکل کر اپنے اپنے گھروں میں گئیں۔ ان میں سے ہر عورت نے یوسفؑ کو خفیہ پیغام بھجوایا کہ وہ اس سے آ کر ملاقات کرے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے تمام عورتوں کی دعوت ٹھکرا دی اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: پروردگار! ان عورتوں کی دعوت قبول کرنے سے تو مجھے زندان جانا زیادہ پسند ہے۔ اگر تو نے مجھ سے ان کے مکر کو دُور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میرا شمار جاہلین کی صف میں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو عورتوں کی چالوں سے بچا لیا اور بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے حضرت یوسفؑ کو زندان بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ جب آپؑ قید خانہ میں گئے تو وہاں دو جوان اور بھی قیدی بنا کر لائے گئے جن کے قصہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں بیان کیا ہے۔

ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ یہاں پہنچ کر امام زین العابدین علیہ السلام نے سلسلۂ کلام موقوف کر دیا۔

تفسیر عیاشی میں ابوحذیفہ (ابوخدیجہ) سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب حضرت یعقوبؑ کی حضرت یوسفؑ کے ذریعہ سے آزمائش شروع ہوئی تو اس کے بعد آپؑ کا معمول تھا کہ روزانہ دن کے وقت آپؑ ایک دنبہ ذبح کراتے تھے اور طعام تیار کرتے تھے۔ آپؑ کی طرف سے ایک شخص ندا دے کر کہتا تھا جسے روزہ نہ ہو وہ دوپہر کا کھانا یعقوبؑ کے پاس کھائے اور جسے روزہ ہو وہ یعقوبؑ کے دسترخوان پر افطار کرے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ لاوی بن یعقوبؑ نے بھائیوں کو حضرت یوسفؑ کے قتل سے منع کیا تھا۔

کتاب علل الشرائع میں ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں نے ان سے باہر جانے کی اجازت طلب کی تھی تو یعقوب علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ میں ڈرتا ہوں کہ یوسفؑ کو کہیں بھیڑیا ہی نہ کھا جائے اور تم اس سے غافل رہو۔ اگر حضرت یعقوبؑ بھیڑیے کی بات نہ کرتے تو بیٹے بھی بھیڑیے کا جھوٹا افسانہ نہ تراشتے۔

مجمع البیان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، آپؐ نے فرمایا: لوگوں کو جھوٹے بہانے مت سکھاؤ

ورنہ لوگ تم سے وہی جھوٹے بہانے بنانے لگ جائیں گے۔ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو معلوم نہیں تھا کہ بھیڑیا انسان کو کھا جاتا ہے۔ جب یعقوب علیہ السلام نے بھیڑیئے کا اندیشہ ظاہر کیا تو بیٹوں نے بھی بھیڑیئے کا ہی بہانہ تراش لیا۔

دعائے یوسفؑ

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب برادرانِ یوسفؑ نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکا تو حضرت جبریل امینؑ کنوئیں میں ان کے پاس گئے اور انھوں نے اس سے کہا: اے نوجوان! تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ یوسفؑ نے کہا کہ میرے بھائیوں نے مجھے کنوئیں میں ڈالا ہے۔ جبریل امینؑ نے کہا: کیا تو یہاں سے نکلنا چاہتا ہے؟ حضرت یوسفؑ نے کہا: وہ خدا کے اختیار میں ہے۔ اگر اس نے چاہا تو وہ مجھے یہاں سے نکال لے گا۔ حضرت جبریلؑ نے کہا: اللہ تم سے فرما رہا ہے کہ تم یہ دعا پڑھو اس کی برکت سے میں تمھیں کنوئیں سے نکال لوں گا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَنْ تَجْعَلَ لِیْ مِمَّآ اَنَا فِیْہِ فَرَجًا وَمَخْرَجًا۔

حضرت یوسفؑ نے اس دعا کو پڑھا۔ اللہ نے اسے کنوئیں سے نجات دی۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی یہی دعا مرقوم ہے، مگر اس میں مَخْرَجًا کے بعد ان الفاظ کا اضافہ ہے: وَارْزُقْنِیْ مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَیْثُ لَآ اَحْتَسِبُ ۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ کنوئیں سے نجات "فرج" تھی۔ عورت کی چال سے نجات "مخرج" تھی اور ملکِ مصر کی حکومت مِنْ حَیْثُ لَآ اَحْتَسِبُ کے کلمات کی ثمر تھی۔

اس حدیث کا تتمہ اِنَّمَا اَشْکُوْبَثِّیْ کی آیت کے ضمن میں بیان کیا جائے گا۔

امالی صدوق میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ کنوئیں میں یوسف علیہ السلام نے کون سی دعا پڑھی تھی۔ آپؑ اس کی وضاحت کریں کیونکہ ہمارے درمیان اس کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب یوسف علیہ السلام کنوئیں میں پھینکے گئے اور وہ زندگی سے مایوس ہوئے تو انھوں نے یہ دعا پڑھی تھی:

اللهم ان كانت الخطايا والذنوب قد اخلقت وجهي عندك فلن ترفع لي اليك صوتا ولن تستجيب لي دعوة فاني اسئلك بحق الشيخ يعقوب فارحم ضعفه واجمع بيني وبينه فقد علمت رقته علي وشوقي اليه۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ جبریل امینؑ نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں بتایا تھا کہ ایک دن وہ آئے گا جب تم اپنے بھائیوں کو اس واقعہ کی خبر دو گے اور انھیں اس وقت علم نہ ہوگا کہ تم ہی یوسفؑ ہو۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب برادرانِ یوسفؑ اپنے بھائی کو کنوئیں میں ڈال چکے تو انھوں نے کہا: اب ہم ایک ذبیحہ ذبح کرتے ہیں اور اس کا خون یوسفؑ کی قمیص پر لگا کر اپنے والد سے کہیں گے کہ آپؑ کے یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ پھر انھوں نے یوسفؑ کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگایا۔ اس وقت یوسفؑ کے ایک بھائی ''لاوی'' نے کہا: بھائیو! کیا ہم یعقوبؑ نبی کے بیٹے نہیں ہیں اور کیا ہمارا دادا اسحاقؑ نبی نہ تھا اور کیا ہمارا پردادا ابراہیمؑ اللہ کا خلیل نہیں تھا؟

سب نے کہا: کیوں نہیں، وہ سب کے سب نبی تھے۔ لاوی نے کہا: تو تم کیا سمجھتے ہو کہ تم جھوٹ بول کر آزاد ہو جاؤ گے؟ کیا خدا وحی کے ذریعہ سے ہمارے والد کو اس واقعہ کے متعلق کچھ نہیں بتائے گا؟ بھائیوں نے کہا: ہاں، اس بات کا تو اندیشہ ہے۔ اب تم ہی بتاؤ ہم کیا کریں؟ لاوی نے کہا: اس کا بس یہی حل ہے کہ ہم سب غسل کریں اور باجماعت نماز پڑھ کر خدا سے درخواست کریں کہ وہ ہمارے والد کو اصل حقیقت سے آگاہ نہ کرے۔

ملّتِ ابراہیمؑ کا قانون تھا کہ گیارہ افراد کے بغیر جماعت نہیں ہوتی تھی۔ جماعت کے لیے پیش نماز سمیت گیارہ افراد کا ہونا ضروری تھا۔ ان میں سے ایک امام بنتا تھا اور دس افراد مقتدی بنتے تھے۔ لیکن اولادِ یعقوبؑ کی مجبوری یہ تھی کہ ان کی تعداد گیارہ سے کم تھی۔ یہ دیکھ کر انھوں نے کہا: اب کیا کریں ہماری تعداد تو گیارہ نہیں بنتی؟

لاوی نے کہا: کوئی بات نہیں ہم اللہ کو اپنا امام بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے نماز پڑھی اور رو رو کر خدا سے التجا کی کہ وہ اس معاملہ کو یعقوبؑ سے مخفی رکھے۔

الغرض شام کے وقت وہ روتے ہوئے اپنے والد کے پاس پہنچے اور ان سے کہا: اباجان! ہم اجڑ گئے، یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا۔ دیکھئے یوسفؑ کی خون آلود قمیص ہمارے پاس ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے یوسفؑ کی قمیص دیکھی تو کہیں سے بھی پھٹی ہوئی نہیں تھی۔ آپؑ نے فرمایا: معلوم ہوتا ہے بھیڑیا بڑا مہربان تھا۔ اس نے یوسفؑ کو کھایا لیکن اس کی قمیص کو کہیں سے نہیں پھاڑا۔

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ قصہ یوسف کی جان قمیصِ یوسفؑ پر ہے۔ایک مرتبہ قمیصِ یوسفؑ پر خون لگایا گیا تھا۔ایک مرتبہ زلیخا کے ہاتھوں ان کی قمیص پھٹی تو وہ ان کی بے گناہی کا ذریعہ ثابت ہوئی اور پھر وہ وقت بھی آیا جب یوسفؑ حکمران تھے۔انھوں نے اپنے والد کے پاس اپنی قمیص بھیجی تھی، جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو کھوئی ہوئی بینائی ملی۔

ہائے یوسفؑ تھوڑی قیمت میں بکا

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ

''اور انھوں نے اسے تھوڑی سی قیمت پر چند درہموں کے عوض فروخت کر دیا''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: بھائیوں نے یوسفؑ کو بیس درہموں کے عوض فروخت کیا تھا جب کہ یہ رقم اتنی حقیر ہے کہ اگر کسی کے ہاتھوں سے شکاری کتا قتل ہو جائے تو عوض میں بیس درہم ادا کیے جاتے ہیں۔

مجمع البیان میں امام سجاد علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: بھائیوں نے یوسفؑ کو بیس درہموں میں فروخت کیا تھا اور دس بھائیوں نے دو دو درہم حاصل کیے تھے۔

عیون الاخبار میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ۔ہے کہ درہم و دینار کے سکّے سب سے پہلے نمرود بن کنعان نے رائج کیے تھے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: یوسفؑ کی زندگی بھی بڑی عجیب تھی۔ بچپنے میں باپ کی آنکھ کا تارا تھے۔ پھر بک کر غلام بنے پھر کچھ عرصہ بعد مصر کے حاکم بنے۔

عصمتِ یوسفؑ

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾

''یوسفؑ جس عورت کے گھر میں قیام پذیر تھا وہ اس پر عشق کا جال پھینکنے لگی اور اس نے دروازے

بند کر دیئے اور کہنے لگی: آ جا۔ یوسفؑ نے کہا: خدا کی پناہ میرے رب نے تو مجھے اچھی منزلت بخشی ہے اور ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاتے۔ وہ اس سے برائی کا ارادہ کر چکی تھی اور اگر یوسفؑ رب کی برہان نہ دیکھ چکا ہوتا تو وہ بھی ارادہ کر لیتا تا کہ ہم اس سے بدی اور برائی کو دُور کریں۔ یقیناً وہ ہمارے چُنے ہوئے بندوں میں سے تھا''۔

عیون الاخبار میں عصمتِ انبیاءؑ کے موضوع پر امام علی رضا علیہ السلام کا ایک مباحثہ مرقوم ہے۔ اس مباحثہ میں آپؑ نے علی بن جہم کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا کا یہ مفہوم ہے زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے جنسی تسکین حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر اس نے انھیں زیادہ مجبور کیا تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَالۡفَحۡشَآءَ ''اس طرح سے ہم یوسفؑ سے برائی اور بدکاری کو دُور کر رہے تھے''۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے یوسفؑ کو زنا اور قتل سے محفوظ رکھا تھا۔

مامون الرشید نے ایک مرتبہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ کی آیت سے بظاہر حضرت یوسفؑ کی عصمت کی نفی ہوتی ہے اور اس آیت کی موجودگی میں آپؑ انبیاء کو کس طرح سے معصوم قرار دے سکتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق مشروط جملہ کہا ہے اور فرمایا ہے: وَهَمَّ بِهَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ ''اگر یوسفؑ پہلے سے اپنے رب کی برہان نہ دیکھ چکے ہوتے تو وہ بھی زلیخا کی طرح سے برائی کا ارادہ کر لیتے۔ لیکن وہ پروردگار کی برہان دیکھ چکے تھے اور وہ معصوم تھے اور معصوم کبھی بھی بدکاری کا ارادہ نہیں کر سکتا۔

میرے جدِ امجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے تھے کہ زلیخا جنسی تسکین بجھانے کا ارادہ کر چکی تھی اور یوسفؑ بدفعلی نہ کرنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ جب مامون الرشید نے امام علیہ السلام کا یہ جواب سنا تو اس نے کہا: اے ابوالحسن! آپؑ نے میری مشکل دُور کر دی' خدا آپ کی مشکلات آسان فرمائے۔

حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب زلیخا نے بے حیائی کا ارادہ کیا تو اس نے گھر میں رکھے ہوئے بت پر کپڑا ڈالا۔ حضرت یوسفؑ نے ملکہ سے کہا کہ یہ کیا کر رہی ہو؟ ملکہ نے جواب دیا کہ اب ہم

بدکاری کریں گے اسی ۔لیے میں چاہتی ہوں کہ میرا معبود ہمیں برائی کرتے ہوئے نہ دیکھے اسی لیے میں نے اس کے چہرے پر کپڑا ڈال دیا ہے، تاکہ یہ ہمیں نہ دیکھ سکے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے ملکہ! کچھ تو سوچو، تم تو ایک بت کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی ہو جو نہ تو دیکھ سکتا ہے اور نہ سن سکتا ہے تو کیا میں اس خدا کا حیا نہ کروں جو دیکھ بھی رہا ہے، سن بھی رہا ہے اور جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے بُرْهَانَ رَبِّهِ سے تعبیر کیا ہے۔

امالی صدوق میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے علقمہ سے فرمایا: لوگوں کو راضی رکھنا ناممکن ہے اور لوگوں کی زبانوں کو خاموش رکھنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ لوگوں کی زبانوں سے تو انبیاءؑ محفوظ نہیں رہے۔ لوگوں نے تو حضرت یوسفؑ پر بھی زنا کا الزام عائد کیا تھا۔

توضیح: محقق فیض مرحوم اعلی اللہ مقامہ، نے تفسیر صافی میں اس عنوان کی مختلف روایات نقل کرنے کے بعد اپنی طرف سے یہ تبصرہ کیا۔

عامہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے عفتی کے متعلق بہت سی روایات لکھی ہیں جنھیں نقل کرنا مناسب نہیں ہے جب کہ انھیں صحیح سمجھنا تو اور زیادہ مصیبت ہے۔ یوسفؑ و زلیخا کے اس واقعہ سے شخصیات کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق ہے اور وہ شخصیات یہ ہیں: ۱- یوسفؑ ۲- زلیخا ۳- زنانِ مصر ۴- عزیز مصر ۵- گواہ ۶- رب العالمین ۷- ابلیس لعین۔

مذکورہ چھ شخصیات کے بیانات سے یوسفؑ کی بے گناہی ثابت ہوتی ہے۔

۱- یوسف علیہ السلام نے اپنی بے گناہی کے متعلق فرمایا تھا: هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي ''ملکہ نے مجھے اپنی جانب مائل کرنا چاہا ہے''۔ ایک اور مقام پر انھوں نے کہا تھا: رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ''پروردگار! ان عورتوں کی دعوتِ گناہ قبول کرنے سے مجھے زندان جانا زیادہ پسند ہے''۔

۲- جہاں تک عزیز مصر کی بیوی کا تعلق ہے تو اس نے بھی مصری خواتین کے مجمع میں کہا تھا: وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ''میں نے اسے اپنی جانب مائل کرنا چاہا تھا لیکن وہ بچ نکلا''۔ اور جب کردارِ یوسفؑ کے متعلق عمومی تحقیق ہوئی تھی تو اس نے کہا تھا: اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ ''اب جب کہ حق واضح ہو چکا ہے میں نے ہی اسے اپنی طرف سے راغب کرنا چاہا تھا''۔ الغرض ملکہ نے بھی یوسفؑ کی بے گناہی کا اعتراف کیا تھا۔

۳- جہاں تک عزیز مصر کا تعلق ہے تو اس نے بھی حضرت یوسفؑ کی بے گناہی کا اعلان کیا تھا اور اس نے اپنی بیوی

گناہ گار قرار دیتے ہوئے یہ کہا تھا: اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ ''یہ سب تمھاری چالیں ہیں تمھاری چالیں بہت سخت ہوتی ہیں''۔

۴- جہاں تک زنانِ مصر کا تعلق ہے تو انھوں نے بھی یوسف علیہ السلام کو بے گناہ قرار دیا تھا اور انھوں نے کہا تھا: امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ''عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اپنی جانب مائل کر رہی ہے۔ وہ محبت میں بے قابو ہو چکی ہے ہماری نظر میں وہ صریح غلطی کا ارتکاب کر رہی ہے''۔

اور پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کے مطالبہ پر عمومی تحقیق کی گئی تو زنانِ مصر نے یہ گواہی دی تھی: حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ''خدا کی پناہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی تھی''۔ یوں زنانِ مصر نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا اقرار کیا تھا۔

۵- جہاں تک گواہ کی گواہی کا تعلق ہے تو اس نے بھی حضرت یوسفؑ کی بے گناہی کا اقرار کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہو تو یوسفؑ قصوروار ہے اور ملکہ بے گناہ ہے اور اگر یوسفؑ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہو تو قصور ملکہ کا ہے اور یوسفؑ سچا ہے۔

۶- جہاں تک رب العالمین کی گواہی کا تعلق ہے تو اللہ نے بھی انھیں بے گناہ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ''اس طرح سے ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دُور کر رہے تھے''۔

۷- جہاں تک ابلیس لعین کا تعلق ہے تو اس نے بھی بالواسطہ طور پر یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا اعتراف کیا ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ کہا تھا:

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (ص: ۸۲-۸۳)

''تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کروں گا مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہوں گے انھیں میں گمراہ نہیں کروں گا''۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق یہ گواہی دی: اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ''یقیناً یوسفؑ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یوسف علیہ السلام سے کوئی غلطی صادر نہیں ہوئی تھی۔ وہ جاہل جو یوسف علیہ السلام کی طرف غلطی کو منسوب کر رہے ہیں اگر وہ اللہ کے دین کے پیروکار ہیں تو انھیں چاہیے کہ وہ اللہ کی گواہی قبول کر لیں اور یوسفؑ کی بے گناہی کا عقیدہ اپنا لیں اور اگر ان کا تعلق ابلیس کے گروہ سے ہے تو بھی انھیں چاہیے کہ وہ

یوسفؑ کی بے گناہی کا عقیدہ رکھیں، کیونکہ ابلیس نے بھی یوسفؑ کی بے گناہی کا اقرار کیا تھا۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ لوگ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

حضرتؑ کے ایک ساتھی نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ملکہ نے حضرت یوسفؑ کو گناہ کی پیش کش کی تھی تو یوسف علیہ السلام نے اسے قبول کرلیا تھا اور جب انھوں نے فعلِ بد کا ارادہ کیا تو اس وقت انھوں نے دیکھا کہ یعقوب علیہ السلام اپنی انگلی کو حیرت وافسوس سے کاٹ رہے تھے۔ چنانچہ اپنے والد کو وہاں پا کر یوسف علیہ السلام گناہ سے بچ گئے تھے اور یہی چیز "برہانِ رب" تھی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ملکہ نے گھر میں موجود بت کے چہرے پر کپڑا ڈالا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے فرمایا: یہ کیا کر رہی ہے؟ اس نے کہا: یہ میرا معبود ہے میں چاہتی ہوں کہ یہ مجھے برائی کرتے ہوئے نہ دیکھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے ملکہ! تو ایک اندھے اور بہرے بت سے تو شرم کر رہی ہے کیا میں سمیع وبصیر خدا سے شرم نہ کروں۔ یہ رب کی وہ برہان تھی جس کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام برائی سے بچ گئے تھے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کے متعلق مفسرین سے بہت سے اقوال مروی ہیں۔ ان اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ برہانِ رب سے نبوت مراد ہے اور نبوت ہر برائی اور بے حیائی سے رکاوٹ کا کام دیتی ہے۔ یہ قول امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ کی آیت مجیدہ میں لفظ "سوء والفحشاء" سے زنا مراد ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب ملکہ نے بے حیائی کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے بت پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا: میں نہیں چاہتی کہ میرا یہ معبود مجھے برائی کی حالت میں دیکھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے ملکہ! کچھ تو حیا کرو۔ تم ایک اندھے اور بہرے بت سے شرم محسوس کر رہی ہو تو کیا میں اپنے سمیع وبصیر خدا سے شرم نہ کروں؟! یہ کہہ کر یوسف علیہ السلام دوڑ پڑے۔ ملکہ اُن کے پیچھے دوڑی اور جب

آخری دروازے پر پہنچے تو ملکہ نے پیچھے سے ان کا قمیص پکڑا اور وہ پھٹ گیا۔ ابھی یہ کش مکش جاری تھی کہ دروازے پر ملکہ کا شوہر پہنچ گیا۔ جب ملکہ نے اپنے شوہر کو دیکھا تو اس نے سارا الزام حضرت یوسفؑ پر ڈالتے ہوئے کہا: اس نے آج میری عزت خاک میں ملانے کی ٹھان لی تھی۔ اگر میں اس کا کہنا مان لیتی تو بے عفت ہوگئی ہوتی۔ لہٰذا اسے یا تو سخت سزا ملنی چاہیے یا کم از کم اسے زندان میں بھیج دینا چاہیے۔

عزیزِ مصر نے بیوی کا الزام سن کر یوسف علیہ السلام کی طرف دیکھا تو حضرت یوسفؑ نے کہا: میں بالکل بے گناہ ہوں، اس نے ہی مجھے پھانسنے کی کوشش کی تھی جب کہ میں اس کے چنگل سے بچنے کے لیے بھاگ آیا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو الہام کیا کہ تم عزیزِ مصر سے کہو اگر تم اصل حقیقت جاننا چاہتے ہو تو تم گہوارے میں لیٹے ہوئے اس معصوم بچے سے پوچھ لو، بچہ بول اُٹھے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیزِ مصر سے فرمایا: تم اس معصوم بچے سے پوچھ لو وہ بھی میری بے گناہی کی تصدیق کرے گا۔ عزیزِ مصر نے گہوارے میں لیٹے ہوئے بچے سے کہا کہ تم بتاؤ اصل حقیقت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے بچے کو بولنے کی قوت عطا فرمائی اور اس نے کہا: تم یوسفؑ کے قمیص کو دیکھو اگر وہ آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی ہے اور یوسفؑ جھوٹا ہے اور اگر یوسف علیہ السلام کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا ہو تو پھر عورت جھوٹی ہے اور یوسفؑ سچا ہے۔

جب عزیزِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پر نظر کی تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا یقین ہوگیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: یہ سب تمھاری کارستانی ہے اور تمھارے مکر بڑے عظیم ہوتے ہیں۔ پھر اس نے یوسف علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ اے یوسفؑ! اس بات سے درگزر کرو۔ اور اس نے اپنی بیوی سے کہا تھا: تو اپنے گناہ کی بخشش طلب کر یقیناً تو خطاکاروں میں سے ہے۔

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سورۂ یوسف میں حضرتؑ کی قمیص کا تین بار تذکرہ کیا گیا ہے۔ پہلی بار فرمایا: وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ''بھائی یوسفؑ کے قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے''۔ اس مرتبہ یہ قمیص باپ کے لیے صدمہ کا باعث ہوگا۔

دوسری بار فرمایا: اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ ...... ''اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہو تو عورت نے سچ کہا اور یوسفؑ جھوٹا ہے اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہو تو عورت نے جھوٹ کہا اور یوسفؑ سچا ہے۔ جب اس نے

قمیص کو دیکھا کہ پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس نے کہا: یہ تمھاری ایک چال ہے۔ تمھاری چالیں بڑی سخت ہوا کرتی ہیں۔ اس بار آپؑ کی قمیص آپؑ کی پاکدامنی کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

تیسری بار فرمایا: اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ''تم میرا یہ قمیص لے جاؤ اور اسے جا کر میرے والد کے چہرے سے لگاؤ وہ دوبارہ دیکھنے لگ جائیں گے''۔ اس بار آپؑ کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کی بحالی کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

اسیرِ محبّت

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا...... ''اسے محبّت نے بے قابو کر دیا ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ان الفاظ کا یہ مفہوم منقول ہے کہ محبّت نے اسے لوگوں سے علیحدہ کر دیا ہے، وہ ہر وقت یوسف علیہ السلام کے خیال میں ہی مگن رہتی ہے۔ ''شغاف'' حجابِ قلب کو کہا جاتا ہے۔

مجمع البیان میں ہے کہ حضرت امام علی، امام سجاد، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام نے شغفھا کو شعفھا عین کے ساتھ پڑھا ہے۔

ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے معراج کی شب دوسرے آسمان پر ایک شخص کو دیکھا جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح سے حسین تھا۔ میں نے جبریلِ امینؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل امینؑ نے کہا: یہ آپ کے بھائی یوسفؑ ہیں۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: یوسف علیہ السلام نے مصر میں ایک حسینۂ عالم کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس عورت نے کہا کہ کیا میں بادشاہ کے زرخرید غلام سے شادی کرلوں؟

حضرت یوسفؑ نے اس کے باپ کو نکاح کا پیغام بھجوایا۔ اس نے کہا کہ میری بیٹی اپنے فیصلہ میں آزاد ہے۔ پھر آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر اس کے رشتہ کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا: میں نے اس سے تیری شادی کر دی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے گھر پیغام بھجوایا کہ میں تم لوگوں سے ملنے کے لیے آنا چاہتا ہوں۔ اس عورت نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ تشریف لائیں۔ جب آپؑ اس کے گھر پہنچے تو آپؑ کے حسن و جمال سے پورا گھر چمک

الف۔ جب عورت نے آپؑ کے جمال بے مثال کا مشاہدہ کیا تو کہا یہ تو محترم فرشتہ ہے۔ آپؑ نے اس سے پانی طلب کیا۔ عورت پانی بھر کر لائی اور اس نے آپؑ کے ہاتھ میں جام دینے کی بجائے آپؑ کے منہ سے جام لگایا۔ حضرت یوسفؑ نے اس کی یہ محویت دیکھی تو اس سے کہا: جلد بازی نہ کرو کچھ دن انتظار کرلو۔ پھر آپؑ نے اس سے شادی کر لی۔

محبت ہی وبالِ جان بنی

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں تھے تو ایک دن زندان بان نے آپؑ سے کہا: اے یوسفؑ! مجھے تم سے محبت ہے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا: خیال رکھنا، زندگی میں مجھ پر جو بھی مصیبتیں آئی ہیں سب محبت کی وجہ سے آئی ہیں۔ میری خالہ کو مجھ سے محبت تھی تو اس نے مجھے چور بنا دیا تھا۔ میرے والد نے مجھ سے محبت کی تو ان کی محبت دیکھ کر میرے بھائیوں نے مجھ سے حسد کیا۔ عزیزِ مصر کی بیوی نے مجھ سے محبت کی تو مجھے زندان میں آنا پڑا۔ (خدا جانے اب تیری محبت کیا گل کھلائے گی؟)

حضرت یوسفؑ نے بارگاہ احدیت میں عرض کیا: پروردگار! مجھے کس جرم میں زندان بھیجا گیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو نے خود ہی مجھ سے زندان جانے کی خواہش کی تھی اور کہا تھا کہ ان عورتوں کی دعوت قبول کرنے سے تو مجھے زندان جانا زیادہ پسند ہے۔ اور اگر اس کی بجائے تو یہ کہتا کہ ان کی دعوت قبول کرنے سے مجھے عافیت عطا فرما تو میں تجھے کبھی بھی زندان نہ بھیجتا۔

کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام فراقِ یعقوبؑ میں اتنا روئے کہ قیدی تنگ آ گئے اور انھوں نے آپؑ سے کہا: اگر آپؑ دن کو روئیں تو ہم رات کو آرام کریں گے اور اگر رات کو روئیں تو ہم دن کو آرام کریں گے۔ آخر کار آپؑ کو رونے کے لیے ایک وقت مقرر کرنا پڑ گیا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت یوسفؑ والد کے فراق میں قید خانہ میں اتنا روئے کہ قیدی تنگ آ گئے۔ آپؑ نے ان سے اس بات پر مصالحت کی کہ ایک دن روئیں گے اور ایک دن خاموش رہیں گے۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام قید خانہ میں حضرت یوسفؑ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھو: (خدا تمھیں رہائی دے گا)

اللھم اجعل لی فرجا ومخرجا وارزقنی من حیث احتسب ومن حیث لا احتسب –

قیدیوں کے خواب

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب بادشاہ کے حکم سے حضرت یوسفؑ قیدخانہ میں گئے تو اللہ نے انھیں تعبیرِ خواب کا علم الہام کیا۔ آپؑ قیدیوں کو ان کے خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے تھے۔ بادشاہ کے دونوکر قید ہوکر آئے اور انھیں آپؑ کے ساتھ ٹھہرایا گیا۔ زندان میں انھیں ایک رات گزری تو صبح کے وقت ان میں سے ایک قیدی نے حضرت یوسفؑ سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں شراب کشید کر رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیاں ہیں اور پرندے انھیں نوچ رہے ہیں۔ ہمارے ان خوابوں کی تعبیر بتائیں۔

آپؑ نے پہلے سے فرمایا کہ تم رہا ہو جاؤ گے اور اپنے بادشاہ کو شراب پلاؤ گے۔ دوسرے سے فرمایا کہ تمھیں صلیب پر لٹکایا جائے گا' پرندے تمھارا دماغ نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ آپؑ نے جو تعبیر دی تھی وہ حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: یوسف علیہ السلام زندان میں بیمار قیدیوں کی تیمارداری کرتے تھے اور حاجت مندوں کی مدد کرتے تھے اور دل کھول کر قیدیوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ آپؑ کے انھی اوصاف کی وجہ سے قیدیوں نے آپؑ سے کہا تھا: اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ''ہم آپ کو نیکوکاروں میں سے خیال کرتے ہیں''۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ کا ایک مفہوم یہ بھی ممکن ہے کہ قیدیوں نے آپؑ سے کہا ہو کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپؑ صحیح تعبیر بتلاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوابوں کا سلسلہ سابقہ اُمتوں میں بھی موجود تھا اور ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصّہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء بھی آنے والے حالات بتاتے ہیں اور خواب میں بھی مستقبل کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

گویا قیدی آپؑ سے یہ کہہ رہے تھے کہ آپؑ تعبیرِ خواب کے ماہر ہیں۔ امیر المومنین علی علیہ السلام کا فرمان ہے: ہر انسان کی قیمت وہ ہنر ہے جسے وہ اچھے انداز سے انجام دے سکتا ہے۔

مجمع البیان میں ہے کہ ایک قیدی نے آپؑ سے کہا تھا کہ میں نے انگور کے تین خوشے دیکھے ہیں' جنھیں میں نے بادشاہ کے جام میں نچوڑا اور اس کے بعد اسے پلایا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تم تین دن کے بعد رہا ہو جاؤ گے اور بادشاہ کے ساقی بنو گے۔

ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جس قیدی نے یہ کہا تھا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیاں ہیں جنھیں

بندے نوچ رہے ہیں، اس نے یہ خواب خود گھڑ لیا تھا۔ جب حضرت یوسفؑ نے اس کی تعبیر دی تو وہ خدا کی تقدیر بن گیا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جس قیدی کے متعلق حضرت یوسفؑ نے یہ تعبیر دی تھی کہ وہ رہا ہو جائے گا اور بادشاہ کی ساقی گری پر مامور ہوگا، آپؑ نے اس سے کہا کہ جب تو رہا ہو کر بادشاہ کے پاس جائے تو وہاں مجھے یاد کر لینا۔

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے، بلکہ ایک عام انسان سے اپنی رہائی کی سفارش کرائی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو وحی کی اور فرمایا: اے یوسفؑ! تجھے بچپن میں وہ خواب کس نے دکھایا تھا؟ یوسفؑ نے عرض کیا: پروردگار! تو نے ہی وہ خواب دکھایا تھا۔

خدا نے فرمایا: تجھے باپ کا منظورِ نظر کس نے بنایا تھا؟ یوسفؑ نے عرض کیا: پروردگار! تو نے ہی مجھے میرے باپ کی آنکھوں کا تارا بنایا تھا۔ خدا نے فرمایا: تیری نجات کے لیے اس قافلہ کو کنوئیں کے پاس کس نے بھیجا تھا؟ یوسفؑ نے عرض کیا: خدایا! تو نے ہی قافلہ بھیجا تھا۔

خدا نے فرمایا: تجھے کنوئیں میں وہ دعا کس نے تعلیم کی تھی جس کے اثر سے تو کنوئیں سے باہر آیا تھا؟ یوسفؑ نے عرض کیا: خدایا! تو نے ہی وہ دعا تعلیم دی تھی۔ خدا نے فرمایا: عورت کی چال سے کس نے تجھے محفوظ رکھا تھا؟ یوسفؑ نے عرض کیا: خدایا! تو نے ہی مجھے محفوظ رکھا تھا۔

خدا نے فرمایا: معصوم بچے کو تیری بے گناہی کے لیے کس نے قوتِ گویائی عطا کی تھی؟ یوسفؑ نے عرض کیا: خدایا! تو نے ہی اسے بولنے کی قوت عطا کی تھی۔ خدا نے فرمایا: عزیزِ مصر کی بیوی اور دوسری زنانِ مصر کی چالوں سے تجھے کس نے بچایا تھا؟ یوسفؑ نے عرض کی: خدایا! یہ تیرا ہی احسان تھا۔

خدا نے فرمایا: تجھے خوابوں کی تعبیر کس نے سکھائی تھی؟ یوسفؑ نے کہا: خدایا! تو نے ہی مجھے خوابوں کی تعبیر عطا کی ہے۔ خدا نے فرمایا: اے یوسفؑ! پھر تجھے اتنا تو سوچنا چاہیے تھا جب سب کچھ میں نے کیا ہے اور اگر تو زندان سے نجات کا خواہش مند تھا تو پھر تو نے مجھے کیوں نہ کہا اور مجھے چھوڑ کر ایک انسان کو اپنی سفارش کے لیے کیوں کہا؟؟! ب تیری سزا یہی ہے کہ تو مزید کئی سالوں تک زندان میں رہے گا۔

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے قیدی سے کہا کہ بادشاہ کے ہاں مجھے یاد کر لینا اور میری رہائی کے لیے سفارش کرنا تو اس وقت جبریل امینؑ زندان میں آئے اور انھوں نے پاؤں کی ٹھوکر ماری جس سے ساتویں

زمین ظاہر ہوئی۔ جبریل امینؑ نے کہا: اے یوسفؑ! دیکھو تمھیں ساتویں زمین پر کیا دکھائی دے رہا ہے؟
حضرت یوسفؑ نے کہا: مجھے ایک چھوٹا سا پتھر دکھائی دے رہا ہے۔ پھر وہ پتھر پھٹ گیا۔ اس میں سے ایک چھوٹا سا کیڑا نمودار ہوا۔ حضرت جبریلؑ نے کہا: اے یوسفؑ! یہ بتاؤ اس کیڑے کو رزق دینے والا کون ہے؟ حضرت یوسفؑ نے کہا: اس کا رازق اللہ ہے۔

اس وقت حضرت جبریلؑ نے کہا: پھر سن لو تمھارا پروردگار تم سے کہہ رہا ہے کہ جب میں نے ساتویں زمین پر موجود پتھر کے اندر رہنے والے کیڑے کو فراموش نہیں کیا تو کیا میں تجھے فراموش کرسکتا تھا؟ آخر تم نے ایک انسان سے یہ کیوں کہا کہ مجھے بادشاہ کے دربار میں یاد کرلینا۔ تو اپنے اس قول کی وجہ سے اب مزید کئی برس زندان میں ہی رہے گا۔

حضرت جبریلؑ کی یہ بات سن کر حضرت یوسف علیہ السلام اتنا روئے کہ آپؑ کے ساتھ زندان کی دیواریں بھی رونے لگ گئیں اور قیدیوں کو اس سے اذیت محسوس ہونے لگی۔ آپؑ نے قیدیوں سے اس بات پر مصالحت کی کہ ایک دن روئیں گے اور دوسرے دن خاموش رہیں گے۔ جس دن آپؑ خاموش رہتے تھے وہ دن آپؑ پر زیادہ سخت گزرتا تھا۔

مجمع البیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مجھے اپنے بھائی یوسفؑ پر تعجب ہے کہ انھوں نے خالق کو چھوڑ کر مخلوق کا سہارا کیوں ڈھونڈا تھا؟ اور اگر وہ یہ جملہ نہ کہتے تو کئی سالوں کی قید سے بچ جاتے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے ایک قیدی سے اپنی سفارش کے لیے کہا تو جبریلؑ نازل ہوئے اور انھوں نے کہا:

اے یوسفؑ! رب العالمین تجھے سلام کہتا ہے اور سلام کے بعد تجھ سے کہتا ہے کہ تجھے اپنی مخلوق میں حسین و جمیل کس نے بنایا؟ یوسفؑ نے کہا: خدایا! تو نے ہی مجھے حسین بنایا۔ جبریلؑ نے کہا کہ اللہ کہہ رہا ہے تیرے بڑے بھائیوں کی موجودگی میں تجھے تیرے باپ کا منظورِ نظر کس نے بنایا؟ حضرت یوسفؑ نے اپنا رخسار زمین پر رکھا اور عرض کیا: خدایا! تو نے ہی ایسا کیا ہے۔ جبریلؑ نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے: تجھے کنوئیں سے کس نے نجات دی ہے؟ یوسفؑ کی چیخ نکل گئی اور کہا: خدایا! تو نے ہی مجھے کنوئیں سے نجات دی تھی۔ حضرت جبریلؑ نے کہا کہ تو نے خدا کو چھوڑ کر ایک بندے سے مدد طلب کی ہے۔ اب تیری سزا یہ ہے کہ اب کچھ مزید برس تک تجھے زندان میں رہنا پڑے گا۔ جب میعاد پوری ہوگئی اور اللہ نے آپؑ کو رہائی کی دعا مانگنے کی اجازت دی تو آپؑ نے اپنا رخسار زمین پر رکھا اور یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنْ كَانَتْ ذُنُوْبِی قَدْ اَخْلَقَتْ وَجْھِی عِنْدَكَ فَاِنِّی اَتَوَجَّهُ بِوَجْهِ اٰبَائِی الصَّالِحِينَ

اِبْرَاهِیمَ وَ اِسمَاعِیلَ وَ اِسحَاقَ وَیَعقُوبَ -

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے یوسفؑ کو زندان سے نجات دی۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! کیا مشکلات کے وقت ہم بھی یہ دعا پڑھ سکتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: تم یہ دعا نہ پڑھو البتہ اس جیسی یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ ذُنُوْبِی قَدْ اَخْلَقَتْ وَجْهِیْ عِنْدَكَ فَاِنِّیْ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ مُحَمَّدٍ وَعَلِیٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَالْاَئِمَّةِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ -

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک اور روایت کا ماحصل یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک انسان کو اپنا سفارشی بنایا تو اللہ اس پر ناراض ہوا اور اس کی طرف وحی کی جس میں اپنے احسان یاد دلائے اور پھر فرمایا کہ تو نے مجھے چھوڑ کر ایک انسان سے مدد طلب کیوں کی؟ اب تیری سزا یہ ہے کہ کچھ مزید برس تو زندان میں پڑا رہے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کئی برس تک زندان میں پڑے رہے۔ جب قید سے تنگ ہوئے تو انھوں نے بارگاہِ احدیت میں عرض کیا: پروردگار! تجھے میرے آباء کے حق کا واسطہ! مجھے زندان سے رہائی طلب کر۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کی اور فرمایا: اے یوسفؑ! تیرے آباء واجداد کا مجھ پر کون سا حق ہے؟ اگر تیرے ذہن میں تیرے دادا آدمؑ کا حق ہے تو پھر سنو! میں نے اسے اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور میں نے اسے اپنی جنت میں رہائش دی جہاں اسے ہر طرح کی آسائش حاصل تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ ایک درخت کے قریب مت جانا مگر اس نے میری نافرمانی کی، پھر میں نے اس کی توبہ قبول کی تھی۔

اور اگر تیرے ذہن میں تیرے دادا نوح علیہ السلام کا تصور ہو تو پھر سنو میں نے اپنی مخلوق میں سے اسے چنا تھا اور میں نے اسے اپنا رسول بنایا تھا جب لوگوں نے نافرمانی کی تو نوح علیہ السلام نے بددعا کی تھی۔ میں نے اس کی بددعا قبول کی تھی اور میں نے گناہ گاروں کو غرق کر دیا تھا اور نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی تھی۔

اور اگر تیرے ذہن میں تیرے دادا ابراہیمؑ کا تصور ہو تو پھر سنو میں نے اسے اپنا خلیل بنایا تھا اور میں نے اسے آگ سے نجات دی تھی۔ اور اگر تیرے ذہن میں تیرے والد یعقوبؑ کا تصور ہو تو پھر سنو میں نے اسے بارہ بیٹے عطا کیے اور ایک بیٹے کو اس کی نگاہ سے اوجھل کیا تو وہ تب سے گریہ کر رہا ہے اور رو رو کر آنکھیں دے بیٹھا ہے اور سڑک پر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے میرا شکوہ کرتا رہتا ہے۔ اب تم خود ہی بتاؤ تمھارے آباء واجداد کا مجھ پر کیا حق ہے؟

اس وقت جبریل امینؑ نے کہا: اے یوسفؑ! تم یہ الفاظ کہو: اسئلك بمنك العظیم واحسانك القدیم۔

جب یوسف علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تو اسی رات بادشاہ نے سات گایوں والا خواب دیکھا اور اسی خواب کی وجہ سے حضرتؑ کو رہائی نصیب ہوئی۔

مجمع البیان میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام وَسَبْعَ سُنْبُلٰتٍ کو سَبْعَ سَنَابِلَ پڑھتے تھے۔

تفسیر عیاشی میں ابن ابی یعفور سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو سَبْعَ سَنَابِلَ خُضْرَۃٍ پڑھتے ہوئے سنا۔

خوابوں کی دنیا

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: خواب تین قسم کے ہوتے ہیں:

۱- کچھ خواب خدا کی طرف سے مومن کے لیے بشارت ہوتے ہیں۔

۲- کچھ خواب ابلیس کی طرف سے انسان کو خوفزدہ کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔

۳- کچھ خواب پریشان ہوتے ہیں۔

امالی صدوق میں نوفلی سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ بعض اوقات انسان خواب دیکھتا ہے تو اس کی تعبیر اس کے خواب کے عین مطابق ہوتی ہے اور کبھی انسان خواب دیکھتا ہے تو کچھ بھی وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب مومن سو جاتا ہے تو اس کی روح سے ایک حرکت برآمد ہوتی ہے جو آسمان کی طرف چلی جاتی ہے اور وہاں مقام تقدیر و تدبیر پر پہنچ کر وہ جو کچھ دیکھتی ہے وہ حق ہوتا ہے اور جو کچھ وہ زمین پر دیکھتا ہے تو وہ خوابِ پریشان ہوتے ہیں۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ کبھی انسان کو سچے خواب دکھائی دیتے ہیں اور کبھی جھوٹے خواب؟

آپؐ نے فرمایا: جب انسان سو جاتا ہے تو اس کی روح کو رب العالمین کے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ روح جو کچھ رب العالمین کے پاس دیکھتی ہے وہ حق ہوتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس روح کو جسم میں پلٹانے کا حکم صادر ہوتا

ہے اور روح واپسی کے سفر میں جب آسمان و زمین کے درمیان ہوتی ہے اور وہاں جو کچھ دیکھتی ہے وہ پریشان خواب ہوتے ہیں۔

"اضغاث" اور "رؤیا" کا فرق

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ایک بار حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا نے خواب میں دیکھا گویا حسنؑ و حسینؑ ذبح کر دیئے گئے ہیں یا قتل کر دیئے گئے ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر آپؑ غمگین ہوئیں اور آپؑ نے یہ خواب اپنے والد ماجد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔

آنحضرتؐ نے یہ خواب سن کر آواز دی کہ اے رؤیا! سامنے آ۔ رؤیا مجسم ہو کر آپؐ کے سامنے آ گیا۔ آپؐ نے اس سے فرمایا: کیا تو نے میری بیٹی کو یہ منظر دکھایا ہے؟ اس نے کہا: نہیں یا رسولؐ اللہ! پھر آپؐ نے آواز دے کر فرمایا: اضغاث! سامنے آ۔ اضغاث مجسم ہو کر سامنے آیا تو آپؐ نے فرمایا: کیا تو نے میری بیٹی کو یہ منظر دکھایا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: میں انھیں غمگین کرنا چاہتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ سن لو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی ایک روایت منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: وَفِیۡهِ یَعۡصِرُوۡنَ کا مفہوم یہ ہے کہ سات خشک سالوں کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں بارشیں عام ہوں گی۔

تفسیر عیاشی میں بھی اسی مفہوم کی ایک روایت منقول ہے۔

روضہ کافی میں یاسر الخادم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک پنجرہ ہے جس میں سترہ شیشیاں ہیں۔ وہ پنجرہ زمین پر گرا اور اس میں موجود شیشیاں ٹوٹ گئیں۔ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر تو نے سچ کہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میرے خاندان میں سے ایک شخص خروج کرے گا جو صرف سترہ دن حکومت کرے گا، پھر مر جائے گا۔ چنانچہ محمد بن ابراہیم نے ابی السرایا کے ساتھ خروج کیا اور سترہ دن زندہ رہنے کے بعد مر گیا۔

ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! میں نے

خواب میں دیکھا ہے کہ میں کوفہ شہر سے نکل کر ایسی جگہ جاتا ہوں جسے میں پہچانتا ہوں اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ لکڑی کی شبیہہ یا لکڑی سے بنے ہوئے ایک شخص کی مجھے شبیہہ دکھائی دیتی ہے جو لکڑی کے گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار ہے اور میں یہ منظر دیکھ کر گھبرا جاتا ہوں۔ اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟

آپؑ نے فرمایا: تو ایک شخص کو مالی طور پر نقصان پہنچانا چاہتا ہے' لہٰذا اُس خدا کا خوف کھا جس نے تجھے پیدا کیا ہے، پھر وہ تجھے موت دے گا اور اس شخص کو نقصان پہنچانے سے باز آجا۔

یہ سن کر اس شخص نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کی طرف سے آپؑ کو علم عطا ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ میرا ایک ہمسایہ میرے پاس آیا۔ اس نے مجھ سے اپنی جائیداد فروخت کرنے کی بات کی۔ اس کی جائیداد کی قیمت کافی زیادہ ہے' لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ میرے علاوہ اس کا کوئی اور خریدار نہیں ہے تو میں نے اسے انتہائی کم قیمت پر خریدنے کا ارادہ کرلیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کیا وہ شخص ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے؟ اس شخص نے کہا: جی ہاں' وہ اچھی بصیرت رکھنے والا اور مضبوط دین رکھنے والا ہے۔ اور میں نے جو ارادہ کیا ہے اب اس سے توبہ کرتا ہوں اور اب اسے نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔

پھر اس نے آپؑ سے کہا: مولاؑ! یہ بتائیں اگر اس کی جگہ کوئی ناصبی ہوتا تو کیا میرے لیے اس کا استحصال جائز ہوتا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو تمھیں امین بنائے اس کی امانت اس کے سپرد کردو اور جو تم سے خیر خواہی کا طلبگار ہو اس سے خیر خواہی کرو' خواہ وہ امام حسین علیہ السلام کا قاتل ہی کیوں نہ ہو۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے یوسفؑ اور اس کے کرم و صبر پر تعجب ہوتا ہے۔ جب ان سے سات موٹی اور سات کمزور گایوں کے خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو انھوں نے فوراً کیسے بیان کر دی' اگر بالفرض میں ان کی جگہ ہوتا تو میں پہلے اپنی رہائی کی شرط رکھتا پھر رہائی کے بعد انھیں تعبیر بتاتا۔

یہی روایت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ تفسیر عیاشی میں بھی مرقوم ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ

إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ
يُوسُفَ عَنْ نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ
سُوْٓءٍ ۚ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا
رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهِ وَاِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٥١﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ
اَنِّي لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿٥٢﴾
وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا
رَحِمَ رَبِّيْ ۚ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥٣﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ
اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ
اَمِيْنٌ ﴿٥٤﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ
عَلِيْمٌ ﴿٥٥﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا
حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا
يَتَّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ ع وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ
مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ
مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٥٩﴾

فَاِنۡ لَّمۡ تَاۡتُوۡنِیۡ بِهٖ فَلَا كَيۡلَ لَـكُمۡ عِنۡدِیۡ وَلَا تَقۡرَبُوۡنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوۡا سَنُرَاوِدُ عَنۡهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتۡيٰنِهِ اجۡعَلُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ فِىۡ رِحَالِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَعۡرِفُوۡنَهَاۤ اِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰٓى اَهۡلِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوۡۤا اِلٰٓى اَبِيۡهِمۡ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الۡـكَيۡلُ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَـكۡتَلۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلۡ اٰمَنُكُمۡ عَلَيۡهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنۡتُكُمۡ عَلٰۤى اَخِيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيۡرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوۡا مَتَاعَهُمۡ وَجَدُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ رُدَّتۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا نَبۡغِىۡ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتۡ اِلَيۡنَا ۚ وَنَمِيۡرُ اَهۡلَنَا وَنَحۡفَظُ اَخَانَا وَنَزۡدَادُ كَيۡلَ بَعِيۡرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيۡلٌ يَّسِيۡرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَكُمۡ حَتّٰى تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَـتَاۡتُنَّنِىۡ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّحَاطَ بِكُمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوۡلُ وَكِيۡلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِىَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغۡنِىۡ عَنۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ ۚ وَعَلَيۡهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا

دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ
مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا
عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ
يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي
رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿٧٠﴾
قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ
الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ
لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿٧٣﴾
قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ﴿٧٤﴾ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ
وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَأَ
بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ
كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ
إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي
عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾ قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ

فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَ

ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَب

شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْ

مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُ

نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ

مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ

الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ

الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ

ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا

لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ

ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ

الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ

عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ

يُوسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ؑ

"اور بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لے آؤ۔ لیکن جب شاہی ایلچی اس کے پاس آیا تو

اس نے کہا کہ اپنے مالک کے پاس واپس چلے جاؤ اور اس سے پوچھو ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ یقیناً میرا مالک ان کی چالوں سے خوب واقف ہے۔

بادشاہ نے ان عورتوں سے کہا کہ تمھارا اس وقت کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسفؑ کو رجھانے کی کوشش کی تھی؟ عورتوں نے کہا: حَاشَا لِلّٰہِ۔ ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی تھی۔ عزیزِ مصر کی بیوی نے کہا: اب حق کھل کر سامنے آچکا ہے۔ میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی جب کہ وہ سچوں میں سے ہے۔

(یوسفؑ نے کہا) اس تحقیق سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ اسے یہ معلوم ہو سکے کہ میں نے درپردہ اس سے کوئی خیانت نہیں کی تھی اور اللہ خیانت کرنے والوں کی چالوں کو کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں کرتا۔ میں اپنے نفس کو بھی بے گناہ قرار نہیں دیتا۔ نفس تو برائی پر اُکساتا ہے' ہاں جس پر میرے رب کی رحمت ہو جائے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لے آؤ' تاکہ میں اسے اپنے لیے مخصوص کرلوں۔ جب یوسفؑ نے بادشاہ سے گفتگو کی تو اس نے کہا: آج سے آپ ہمارے ہاں قدر و منزلت رکھنے والے ہیں اور ہمیں آپؑ کی امانت پر بھروسہ ہے۔

یوسفؑ نے کہا: مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کردو' میں حفاظت کرنے والا اور علم رکھنے والا ہوں۔ اس طرح سے ہم نے یوسفؑ کے لیے اس سرزمین کے اقتدار کی راہ ہموار کی' وہ مختار تھا جہاں چاہے اپنی جگہ بنائے۔ ہم اپنی رحمت سے جسے چاہیں نواز دیتے ہیں اور ہم نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ اور یقیناً آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے زیادہ بہتر ہے جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کے تقاضوں پر عمل پیرا رہے۔

یوسفؑ کے بھائی اس کے پاس آئے۔ یوسفؑ نے انھیں پہچان لیا، مگر انھوں نے یوسفؑ کو نہ پہچانا۔ اور جب یوسفؑ نے ان کا سامان تیار کرایا تو کہا کہ اپنے پدری بھائی کو میرے پاس لانا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں کس طرح پیمانہ بھر کر دیتا ہوں اور میں بہت اچھا مہمان نواز ہوں۔ اور اگر تم اسے میرے پاس لے کر نہ آئے تو پھر تمھارے لیے میرے پاس کوئی غلہ نہیں ہے اور نہ ہی میرے قریب آنا۔ انھوں نے کہا کہ ہم اس کے متعلق اس کے والد کو قائل کرنے کی کوشش کریں گے اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔

اور یوسفؑ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ ان کی رقم بھی ان کے سامان میں رکھ دو، تاکہ گھر پہنچ کر اپنا واپس کیا ہوا مال پہچان لیں اور اس طرح سے واپس آ جائیں۔ جب وہ اپنے والد کے پاس واپس گئے تو انھوں نے کہا: ابا جان! آئندہ ہمیں غلہ سے روک دیا گیا ہے، لہٰذا آپؑ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجیں، تاکہ ہم غلہ حاصل کریں اور اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں۔

یعقوبؑ نے کہا: کیا میں اس کے متعلق تم پر اسی طرح سے بھروسہ کرلوں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے متعلق تم پر اعتماد کیا تھا؟ اللہ ہی بہترین محافظ ہے اور وہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کا مال انھیں واپس کیا جاچکا تھا۔ انھوں نے کہا: ہمیں اور کیا چاہیے ہماری رقم ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔ ہم اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک بار شتر اور لائیں گے۔ اتنے غلہ کا اضافہ آسانی سے ہوجائے گا۔

یعقوبؑ نے کہا: میں اسے تمھارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا، جب تک تم مجھے خدا کی طرف سے یہ پیمان نہ دو کہ تم ضرور اسے میرے پاس لاؤ گے۔ ہاں اگر تم گھیر لیے جاؤ تو یہ اور

بات ہے۔ جب انھوں نے پیمان دے دیا تو کہا کہ اللہ ہمارے قول و قرار کا نگران اور ضامن ہے۔

اور یعقوبؑ نے کہا: اے میرے فرزندو! تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اس کی بجائے مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونا۔ میں تمھیں خدا کی مشیت سے بچا نہیں سکتا۔ حکم بس اسی کا ہی چلتا ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

اور جب وہ شہر میں اس طرح سے داخل ہوئے جیسا کہ ان کے والد نے انھیں حکم دیا تھا۔ اس کی یہ تدبیر خدا کی مشیت کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دے سکتی تھی البتہ یہ یعقوبؑ کے دل کی ایک خواہش تھی جسے اس نے پورا کیا تھا۔ بے شک وہ ہماری دی ہوئی تعلیم سے صاحب علم تھا، لیکن لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔

جب وہ لوگ یوسفؑ کے ہاں داخل ہوئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس الگ بلا لیا اور کہا کہ بے شک میں ہی تیرا بھائی ہوں۔ یہ لوگ اب تک جو کچھ کرتے آئے ہیں اس کا غم نہ کر۔ اور جب یوسفؑ نے ان کا سامان تیار کرایا تو اس نے اپنے بھائی کے سامان میں اپنا پیالہ رکھ دیا۔ پھر ایک منادی نے ندا دی: اے قافلے والو! تم چور ہو۔ ان لوگوں نے پلٹ کر دیکھا اور کہا کہ تمھاری کیا چیز کھوگئی ہے؟

انھوں نے کہا: بادشاہ کے پینے کا پیالہ ہم سے کھوگیا ہے اور جو شخص اسے تلاش کر کے لائے اس کے لیے ایک بارِ شتر غلہ انعام ہے، اس کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا: خدا کی قسم، تمھیں معلوم ہے ہم اس لیے نہیں آئے کہ زمین میں فساد کریں اور ہم چور نہیں ہیں۔ شاہی ملازمین نے کہا: اگر تم جھوٹے نکلے تو اس کی سزا کیا ہوگی؟ انھوں نے کہا: اس کی جزا خود وہ شخص ہے جس کے سامان میں سے پیالہ برآمد ہو اور ہم ظلم کرنے والوں کو ایسی ہی سزا

دیا کرتے ہیں۔
تب یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے سامان سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی لی، پھر اپنے بھائی کے سامان سے گم شدہ پیالہ برآمد کرلیا۔ اس طرح ہم نے یوسفؑ کے لیے یہ تدبیر کی تھی ورنہ بادشاہ کے قانون کے تحت اپنے بھائی کو پکڑنے کا مجاز نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ اللہ ایسا چاہے۔ ہم جن کے چاہتے ہیں درجات بلند کردیتے ہیں اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے برتر ہے۔
انھوں نے کہا: اگر اس نے چوری کی ہے تو اس میں کیا تعجب ہے۔ اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ یوسفؑ نے اس بات کو اپنے دل میں چھپالیا اور ان کے سامنے ظاہر نہ کیا۔ ان سے کہا کہ تم لوگ انتہائی بُرے ہو، تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو اس کے متعلق خدا بہتر جانتا ہے۔
انھوں نے کہا: اے عزیزِ مصر! اس کے والد انتہائی ضعیف العُمر ہیں، آپ اس کی بجائے ہم میں سے کسی ایک کو پکڑ لیں ہم آپ کو نیکوکاروں میں سے سمجھتے ہیں۔ یوسفؑ نے کہا: خدا کی پناہ! جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے اسے چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیں اگر ہم نے ایسا کیا تو پھر ہم ظالم قرار پائیں گے۔
جب وہ لوگ بھائی کی رہائی سے مایوس ہوگئے تو الگ جا کر آپس میں مشورے کرنے لگے۔ بڑے بھائی نے کہا: کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ اس کے متعلق تمھارے والد نے تم سے خدا کے نام کا پیمان لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسفؑ کے متعلق بھی کوتاہی کا ارتکاب کرچکے ہو۔ اب میں اس سرزمین کو نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ میرے والد مجھے اجازت نہ دیں یا خدا میرے لیے کوئی فیصلہ کردے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔
تم لوگ اپنے والد کے پاس لوٹ جاؤ اور کہو کہ ابا جان! آپؑ کے فرزند نے چوری کی ہے

ہم وہی گواہی دے رہے ہیں جس کا ہمیں علم ہے ہم غیب کے نگہبان نہیں ہیں۔ آپؑ اس بستی والوں سے پوچھ لیں جہاں ہم تھے اور آپؑ اس قافلہ سے پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں ہم بالکل سچے ہیں۔

یعقوبؑ نے کہا: دراصل تمھارے دل نے یہ بات گھڑ لی ہے اب میں صبرِ جمیل اختیار کروں گا' شاید خدا ان سب افراد کو میرے پاس لے آئے۔ بے شک وہ صاحب علم و صاحب حکمت ہے۔ اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا: ہائے یوسفؑ! اور غم کی وجہ سے اس کی آنکھیں سفید ہوگئیں اور وہ غم کے گھونٹ پیتے رہے۔

بیٹوں نے کہا: خدا کی قسم! آپؑ تو ہمیشہ یوسفؑ کو یاد کرتے رہیں گے' یہاں تک کہ آپؑ کمزور ہو جائیں گے یا اپنے آپؑ کو ہلاک کر دیں گے۔ اس نے کہا کہ میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت بس خدا کے سامنے کرتا ہوں اور میں خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ میرے بچو! جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا' اللہ کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

پھر جب وہ یوسفؑ کے دربار میں پہنچے تو انھوں نے کہا: اے عزیزِ مصر! ہم اور ہمارے اہل و عیال مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہیں اور ہم کچھ معمولی سی پونجی لائے ہیں۔ آپؑ ہمیں بھرپور غلہ عنایت کریں اور ہم پر خیرات کریں۔ بے شک اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

یوسفؑ نے کہا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم نے نادانی میں یوسفؑ اور اس کے بھائی سے کیا سلوک کیا تھا؟ بھائیوں نے کہا: کیا تو ہی یوسف ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں ہی یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا' یقیناً جو کوئی صبر اور تقویٰ کو اپنائے تو اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ انھوں نے کہا: خدا کی قسم! اللہ نے آپؑ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور ہم واقعی خطاکار تھے۔ یوسفؑ نے کہا: آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ خدا تمھیں

معاف کرے اور وہ تمام رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ جاؤ اور اپنے ساتھ میرا یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو۔ وہ دوبارہ بینا ہوجائے گا اور اپنے تمام اہل وعیال کو لے کر میرے پاس آ جاؤ۔

داستانِ یوسفؑ پر ایک نظر

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝

"اور بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لے آؤ۔ جب شاہی فرستادہ اسے لینے آیا تو اس نے کہا: اپنے مالک کے پاس واپس چلا جا اور اس سے پوچھ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ یقیناً میرا مالک ان کی چال ۔ سے بخوبی آگاہ ہے"۔

جب بادشاہ کے ساقی نے بادشاہ کو اس کے خواب کی تعبیر سنائی تو بادشاہ کو وہ تعبیر بہت پسند آئی اور اس نے کہا: اُسے زندان سے رہا کر کے میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ شاہی فرستادہ آپؑ کے پاس آیا اور کہا کہ اب آپ کی قید ختم ہوچکی ہے، لہٰذا آپؑ بادشاہ کے پاس چلیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم وہ عظیم دولت ہے جس نے یوسف علیہ السلام کو زندان سے رہائی دلائی تھی۔ علم صرف دنیا ہی میں کارآمد نہیں ہوتا بلکہ عقبیٰ کی پریشانیوں سے بھی انسان کی نجات کا سبب بنتا ہے۔ جب یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کا بلاوا سنا تو آپؑ نے کہا: میں اس شرط پر زندان سے باہر آؤں گا کہ پہلے بادشاہ میرے کردار کے متعلق آزادانہ تحقیق کرے اور جب یہ ثابت ہوجائے کہ میرا دامن گناہ سے پاک ہے تو پھر میں باہر آ جاؤں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس اقدام سے آپؑ کی ذہانت اور عقل مندی مترشح ہوتی ہے اور اس میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں:

۱-اگر آپؑ تحقیق کے بغیر زندان سے باہر آ جاتے تو بادشاہ کے دل میں آپؑ کے کردار کے متعلق شکوک وشبہات رہ جاتے۔ آپؑ نے تحقیقات کا مطالبہ کر کے یہ واضح کیا کہ آپؑ کا دامن ہر قسم کے دھبوں سے پاک ہے۔

۲-آپؑ کی جگہ کوئی اور شخص بارہ برس کی قید بامشقت کاٹ چکا ہوتا تو وہ فوراً زندان چھوڑنے پر آمادہ ہوجاتا، مگر

آپؑ نے آزادانہ تحقیقات کے بغیر زندان چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ آپؑ کا یہ اقدام آپؑ کی ثابت قدمی کا مظہر تھا۔

۳۔ آپؑ نے مطالبہ کیا کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے انہیں بلا کر ان سے آپؑ کے کردار کے متعلق تحقیق کی جائے۔ اگر خدانخواستہ آپؑ کا دامن آلودہ ہوتا تو آپؑ کبھی بھی تحقیقات کا مطالبہ نہ کرتے۔ آپؑ نے تحقیق کا مطالبہ کر کے اپنے پاک دامن ہونے کا عملی ثبوت فراہم کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہی فرستادے سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ وہ ان عورتوں سے پوچھے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ آپؑ نے ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا تذکرہ کیا' لیکن آپؑ نے یہ نہیں کہا کہ عزیزِ مصر کی بیوی کو بلا کر تحقیقات کی جائے جب کہ حضرتؑ کی بدنامی میں اس نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

آپؑ نے ملکۂ مصر کا ذکر نہ کر کے اپنی نمک حلالی کا حق ادا کیا تھا' کیونکہ حضرتؑ نہیں چاہتے تھے کہ جس خاتون نے کئی برس تک ان کی خدمت کی ہے اسے عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے۔ بہرنوع جب بادشاہ نے عورتوں کو بلا کر پوچھا کہ اس وقت تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟

عورتوں نے یک زبان ہو کر کہا: خدا گواہ ہے کہ ہمیں تو اس میں کوئی برائی دکھائی نہیں دی تھی۔ جب عزیزِ مصر کی بیوی نے عورتوں کی یہ گواہی سنی تو اس نے اخلاقی جرأت سے کام لیتے ہوئے اپنے گناہ کا سرعام اعتراف کیا اور کہا کہ اب حق واضح ہو چکا ہے' سارا کیا دھرا میرا ہی تھا۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو عورتوں کے اقبالی بیانات سے مطلع کیا گیا تو آپؑ نے کہا: ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝ "یہ تحقیقات میں نے اس لیے کرائی ہیں تاکہ عزیزِ مصر کو معلوم ہو سکے کہ میں نے اس سے پس پردہ کوئی خیانت نہیں کی تھی اور اللہ خیانت کاروں کی چالوں کو کامیابی سے ہمکنار نہیں ہونے دیتا"۔

مفسرین میں اختلاف ہے کہ مذکورہ بالا جملہ کس کا ہے اس سلسلہ میں دو آراء پائی جاتی ہیں۔ پہلی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے اور قرآن مجید میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ملکۂ سبا نے کہا تھا: اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ (النمل:۳۴) "جب بادشاہ کسی آبادی پر لشکر کشی کرتے ہیں تو اسے ویران کر دیتے ہیں اور وہاں کے معزز افراد کو ذلیل بنا دیتے ہیں) اس کے ساتھ اللہ کا کلام متصل ہے۔ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ "وہ ایسا ہی کرتے ہیں"۔

سورۂ آلِ عمران میں اہلِ ایمان کی دعا منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں: رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ (آلِ عمران:۹) (اے ہمارے پروردگار! تو لوگوں کو اس دن میں جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے) اس کے ساتھ اللہ کا کلام متصل ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ''یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔

مذکورہ دو مثالوں کی طرح سے اس آیت میں بھی ملکۂ مصر کا قول مذکور ہے:......اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۞ سابقہ آیت میں ملکۂ مصر کا اقبالی بیان ہے اور دوسری آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی گفتگو نقل کی گئی ہے۔

مفسرین کے ایک گروہ کی اس کے برعکس یہ رائے ہے کہ یہ جملے ملکۂ مصر کے ہیں۔ اس نے یہ کہا تھا: اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ...... كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۞

اب حق واضح ہو چکا ہے۔ میں نے ہی یوسفؑ کو اپنی طرف رجھانے کی کوشش کی تھی جب کہ یوسفؑ سچا تھا۔ میں یہ اعتراف اس لیے کر رہی ہوں تاکہ یوسفؑ کو معلوم ہو سکے کہ میں نے اس کے پسِ پشت اس کے خلاف کوئی خیانت نہیں کی ہے۔ البتہ میں نے آج سے ایک طویل عرصہ قبل اسے رجھانے کی کوشش ضرور کی تھی، لیکن اس وقت جب کہ وہ یہاں موجود نہیں ہے میں اس کے پسِ پشت اس کے متعلق کوئی خیانت نہیں کرنا چاہتی، کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں کی چالوں کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ میں نے مکر اور چالاکی کی تھی جس کے نتیجہ میں مجھے رُسوائی ملی تھی اور وہ بے گناہ تھا۔ خدا نے اس کی طہارت کی گواہی ایک معصوم بچے کی زبانی دلائی تھی۔ اسی لیے اب میں اس پر الزام تراشی کر کے مزید رُسوا ہونا پسند نہیں کرتی۔ (اضافۃ من المترجم نقلاً عن الرازی)

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام قید سے رہا ہوئے تو آپؑ نے قیدیوں کے حق میں دعا دی اور کہا: خدایا! نیک لوگوں کے دلوں کو ان پر مہربان فرما اور انھیں حالات سے بے خبر نہ رکھ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قیدیوں کو عام افراد کی بہ نسبت حالاتِ حاضرہ کی زیادہ خبر ہوتی ہے۔ پھر یوسف علیہ السلام نے زندان کے دروازے پر یہ عبارت کندہ کرائی تھی:

هٰذَا قُبُوْرُ الْاَحْيَاءِ وَبَيْتُ الْاَحْزَانِ وَتَجْرِبَةُ الْاصْدِقَاءِ وَشَمَاتَةُ الْاَعْدَاءِ ـ

''یہ گھر زندہ افراد کے لیے قبر ہے اور غموں کا گھر ہے۔ دوستوں کے تجربہ کا مقام ہے اور دشمنوں کے خوش ہونے کا ذریعہ ہے''۔

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ گھر صدیقین کے لیے مقامِ آزمائش ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام قید سے رہا ہوئے اور بادشاہِ مصر سے ان کی ملاقات ہوئی۔ جب بادشاہ نے ان کی حکمت آمیز گفتگو سنی تو وہ آپؑ سے بہت زیادہ متاثر ہوا اور اس نے کہا: آج سے آپ ہمارے ہاں باوقار انداز میں صاحب اختیار بن کر رہیں گے اور ہمیں آپؑ کی امانت پر بھروسہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم مجھے اقتدار میں شریک کرنے کے خواہش مند ہو تو زمین کے خزانوں کا مجھے انچارج مقرر کردو' کیونکہ میں حفاظت کرنے والا ہوں۔ یعنی میں سرکاری خزانے میں خیانت نہیں کروں گا اور میں متعلقہ اُمور سے آگاہی بھی رکھتا ہوں۔

آپؑ کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی حکومتی منصب پر فائز ہونے والے شخص میں مذکورہ دو خواص کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ''حفیظ'' (حفاظت کرنے والا) نہ ہوگا تو وہ پورے کا پورا محکمہ تباہ ہو جائے گا اور خورد برد کی نذر ہو جائے گا۔ اور اگر حکومتی منصب پر فائز ہونے والا شخص ''علیم'' (متعلقہ محکمے کی ضروریات سے واقف) نہ ہوگا تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے گا۔

اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عوام الناس کی بھلائی کے لیے کافر حکومت میں شمولیت جائز ہے' کیونکہ شاہِ مصر کافر تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے منتخب بندے تھے۔ (اضافۃ من المترجم)

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا: ہمیں تعجب ہے کہ آپؑ نے مامون جیسے ظالم حکمران کی ولی عہدی کیسے قبول کر لی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ' نبی افضل ہے یا وصی افضل ہے؟ اس شخص نے کہا: نبی افضل ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ مشرک بہتر ہے یا مسلم؟ اس نے کہا: مسلم بہتر ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تو پھر سن لو! بادشاہ مصر مشرک تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے' اس کے باوجود انھوں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کا انچارج بنا دو' میں حفاظت کرنے والا اور علم رکھنے والا شخص ہوں۔ مجھے تو مامون نے ولی عہدی قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا' اگر میں یہ منصب قبول نہ کرتا تو وہ مجھے قتل کرا دیتا۔ اگر یوسف علیہ السلام نے منصب قبول کر کے کوئی غلطی نہیں کی تھی تو میں نے یہ منصب قبول کر کے کون سی خطا کی ہے؟

عیون الاخبار میں اسی مفہوم کی دو اور روایات بھی مرقوم ہیں۔

تفسیر عیاشی میں مذکور ہے کہ سفیان نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ کیا انسان اپنے منہ سے اپنی تعریف کرسکتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب کوئی مجبور ہو جائے تو پھر اپنی تعریف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیا تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول نہیں سنا کہ میں حفیظ اور امین ہوں۔

ان کے علاوہ عبد صالح نے بھی کہا تھا: وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ''میں تمھارے لیے امین خیر خواہ ہوں''۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو لوگ ترکِ دنیا کو ہی اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں انھیں ذرا حضرت سلیمان بن داؤدؑ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی مثالوں پر بھی غور کرنا چاہیے۔

حضرت یوسفؑ کی حدودِ مملکت مصر سے یمن تک پھیلی ہوئی تھیں۔ آپؑ نے بھوکی خلقِ خدا کو غلہ فراہم کیا تھا۔ آپؑ حکمران ہو کر بھی جادۂ حق سے کبھی منحرف نہیں ہوئے تھے۔ آپؑ ہمیشہ سچ کہتے تھے اور حق پر عمل کرتے تھے۔ ہم نے تو کسی کو ان پر تنقید کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مجمع البیان میں کتاب النبوۃ کے حوالہ سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت یوسف علیہ السلام جب پیداوار کے وزیر مقرر ہوئے تو سات سال تک بارشیں ہوتی رہیں اور خوب غلہ پیدا ہوا۔ آپؑ نے ان سالوں میں یہ احتیاط برتی کہ لوگوں کو ان کی ضرورت کے برابر دانہ نکالنے کی اجازت دی اور ضرورت سے زائد فصل خوشوں سمیت خریدتے رہے اور اسے بڑے بڑے گوداموں میں محفوظ کراتے رہے۔ پھر جب خشک سالی شروع ہوئی تو آپؑ نے خشک سالی کے پہلے سال درہم و دینار کے عوض غلہ فروخت کیا یہاں تک کہ لوگوں کے گھروں میں جتنے بھی درہم و دینار تھے وہ ختم ہو گئے اور تمام درہم و دینار یوسفؑ کے خزانے میں جمع ہو گئے۔

پھر دوسرا سال شروع ہوا تو آپؑ نے زیورات و جواہر کے عوض لوگوں کو غلہ فراہم کیا' یہاں تک کہ پورے مصر میں کسی کے پاس زیور تک نہ رہا۔ تمام زیور یوسفؑ کے خزانے میں جمع ہو گئے۔ پھر خشک سالی کا تیسرا سال شروع ہوا تو آپؑ نے جانوروں اور مویشیوں کے عوض لوگوں کو غلہ فراہم کیا اور مصر میں کسی کے پاس جانور نہ رہے۔ سب کے سب جانور یوسفؑ کی سرکاری تحویل میں چلے گئے۔ پھر چوتھا سال شروع ہوا تو آپؑ نے لوگوں کو ان کے غلاموں اور کنیزوں کے عوض غلہ فراہم کیا' یہاں تک کہ پورے مصر میں کسی کے پاس غلام اور کنیز باقی نہ رہے۔ تمام غلام اور کنیزیں حضرتؑ کی تحویل میں آ گئیں۔

پھر خشک سالی کا پانچواں سال شروع ہوا تو آپؑ نے لوگوں کو ان کی زمینوں اور گھروں کے عوض غلہ فراہم کیا' یہاں تک کہ پورے مصر کی زمینیں اور مکانات حضرت یوسفؑ کی ملکیت میں چلے گئے۔ پھر خشک سالی کا چھٹا سال شروع ہوا تو آپؑ نے ان کی انہار و مزارع کے عوض انھیں غلہ فراہم کیا' یہاں تک کہ مصر کی تمام نہریں اور راجباہیں حضرت یوسفؑ کی ملکیت میں چلی گئیں۔

پھر خشک سالی کا ساتواں سال شروع ہوا تو لوگوں کے پاس غلہ خریدنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ انھوں نے اپنے آپ کو حضرت یوسفؑ کا غلام بنا لیا اور غلہ حاصل کیا۔ چنانچہ اس سال پورے مصر کے لوگ حضرت یوسفؑ کی غلامی میں آ گئے۔ لوگ یہ کہنے لگے آج تک خدا نے کسی کو حضرت یوسفؑ سے زیادہ علم و حکمت عطا نہیں کی۔ وہ ہماری رقم سے لے کر ہماری جانوں تک کا مالک بن گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہِ مصر سے کہا: آپ نے ملاحظہ فرمایا مجھے خدا نے مصر میں حکومت عطا کی ہے اور آج میں اس ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن چکا ہوں' لیکن میں اپنی تدبیر کو ان کے لیے وبال بنانا نہیں چاہتا۔ یہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے انھیں میرے ہاتھوں قحط سالی سے نجات عطا کی ہے۔ اب آپ فرمائیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

بادشاہ نے کہا: آپؑ کی جو بھی رائے ہو آپؑ اس پر عمل کریں یقیناً آپؑ کی رائے ہی بہتر ہو گی۔

حضرت یوسفؑ نے کہا: بادشاہ سلامت! میں خدا کو اور اس کے بعد آپ کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں کہ میں تمام اہلِ مملکت کو آزاد کرتا ہوں اور ان کی زمینیں' مویشی' غلام اور تمام دیگر اشیاء انھیں واپس کرتا ہوں اور آپ کا عطا کردہ تخت و تاج بھی آپ کو واپس کرتا ہوں' لیکن آپ بھی مجھ سے وعدہ کریں کہ آئندہ آپ میری ہی سیرت پر عمل کریں گے اور اُمورِ مملکت میں مجھ سے مشورہ کرتے رہیں گے۔

بادشاہ نے کہا: میرے لیے شرف و فخر ہے۔ میں ہمیشہ آپؑ کی سیرت پر ہی عمل کروں گا اور آپؑ کے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ اگر آپؑ نہ ہوتے تو میں اس قحط سالی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تھا۔ آپؑ کی وجہ سے تو میری حکومت مضبوط ہوئی ہے اور آج میں بھی خدائے واحدۂ لاشریک کی توحید اور آپؑ کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں۔ آپؑ اپنے منصب پر قائم رہیں اور آپؑ ہمیشہ ہماری نظر میں باوقار رہیں گے اور ہمیں آپؑ کی امانت پر اعتماد ہے۔

اصولِ کافی میں ابی بصیر سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک آزاد انسان اپنے تمام حالات میں آزاد ہی رہتا ہے اس پر خواہ کتنے ہی مصائب کیوں نہ آئیں۔ پھر بھی وہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ مصائب اس

کی نصیحت کو ختم نہیں کر سکتے، خواہ زندان میں کیوں نہ چلا جائے۔ خواہ کسی کی بردگی میں بھی کیوں نہ چلا جائے پھر بھی وہ اپنے اعلیٰ اطوار کو نہیں چھوڑتا۔ اللہ تعالیٰ آخرکار اسی کے دکھوں کا خاتمہ کرتا ہے اور اسے سکھ اور عزت عطا کرتا ہے۔ اس کے لیے یوسفؑ صدیق کی زندگی کی مثال دیکھو۔ انھیں غلام بنایا گیا، فروخت کیا گیا، ان پر ظلم وستم ڈھائے گئے اور وہ قید میں گئے، مگر انھوں نے ہر جگہ پر اپنی آزادی اور برتری کو قائم رکھا۔ کنوئیں کی تاریکی اور تنہائی بھی انھیں نقصان نہ دے سکی۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے انھیں عزت دی اور جو اس کا مالک تھا وہ ان کا مملوک بنا اور خدا نے انھیں نبوت و رسالت عطا کی اور ان کے ذریعہ سے پوری مملکت کو قحط سالی سے نجات عطا کی۔ ہمیشہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے لہٰذا لوگو! تم بھی صبر کرو اور اپنے آپ کو صبر کا خوگر بناؤ۔ خدا تمھیں اس کا اجر دے گا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت یوسف علیہ السلام کی حدودِ مملکت مصر اور اس کے صحراء تک محدود تھی۔ اس سے زیادہ علاقہ پر ان کی حکومت نہیں تھی۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلی بار ہی اپنے بھائیوں کو پہچان لیا تھا، لیکن جب تک انھوں نے نہ چاہا اس وقت تک بھائی انھیں نہیں پہچان سکے تھے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حجتِ خدا کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ جب تک وہ خود نہ چاہے تب تک اسے کوئی پہچان نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ روایاتِ معصومینؑ میں مذکور ہے کہ جب قائم آلِ محمد علیہ الصلاۃ والسلام ظہور فرمائیں گے تو ہر شخص انھیں دیکھ کر پہچان لے گا اور لوگ کہیں گے کہ میں نے تو انھیں فلاں فلاں مقام پر دیکھا تھا۔ بعض لوگ کہیں گے کہ انھوں نے تو فلاں مشکل گھڑی میں میری مدد کی تھی۔ اسی طرح کا ایک واقعہ یہ بھی ہے۔

عیون الاخبار میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے باب میں سے ایک روایت کا کچھ حصہ یوں ہے:

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو جب سندی بن شاہک داروغہ نے ہارون کے حکم سے زہر دیا تو اس وقت آپؑ نے قیدخانے کے دربان مسیب سے کہا:

مسیب! یہ نجس سندی بن شاہک یہ سمجھتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد وہ مجھے غسل وکفن دے گا اور مجھے دفن کرے گا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ جب تم لوگ میرا جنازہ لے کر مقابرِ قریش (کاظمین) پہنچو تو وہاں میری لحد بنانا اور میری قبر کو چار انگلیوں سے زیادہ بلند نہ بنانا اور خیال رکھنا برکت کے حصول کے لیے میری قبر کی مٹی نہ اٹھانا۔ یاد رکھو! میرے دادا حضرت امام حسین علیہ السلام کی تربت کے علاوہ باقی ہر تربت کا کھانا حرام ہے، البتہ سید الشہداء امام حسینؑ کی تربت کو اللہ نے ہمارے شیعوں

اور دوستوں کے لیے وسیلۂ شفا بنایا ہے۔

مسیب بیان کرتے ہیں کہ اتنے میں زندان میں مَیں نے ایک شخص کو دیکھا جو میرے آقا و مولا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مکمل شبیہہ تھا۔ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو بچپنے میں دیکھا تھا۔ میں نے چاہا کہ آنے والے سے کچھ سوال کروں تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے چیخ کر مجھ سے فرمایا کہ میں نے تجھے منع نہیں کیا تھا؟

مسیب کہتے ہیں کہ میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد آنے والی شخصیت بھی میری نگاہوں سے غائب ہوگئی۔ اتنے میں امام علیہ السلام کی شہادت واقع ہوگئی۔ میں نے امامؑ کی شہادت کی اطلاع سندی بن شاہک کو دی۔ وہ اپنے ساتھیوں سمیت آیا اور انھوں نے امامؑ کو غسل دینا شروع کیا۔ میں کھلی آنکھوں سے دیکھتا رہا کہ ان کے ہاتھ امام تک نہیں پہنچ رہے تھے اور پھر میں نے پہلے آنے والی شخصیت کو دیکھا جو آکر ان کے ساتھ غسل کفن میں شریک ہوگیا۔ امام علیہ السلام کو وہی غسل وکفن دیتے رہے جب کہ سندی بن شاہک اور اس کے ساتھی یہ سمجھتے رہے کہ یہ شخص ان کی مدد کر رہا ہے وہ اسے نہیں پہچانتے تھے۔ جب غسل وکفن کی تکمیل ہوگئی تو اس شخصیت نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

مسیب! ہر چیز میں شک کر لینا لیکن میرے متعلق کبھی شک نہ کرنا۔ میں تیرا امامؑ اور تیرا مولاؑ ہوں اور اپنے والد کے بعد خدا کی طرف سے تجھ پر حجت ہوں۔ میری مثال حضرت یوسف علیہ السلام کی سی ہے۔ انھوں نے بھائیوں کو پہچان لیا تھا جب کہ بھائی اسے نہیں پہچان سکے تھے۔

مسیب کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا جنازہ اُٹھایا گیا اور انھیں مقابرِ قریش (کاظمین) میں دفن کیا گیا۔ آپؑ کی قبر کو زمین سے صرف چار انگشت بلند کیا گیا۔ بعدازاں عقیدت مندوں نے آپؑ کی قبر کو اُونچا کیا اور روضہ تعمیر کیا۔

برادرانِ یوسفؑ بھائی کے دربار میں

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے بڑی شاق ثابت ہوئی۔ آپؑ یوسفؑ کی جدائی کے غم میں اتنا روئے کہ آنکھیں سفید ہوگئیں۔ پھر خشک سالی کا سال شروع ہوا تو آپؑ کے گھر کا غلہ ختم ہوگیا اور کنعان میں یہ شہرہ ہوا کہ مصر کا بادشاہ لوگوں کو غلہ فراہم کر رہا ہے۔ اس وقت حضرت یوسفؑ مصر کے اقتدار پر فائز ہو چکے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کچھ رقم دے کر فرمایا: تم مصر چلے جاؤ اور وہاں سے خاندان کے لیے غلہ لے آؤ۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے سفر کیا اور مصر پہنچ گئے اور حضرت یوسفؑ کے سامنے گئے۔ آپؑ نے انھیں پہچان لیا لیکن وہ آپؑ کے رعب شاہی کی وجہ سے آپؑ کو نہ پہچان سکے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے رقم لی اور اپنے نوکروں سے فرمایا کہ ان لوگوں کو سب سے پہلے غلہ دے دو اور جب غلہ بھر کر فارغ ہو جاؤ تو ان کی پونجی بھی ان کی بوری میں رکھ دو' لیکن ایک بات کا خیال رکھنا انھیں یہ نہ بتانا کہ ان کی رقم انھیں واپس کی گئی ہے۔

نوکروں نے حضرتؑ کے فرمان پر عمل کیا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تمھارے دو بھائی اور بھی ہیں۔ بتاؤ اب وہ کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا: بادشاہ سلامت! پہلے ہمارے دو بھائی اور تھے لیکن ہمارے ایک بھائی کو بھیڑیا کھا گیا تھا' جب کہ ہمارا دوسرا بھائی اس وقت اپنے والد کے پاس ہے اور ہمارا والد اسے اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتا۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: اچھا سنو! جب اگلی مرتبہ غلہ لینے آؤ تو اپنے بھائی کو بھی اپنے ساتھ لاؤ۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میری طرف سے تمھیں غلہ نہیں ملے گا اور میرے قریب پھٹکنے کی بھی زحمت نہ کرنا۔ یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا: اگرچہ یہ کام خاصا مشکل ہے' پھر بھی ہم پوری کوشش کر کے والد کو قائل کریں گے اور اپنے بھائی کو یہاں لے آئیں گے۔

الغرض برادرانِ یوسفؑ مصر سے غلہ لے کر گھر پہنچے۔ جب انھوں نے اپنی بوریوں کو کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کی رقم انھیں لوٹائی جا چکی تھی۔ انھوں نے اپنے والد سے کہا: اباجان! ہمیں اور کیا چاہیے ہماری رقم ہمیں لوٹا دی گئی ہے۔ اب بادشاہِ مصر نے دوبارہ غلہ لینے کے لیے ہم پر یہ شرط عائد کی تھی کہ تمھیں غلہ تب ملے گا جب تم اپنے بھائی کو لے کر آؤ گے۔ آپؑ مہربانی کریں' غلہ کے دوبارہ حصول کے لیے ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ روانہ کریں۔ بھائی کی وجہ سے ہم ایک بارِ شتر زیادہ غلہ حاصل کریں گے اور ہمارے بھائی کی حفاظت کی آپ کوئی فکر نہ کریں۔ ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے۔ پہلے بھی تم لوگ یوسفؑ کو لے کر گئے تھے' مگر تم نے یوسف کی حفاظت نہیں کی تھی' اب میں تم پر کس طرح سے بھروسہ کر سکتا ہوں؟ البتہ اگر تم مجھے خدا کی ضمانت دو تو پھر میں اپنے بیٹے کو تمھارے ساتھ روانہ کروں گا' لیکن اس کے لیے تمھیں خدا کی قسم کھانا ہوگی کہ تم اسے میرے پاس واپس لاؤ گے' ہاں اگر گھیر لیے جاؤ تو یہ علیحدہ بات ہوگی۔ بیٹوں نے باپ کو خدا کی ضمانت دی اور یوں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو

ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔

بہرنوع چھ ماہ کے بعد پسرانِ یعقوبؑ کا قافلہ گھر سے چلا۔ اس بار اس قافلہ میں ابن یامینؑ (بن یامین) بھی شامل تھا۔ قافلہ سفر کرتا ہوا یوسفؑ کے پاس پہنچا۔ حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے کہا: ابن یامیل بھی تمھارے ساتھ آیا ہے؟ بھائیوں نے کہا: جی ہاں، ہم اسے بھی ساتھ لائے ہیں اور وہ یہ ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اسے اٹھایا اور اپنے ساتھ تنہائی میں لے گئے اور اس سے فرمایا کہ مجھے پہچانو میں تمھارا کھویا ہوا بھائی یوسف ہوں، اب میں جو کچھ کروں تمھیں اس پر غمگین ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور فی الحال بھائیوں کو بھی میرے متعلق کچھ نہ بتانا۔

بعدازاں حضرت یوسفؑ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ ان کی بوریوں میں غلہ بھریں اور جب غلہ بھر لو تو خاموشی سے (ابن یامیل) کی بوری میں میرے پینے کا پیالہ رکھ دینا اور بوری کو بند کر دینا۔ نوکروں نے آپؑ کے فرمان پر عمل کیا۔ غلہ لینے کے بعد فرزندانِ یعقوبؑ قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ حضرت یوسفؑ اپنے غلاموں کو ساتھ لے کر ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور ایک منادی نے اہلِ قافلہ کو صدا دی اور کہا: قافلہ والو! تم تو چور ہو۔

یہ آواز سن کر قافلہ رُک گیا اور انھوں نے کہا: تمھاری کیا چیز چوری ہوئی ہے؟ نوکروں نے کہا: ہمارے بادشاہ کا پیالہ کھو گیا ہے اور جو اسے برآمد کرے گا اسے انعام میں بارِ شتر غلہ دیا جائے گا۔

فرزندانِ یعقوبؑ نے کہا: تم لوگ جانتے ہو کہ ہم یہاں فساد کرنے کے لیے نہیں آئے اور ہم لوگ چور نہیں ہیں۔

حضرتؑ کے نوکروں نے کہا: اچھا، اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو بتاؤ چور کی کیا سزا ہوگی؟

انھوں نے کہا: جس کے پاس تمھارا سامان برآمد ہو، تم اسے اپنے پاس ٹھہرالیں۔ ہم اسی طرح سے چوروں کو سزا دیا کرتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ نے سب سے پہلے سوتیلے بھائیوں کی بوریوں کی تلاشی لی۔ ان میں سے کچھ برآمد نہ ہوا۔ پھر جب آپؑ نے اپنے سگے بھائی کی تلاشی لی تو اس میں سے وہ پیالہ برآمد ہوگیا۔ جب بھائیوں نے خلافِ توقع چوری کی برآمدگی دیکھی تو انھوں نے کہا: بادشاہ! اگر آج اس نے چوری کی ہے تو یہ اس کے لیے نئی بات نہیں ہے۔ آج سے طویل عرصہ قبل اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: ٹھیک ہے ہم چور کو اپنے یہاں رکھیں گے اور باقی تم لوگ بے گناہ ہو، لہٰذا تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔ برادرانِ یوسفؑ نے جب یہ شاہی حکم سنا تو انھوں نے آپؑ سے کہا: اے بااختیار بادشاہ! اس کا بوڑھا باپ ہے

اور وہ اس کو ہمارے ساتھ بھیجنے پر اس وقت تک رضامند ہی نہ ہوا تھا جب تک ہم نے اسے خدا کا پیمان نہیں دیا تھا۔ آپؑ نے اگر پکڑنا ہی ہے تو پھر مہربانی کر کے اسے واپس جانے دیں اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو اپنے پاس روک لیں۔ آپؑ نیکوکار انسان ہیں اور ایک نیکوکار شخص سے یہی توقع کی جاسکتی ہے۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: خدا کی پناہ! ہم تو صرف اسے ہی پکڑیں گے جس کے ہاں سے ہمارا سامان برآمد ہوا ہے۔ اگر اس کی جگہ ہم نے کسی دوسرے کو پکڑا تو پھر ہم ظالم قرار پائیں گے۔

برادرانِ یوسفؑ مایوس ہو کر وہاں سے نکلے اور ایک جگہ بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔ بڑے بھائی نے کہا: میں اپنے والد سے شرمندہ ہوں' اب میں اسی سرزمین پر رہوں گا یہاں تک کہ میرے والد مجھے اپنے پاس آنے کی اجازت دیں یا خدا میرے لیے کوئی فیصلہ کر دے۔ اس سے قبل ہم سے یوسفؑ کے متعلق بھی کوتاہی سرزد ہوئی تھی۔ اب میں کون سا منہ لے کر والد کے پاس جاؤں گا۔ البتہ تم لوگ غلہ لے کر والد کے ہاں جاؤ اور ان سے کہو کہ آپؑ کے فرزند نے چوری کی ہے اسی لیے وہ گرفتار ہو چکا ہے۔ ہم نے اسے چوری کرتے ہوئے خود نہیں دیکھا ہے البتہ اس کے سامان سے پیالہ برآمد ہوتے ہوئے ہم نے ضرور دیکھا ہے۔ اگر اس کے باوجود آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ اس قریہ والوں سے پوچھ لیں جہاں ہم گئے ہوئے تھے اور آپ ان قافلہ والوں سے پوچھ لیں جن کے ساتھ ہم نے سفر کیا تھا۔ ہم بالکل سچے ہیں۔

جب فرزندانِ یعقوبؑ نے والد کو یہ خبر سنائی تو انھوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اور بے تحاشا روئے اور شدتِ غم سے ان کی کمر خمیدہ ہوگئی۔

وضاحت: اس روایت میں حضرت یوسفؑ کے سگے بھائی کا نام ''ابن یامیل'' بیان کیا گیا ہے جب کہ باقی روایت میں اس کا نام ''ابن یامین'' بیان کیا گیا ہے۔ یہی روایت ابوحمزہ ثمالی کی زبانی بھی مرقوم ہے مگر اس میں ''ابن یامین'' کے الفاظ وارد ہیں۔

مجمع البیان میں مذکور ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے بن یامین کو بھائیوں کے ساتھ روانہ کیا تو آپؑ نے یہ الفاظ کہے تھے: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ''حکم بس اسی کا ہی چلتا ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے''۔

اللہ تعالیٰ کو آپؑ کے توکل کی یہ ادا پسند آئی اور فرمایا: یعقوبؑ! تو نے ہم پر بھروسہ کیا ہے تو ہم تجھے تیرے دونوں بیٹوں سے ملوائیں گے۔

لفظ ''امیر المومنین'' کا مفہوم

کتاب علل الشرائع' معانی الاخبار اور اصول کافی میں منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حضرت علی علیہ السلام کو امیر المومنین کیوں کہا جاتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: یہ لفظ ''نَمِیْرُ اَھْلَنَا'' سے مشتق ہے۔ آپؑ کو امیر المومنین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپؑ مومنین کو رزقِ علم فراہم کرتے ہیں۔

وضاحت: عربی لغت میں بَاعَ یَبِیْعُ کے وزن پر مَارَ یَمِیْرُ کا بھی ایک باب ہے۔ مَارَ یَمِیْرُ کا معنی غلہ فراہم کرنا ہے۔ اسی لیے برادرانِ یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا تھا: وَ نَمِیْرُ اَھْلَنَا ''اور ہم اپنے خاندان کے لیے غلہ لائیں گے''۔

مذکورہ روایت میں لفظ ''امیر المومنین'' میں لفظ ''امیر'' کو فعل مضارع واحد متکلم کا صیغہ بتایا گیا ہے' جس کا مفعول بہ ''المومنین'' ہے۔ اس صورت میں ''امیر المومنین'' کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ میں اہلِ ایمان کو روزی فراہم کرتا ہوں۔ جب کہ مذکورہ بالا روایت میں رزقِ علم کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن یہ معنی صرفی اور نحوی دونوں لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ مثلاً کتب احادیث میں یہ الفاظ بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔ ''عن امیر المومنین علیہ السلام'' جب کہ صرف و نحو کے مبتدی طلاب بھی جانتے ہیں کہ فعل پر حرف جار داخل نہیں ہوتا۔

اسی طرح سے جب کوئی مسلمان یہ گواہی دیتا ہے: اَشْھَدُ اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰہِ تو اس صورت میں اس کا عجیب سا ترجمہ سامنے آتا ہے جو کہ کچھ یوں بنتا ہے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اہلِ ایمان کو روزی فراہم کرتا ہوں' علی اللہ کا ولی ہے''۔ اور اس میں دوسری قباحت یہ لازم آتی ہے کہ لفظ ''امیر'' جو کہ فعل بافاعل ہے اس سے پہلے ''حرف مشبہ بالفعل اَنَّ'' داخل ہوا ہے۔ اور فعل مضارع پر کبھی بھی حرف مشبہ بالفعل داخل نہیں ہوتا۔

اور اگر لفظ ''امیر المومنین'' کی یہی ترکیب کی جائے تو پھر سوال یہ ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا: یَا عَلِیُّ اَنْتَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ''اے علیؑ! تو امیر المومنین ہے''۔ اب اگر لفظ ''امیر المومنین'' کی مزعومہ ترکیب نحوی کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر حدیث کا عجیب معنی یہ ہوگا: اے علیؑ! تو' میں مومنین کو رزق فراہم کرتا ہوں۔ لہٰذا مذکورہ حقائق کی موجودگی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ روایت از روئے لغت اور از روئے صرف ونحو صحیح نہیں ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

نگاہِ بد مؤثر ہے

لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ

''میرے بیٹو! ایک دروازے سے داخل نہ ہونا' مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونا''۔

علمائے مفسرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نظر بد سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ تدبیر کی تھی۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ''جبائی'' نظر بد کی تاثیر کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کے لیے کوئی مضبوط دلیل موجود نہیں ہے۔ جب کہ محققین کی اکثریت نظرِ بد کی تاثیر کی قائل ہے اور اس کے ثبوت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ وَالْعَيْنُ تَنْتَزِلُ الْحَالِقَ ''نگاہِ بد حق (مؤثر) ہے اور نگاہِ بد میں اتنی تاثیر ہے کہ وہ بلند پہاڑ کو بھی گرا سکتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے یہ عزیمت پڑھتے تھے: اعیذ کما بکلمات اللّٰہ التامة من کل شیطان وھامة ومن کل عین لامة۔

روایات میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے ان پر عزیمت دَم کی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق منقول ہے کہ آپؑ فرزندانِ ہارونؑ کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے عزیمت دَم کرتے تھے۔

ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضرت جعفر طیارؓ کے بیٹے بڑے حسین وجمیل تھے۔ ایک دفعہ ان کی والدہ اسماء بنت عمیس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا: یارسولؐ اللہ! انھیں نظرِ بد جلدی لگتی ہے' کیا میں نظرِ بد سے بچانے کے لیے ان پر کوئی عزیمت دَم کر دیا کروں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔

ایک روایت میں مذکور ہے کہ جبریل امینؑ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور انھیں نظرِ بد سے بچنے کے لیے یہ عزیمت تعلیم دی: بسم اللّٰہ ارقیك من كل عين حاسد اللّٰه يشفيك۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب کوئی چیز لوگوں کے سینوں میں بڑی محسوس ہوتی ہے تو اللہ اس کی قدر کو گرا دیتا ہے اور اسے چھوٹا کر دیتا ہے۔

اصول کافی میں مرقوم ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنؑ وحسینؑ پر دَم کیا اور آپؑ نے فرمایا: أعیذ کما بکلمات اللہ التامۃ ومن شر کل عین لامۃ ومن شر حاسد اذا حسد۔ پھر آنحضرتؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزندوں اسماعیلؑ واسحاقؑ پر بھی یہی دُعا دَم کیا کرتے تھے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب فرزندانِ یعقوبؑ بن یامین کو اپنے ساتھ لے کر دربارِ یوسفؑ میں گئے تو آپؑ نے ان کے لیے ضیافت کا انتظام کیا اور جب دسترخوان بچھ گیا تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ ایک ہی ماں کے بیٹے اکٹھے ہو کر بیٹھ جائیں۔ اس حکم کے بعد دس بھائی بیٹھ گئے' لیکن بن یامین اکیلا کھڑا رہا۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: تم کیوں اکیلے کھڑے ہو؟ بن یامین نے کہا: آپؑ ہی نے تو کہا ہے کہ ماں جائے بھائی ساتھ بیٹھ جائیں۔ ان میں میرا کوئی ماں جایا بھائی نہیں ہے۔

حضرت یوسفؑ نے کہا: تو کیا تیرا کوئی سگا بھائی نہیں تھا؟ بن یامین نے کہا: کیوں نہیں' میرا بھی سگا بھائی تھا۔ حضرت یوسفؑ نے کہا: تو تمھارے بھائی کو کیا ہوا؟ بن یامین نے کہا: یہ گمان کرتے ہیں کہ اسے بھیڑیا کھا گیا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے کہا: تمھیں تمھارے بھائی کے کھو جانے کا کتنا صدمہ ہوا تھا؟ بن یامین نے کہا: خدا نے مجھے گیارہ اولادیں عطا کی ہیں میں نے سب کے نام اس کے نام سے مشتق کر کے رکھے ہیں۔

حضرت یوسفؑ نے کہا: عجیب بات ہے' اتنے پیارے بھائی کی جدائی کے بعد بھی تو بیویوں سے ہم آغوش ہوتا رہا اور بچے پیدا کرتا رہا۔ بن یامین نے کہا: اصل بات یہ ہے کہ میرا ایک نیک سیرت والد ہے' اس نے مجھ سے کہا ہے کہ بیٹا شادی کرتا کہ خدا تجھ سے اتنی اولاد پیدا کرے جو پوری زمین کو خدا کی تسبیح سے بھر دیں۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: پھر آؤ تم میرے ساتھ مل کر دسترخوان پر بیٹھو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ برادرانِ یوسفؑ نے جب بن یامین کی اس عزت افزائی کو دیکھا تو کہنے لگے: اللہ نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کو فضیلت دی ہے اور نوبت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ آج یوسفؑ کا بھائی بادشاہ کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب فرزندانِ یعقوبؑ گھر سے روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ بن یامین بھی ہم سفر تھے۔ دورانِ سفر بن یامین نہ تو بھائیوں کے ساتھ بیٹھتے تھے اور نہ ہی ان سے کلام کرتے تھے۔ اور یوں سفر کرتے

ہوئے یہ قافلہ حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے سگے بھائی کو دیکھا کہ وہ دوسرے بھائیوں سے علیحدہ بیٹھا ہوا تھا۔ آپؑ نے اس سے کہا: کیا تم ان کے بھائی ہو؟ بن یامین نے کہا: جی ہاں۔ حضرت یوسفؑ نے کہا: تم ان کے ساتھ کیوں نہیں بیٹھتے؟

بن یامین نے کہا: یہ لوگ میرے سگے بھائی کو اپنے ساتھ لے کر گئے تھے اور اسے واپس نہیں لائے تھے اور ان کا گمان یہ ہے کہ میرے بھائی کو بھیڑیا کھا گیا تھا اسی لیے میں یہ قسم کھا چکا ہوں کہ کبھی بھی ان کے ساتھ نہیں بیٹھوں گا۔

حضرت یوسفؑ نے کہا: کیا تو نے شادی کی ہے؟ بن یامین نے کہا: جی ہاں۔ حضرت یوسفؑ نے کہا: کیا تمھارے ہاں کوئی اولاد بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں' میرے ہاں تین بیٹے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے کہا: تم نے ان کے کیا نام رکھے ہیں؟ بن یامین نے کہا: میں نے ایک کا نام ''بھیڑیا'' دوسرے کا نام ''قمیص'' اور تیسرے کا نام ''خون'' رکھا ہے۔

حضرت یوسفؑ نے کہا: تم نے ان ناموں کا انتخاب کیوں کیا؟ بن یامین نے کہا: تاکہ مجھے میرا بھائی ہمیشہ یاد رہے۔ میں جب بھی کسی بیٹے کا نام لیتا ہوں تو مجھے میرا بھائی یاد آجاتا ہے۔ پھر یوسفؑ نے دس بھائیوں کو باہر جانے کا حکم دیا اور بن یامین کو اپنے پاس ٹھہرا کر اس سے کہا: میں تیرا گم گشتہ بھائی یوسف ہوں۔ تیرے سوتیلے بھائی جو کچھ کرتے آئے ہیں اس پر غمگین نہ ہونا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس یہاں رُک جاؤ۔

بن یامین نے کہا: بھائی ایسا نہیں کرنے دیں گے' کیونکہ ابا جان نے مجھے ان کے ساتھ روانہ کرنے سے قبل ان سے خدا کے نام کا عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ واپس لے آئیں گے۔

حضرت یوسفؑ نے کہا: کوئی بات نہیں۔ میں تمھارے یہاں روکنے کی ایک تدبیر کرتا ہوں۔ بھائیوں سے اس کے متعلق کچھ نہ کہنا۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے اپنا پیالہ اس کے سامان میں رکھوا دیا تھا اور اس بہانے سے اسے اپنے پاس روک لیا تھا۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ برادرانِ یوسفؑ کو یوسفؑ نے چور کہا تھا' جب کہ وہ چور تو نہیں تھے کیا اس کے باوجود حضرت یوسفؑ کی صداقت پر کوئی حرف تو نہیں آتا۔

آپؑ نے فرمایا: بھائیوں نے اس وقت چوری نہیں کی تھی' لیکن جھوٹے یوسفؑ بھی نہیں تھے۔ آپؑ نے انھیں اس لیے چور کہا تھا کہ انھوں نے یوسفؑ کو والد سے چرایا تھا۔

تقیہ

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''تقیہ دینِ خداوندی میں شامل ہے''۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے ازراہِ تعجب کہا: کیا تقیہ دینِ خداوندی میں شامل ہے؟!! آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، خدا کی قسم! تقیہ دینِ خداوندی میں شامل ہے۔ حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے کہا تھا: اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ (قافلہ والو! تم چور ہو جب کہ انھوں نے کوئی چیز چوری نہیں کی تھی)۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا: انی سقیم (میں بیمار ہوں) خدا کی قسم ابراہیمؑ بیمار نہیں تھے۔

حسن صیقل بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم نے آپؑ کے والد علیہ السلام سے یہ روایت کی ہے کہ جب حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو چور کہا تھا تو وہ چور نہیں تھے۔ اس کے باوجود بھی یوسفؑ نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ (انبیاء: ۶۳) (بلکہ اس بڑے نے ان بتوں کو توڑا ہے اگر یہ بولتے ہیں تو خود انھی سے ہی پوچھ لو) خدا کی قسم! بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو نہیں توڑا تھا لیکن ابراہیمؑ بھی جھوٹے نہیں تھے۔

یہ بیان سننے کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: صیقل! تم کیا کہتے ہو؟ میں (راوی) نے کہا: میں تسلیم کرنے کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتا ہوں؟ یہ سن کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کو دو چیزیں پسند ہیں اور دو چیزیں ناپسند ہیں۔ اللہ کو جہاد کی صفوں کے درمیان کفار کے سامنے اکڑ اکڑ کر چلنا پسند ہے اور اصلاح کے علاوہ جھوٹ بولنا خدا کو ناپسند ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ کا جملہ اصلاح کی غرض سے کہا تھا اور انھیں معلوم تھا کہ یہ لوگ گونگے خودساختہ خداؤں سے کچھ نہیں پوچھ سکتے اور نہ ہی ان کے بت ان کو جواب دینے کے لائق ہیں۔ اسی طرح سے حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اصلاح کی غرض سے کہا تھا: اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ''تم چور ہو''۔

اسی مفہوم کی ایک اور روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی منقول ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کلام کی تین قسمیں ہیں: ۱- کلام یا تو سچ ہوتا ہے ۲- یا جھوٹ ہوتا ہے ۳- یا لوگوں میں اصلاح کا ذریعہ ہوتا ہے۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا گیا کہ سالم بن ابی حفصہ اور اس کے ساتھی آپؑ

منقول یہ کہتے ہیں کہ آپؑ کی گفتگو ستر ستر مفاہیم کی حامل ہوتی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: سالم مجھ سے کیا چاہتا ہے کیا میں ترجمہ کو اس کے سامنے لے آؤں جب کہ یہ کام تو انبیاء نے بھی نہیں کیا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے بھی قافلہ والوں کو چور کہا تھا' جب کہ وہ ہرگز چور نہیں تھے اور یوسفؑ نے بھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔

کتاب الخرائج والجرائح کی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک کمر بند موجود تھا' اور جو بھی اسے چوری کرتا تھا وہ غلام بنا لیا جاتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے باپ کو بہت پیارے تھے اور آپؑ کی پھوپھی بھی آپؑ سے بے حد پیار کرتی تھی۔ ایک مرتبہ پھوپھی آپ کو اپنے ہاں لے گئی۔ حضرت یعقوبؑ نے انھیں پیغام بھیجا کہ میں یوسف کے لیے اداس ہوں اسے میرے پاس بھیج دو۔ بی بی نے یوسف کی تیاری کرائی اور خاموشی سے وہ کمر بند ان کی کمر سے باندھا اور انھیں والد کے پاس لے گئیں اور پھر بی بی نے اپنے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ ابراہیمی کمر بند کہیں کھو گیا ہے۔ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور انھوں نے کہا کہ کمر بند یوسف نے پہنا ہوا ہے۔

بی بی نے ازراہِ پیار بھائی سے کہا کہ آپ نے دیکھا یوسفؑ نے میری چوری کی ہے اور ابراہیمی قانون کے تحت آپؑ اسے میرے سپرد کر دیں۔ بہرنوع وہ ایک معصومانہ حرکت تھی اور وہ پیار کا ایک انداز تھا' لیکن جب بنیامین کی بوری سے یوسفؑ کے پانی پینے کا پیالہ برآمد ہوا تو برادرانِ یوسفؑ نے کہا: اگر اس نے آج چوری کی ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے بھائی (یوسفؑ) نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی۔

بعدازاں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: یوسفؑ اور یعقوبؑ کے درمیان کچھ بہت فاصلہ حائل نہیں تھا۔ اگر خدا حجاب اُٹھا کر یعقوبؑ کو یوسفؑ دکھانا چاہتا تو وہ دکھانے پر قادر تھا' لیکن اللہ نے ہر بات کے لیے وقت مقرر کیا ہے اور ہر کام اپنے مقررہ وقت پر ہی ظہور پذیر ہوتا ہے۔

تفسیر عیاشی اور عیون الاخبار میں بھی یہ روایت اختلاف الفاظ کے ساتھ مرقوم ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ جب بنیامین کے سامان سے پیالہ برآمد ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے متعلق حکم صادر کیا کہ اسے یہاں روک لیا جائے تو اولادِ یعقوبؑ کو سخت غصہ آیا اور جب انھیں غصہ آتا تھا تو کپڑے کے نیچے ان کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے سروں سے زرد رنگ کا خون نکلتا تھا اور اس موقع پر بھی انھیں بڑا غصہ آیا اور انھوں نے کہا: اے بااختیار بادشاہ! اس کا بوڑھا باپ ہے۔ آپ اس کی بجائے ہم میں سے کسی ایک کو گرفتار کر لیں۔ ہم

آپ کو نیکوکار جماعت کا فرد محسوس کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہم تو بس اسے ہی پکڑیں گے جس کے ہاں سے ہمیں اپنا سامان ملا ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ان سے یہ الفاظ نہیں کہے تھے کہ ہم تو بس اسے ہی پکڑیں گے جس نے ہمارا سامان چوری کیا ہے۔ پھر جب فرزندانِ یوسفؑ بن یامین کی واپسی سے مایوس ہوگئے تو وہ دُور جا کر بیٹھ گئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ ان کے بڑے بھائی نے کہا: میں اب اس سرزمین پر ہی رہوں گا' یہاں تک کہ میرے والد مجھے یہاں سے واپس نہ بلائیں یا خدا میرے لیے کوئی فیصلہ نہ کردے۔ والدِ محترم نے ہم سے وعدہ لیا تھا کہ ہم بن یامین کو اپنے ساتھ واپس لے کر آئیں گے اور اس سے پہلے یوسفؑ کے متعلق بھی ہم سے کوتاہی ہوئی تھی۔ لہٰذا میں کون سا منہ لے کر والدِ محترم کے پاس جاؤں گا۔ بڑے بھائی کے متعلق کتابوں میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام لاوی بن یعقوب تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام یہودا بن یعقوب تھا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول دو روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ برادرانِ یوسفؑ واپس چلے گئے۔ بڑا بھائی یہودا ان کے ساتھ واپس نہ گیا۔ بھائیوں کے جانے کے بعد وہ یوسفؑ کے پاس آیا اور اُن سے بن یامین کی واپسی کی درخواست کی' جسے آپؑ نے مسترد کردیا۔ یہودا کو غصہ آیا۔ جب اسے غصہ آتا تھا اس کے بازو میں ایک بال کھڑا ہوجاتا تھا' اس سے خون نکلنے لگتا تھا۔ جیسے ہی اس کے بازو سے خون برآمد ہوا تو یوسف علیہ السلام کے پاس ان کا ننھا بیٹا سونے سے بنے ہوئے ایک انار سے کھیل رہا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے اس سے وہ انار لیا اور یہودا کی طرف پھینکا۔ بچہ اپنا انار اٹھانے کے لیے گیا۔ بچے کا ہاتھ یہودا کے جسم سے مَس ہوا تو اس کا غصہ کافور ہوگیا۔

اس نے دوبارہ حضرت یوسفؑ سے درخواست کی جسے آپؑ نے مسترد کردیا۔ آخر کار اسے غصہ آیا اور غصہ کی وجہ سے اس کے بازو سے خون رِسنے لگا۔ حضرت نے دوبارہ وہی انار اس کی جانب پھینکا۔ بچہ انار لینے کے لیے لپکا۔ بچے کا ہاتھ یہودا کے جسم سے مَس ہوا تو اس کا غصہ کافور ہوگیا۔ یہودا نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ اس گھر میں یعقوبؑ کی اولاد میں سے کوئی نہ کوئی فرد موجود ہے۔ اس وقت حضرت یوسفؑ نے اس سے فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم نے نادانی میں یوسفؑ اور اس کے بھائی سے کیا سلوک کیا تھا؟

الغرض حضرت یوسفؑ نے ایک حسین بہانے سے اپنے بھائی کو اپنے ہاں روک لیا۔ آپؑ کے باقی دس بھائیوں میں سے نو بھائی واپس حضرت یعقوبؑ کے پاس گئے۔ اُنھوں نے بیٹوں سے پہلا سوال یہی کیا کہ تم میرے بن یامین کو لے کر

گئے تھے۔ بتاؤ اب بن یامین کہاں ہے؟

انھوں نے کہا: اباجان! بن یامین نے چوری کی تھی۔ اسے شاہ مصر نے اپنے ہاں روک لیا ہے اور ہمیں واپسی کی اجازت دی ہے۔ ہم آپؑ کے پاس آگئے ہیں۔ اگر آپؑ نے مزید تسلی کرنی ہو تو پھر اس شہر والوں سے پوچھیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور آپؑ اس قافلہ سے بھی تسلی کر سکتے ہیں جن کے ساتھ ہم نے سفر کیا تھا تو آپؑ کو ہماری سچائی کا یقین ہو جائے گا۔ حضرتؑ نے فرمایا: تم نے اپنی طرف سے یہ بات بنالی ہے اب میں ''صبر جمیل'' ہی کر سکتا ہوں۔

شیخ الطائفہ امالی میں لکھتے ہیں: ''صبرِ جمیل'' اس صبر کو کہا جاتا ہے جس میں خالق کا شکوہ نہ ہو۔

تفسیر عیاشی میں جابر سے منقول ہے: میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا: مولا! صبرِ جمیل کسے کہتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: ایسے صبر کو صبرِ جمیل کہا جاتا ہے جس میں اپنی تکلیف کا لوگوں کے سامنے شکوہ نہ کیا جائے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا: حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کی جدائی کا غم کتنا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: اگر ستر پسر مُردہ ماؤں کا غم کیا جائے تو حضرت یعقوبؑ کو اتنا غم یوسفؑ کی جدائی پر تھا۔ اور یعقوبؑ کلمہ استرجاع سے واقف نہ تھے اسی لیے انھوں نے یَاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ کے جملے کہے تھے۔

کتاب الخصال میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: میرے والد امام سجاد علیہ السلام واقعۂ کربلا کے بعد پورے بیس برس تک روتے رہے اور آپؑ کی حالت یہ تھی کہ جب بھی آپؑ کے سامنے کھانا رکھا جاتا تو آپؑ واقعات کربلا کو یاد کر کے رونے لگ جاتے تھے۔

ایک دفعہ آپؑ کے ایک غلام نے آپؑ سے کہا: کیا ابھی آپؑ کا غم پورا نہیں ہوا؟ آپؑ نے فرمایا: تجھ پر افسوس حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے۔ بارہ میں سے ایک فرزند جدا ہوا تھا تو روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں اور ان کی کمر جھک گئی تھی، جب کہ ان کا فرزند بھی زندہ تھا۔ میں نے تو کربلا میں اپنے والد، بھائی اور چچا اور اپنے خاندان کے سترہ افراد کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب تم خود ہی بتاؤ میرا غم کیسے ختم ہو سکتا ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: دنیا میں سب سے زیادہ پانچ افراد روئے:

۱- آدم علیہ السلام ۲- یعقوب علیہ السلام ۳- یوسف علیہ السلام ۴- حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام ۵- حضرت امام زین العابدین علیہ السلام۔

حضرت آدمؑ فراقِ جنت میں اتنا روئے کہ آپ کے رخساروں پر نہریں سی بن گئی تھیں۔ یعقوب علیہ السلام فراقِ یوسفؑ میں اتنا روئے کہ ان کی نگاہ ختم ہوگئی تھی اور ان کے بیٹے ان سے کہا کرتے تھے کہ خدارا اب بس بھی کریں۔ مسلسل غم کی وجہ سے آپؑ بیمار ہوجائیں گے یا آپؑ ہلاک ہوجائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد کی جدائی میں اتنا روئے کہ اہلِ زندان تنگ آگئے تھے اور انھوں نے کہا: اگر آپؑ دن کو روئیں تو ہم رات کو آرام کریں اور اگر آپ رات کو روئیں تو ہم دن کو آرام کریں گے۔

حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اپنے والد ماجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم میں اتنا روئیں کہ اہلِ مدینہ تنگ آگئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے ان کے رونے کے لیے مدینہ سے باہر ایک ''بیت الحزن'' تعمیر کیا' جہاں آپؑ اپنے شاہزادوں کو لے جا کر والدِ ماجد کے غم میں روتی تھیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام واقعۂ کربلا کے بعد مسلسل بیس برس تک روتے رہے۔ آپؑ جب بھی پانی کو دیکھتے تو کربلا والوں کی پیاس کو یاد کر کے روتے تھے اور جب بھی آپؑ کے سامنے کھانا رکھا جاتا تو آپؑ کربلا والوں کی بھوک کو یاد کر کے رونے لگ جاتے تھے۔

کتاب احتجاج طبرسی میں مذکور ہے کہ شام سے ایک یہودی عالم حضرت علی علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے آپؑ سے بہت سے سوال کیے اور آپؑ نے اس کے سوالوں کے جواب دیئے۔ اس نے ایک سوال یہ کیا کہ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کی جدائی پر صبر کیا تھا۔ کیا آپؑ کے رسولؐ کی زندگی میں بھی صبر کی کوئی ایسی مثال دکھائی دیتی ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: حضرت یعقوب علیہ السلام نے فراقِ یوسفؑ پر صبر کیا تھا' مگر اس صبر کے باوجود انھوں نے اتنا گریہ کیا کہ ان کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں' جب کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جگر گوشہ ابراہیمؑ آپ کی زندگی میں فوت ہوا' آپؐ نے اس کی موت پر یہ جملے فرمائے تھے: نفس غم محسوس کر رہا ہے اور دل جزع کر رہا ہے۔ ابراہیم ہم تیری موت پر غمگین ہیں' لیکن ہم زبان سے ایسی بات نہیں نکالیں گے جو خدا کو ناراض کر دے۔

ہمارے نبیؐ نے اس عظیم مصیبت پر اللہ کی رضا کے تقاضوں کو مدنظر رکھا تھا۔

مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''محزون'' اور ہے اور ''متفکر'' اور ہے' کیونکہ تفکر میں تکلف اور تصنع کی ملاوٹ ہوتی ہے' جب کہ ''حزن'' فطری جذبہ ہے۔ حزن کا آغاز باطن سے ہوتا ہے اور فکر و پریشانی کی ابتداء حوادث کو دیکھنے سے ہوتی ہے اور ان دونوں کیفیتوں میں بڑا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

قصہ یعقوبؑ میں فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا: اِنَّمَا أَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللّٰهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: "میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت خدا کے ہاں کرتا ہوں اور خدا کی طرف سے میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔

"حزن" کے جھیلنے کی وجہ سے خدا نے انھیں اس علم سے مخصوص کیا جسے باقی لوگ نہیں جانتے تھے۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو کسی ضرورت کے تحت اس وقت کے بادشاہ کے پاس جانا پڑا۔ بادشاہ نے ان سے کہا: کیا تم ابراہیم ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں، میں ابراہیم نہیں ہوں۔ بادشاہ نے کہا: تو کیا تم اسحاق بن ابراہیم ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں میں اسحاق بھی نہیں ہوں۔ بادشاہ نے کہا: تمھاری شکل تو مذکورہ بزرگوں سے ملتی ہے تو تم کون ہو؟

آپؑ نے فرمایا: میں یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ ہوں۔ بادشاہ نے کہا: اس کم سنی میں آپؑ بوڑھے کیوں ہوگئے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: یوسفؑ کی جدائی کے صدمہ نے مجھے وقت سے پہلے بوڑھا کردیا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاءؑ پر نازل ہوتی ہیں۔ پھر ان پر آزمائشیں زیادہ آتی ہیں جو انبیاءؑ کے مشابہ ہوتے ہیں۔ پھر ان پر آزمائشیں اترتی ہیں جو انبیاءؑ کے مشابہ افراد کے مشابہ ہوتے ہیں۔ پھر آپؑ نے بادشاہ سے اپنی حاجت بیان کی۔ اس نے آپؑ کی حاجت پوری کی۔ جب آپؑ بادشاہ کے دربار سے باہر آئے تو جبریل امینؑ آپؑ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ خدا تم سے کہہ رہا ہے کہ تم نے لوگوں کے سامنے میری شکایت کی ہے؟

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ سن کر اپنا چہرہ خاک پر رکھ دیا اور عرض کیا: پروردگار! مجھ سے لغزش ہوگئی ہے میں آئندہ محتاط رہوں گا۔ اس کے بعد دوبارہ جبریل امینؑ آپؑ کے پاس آئے اور کہا: یعقوبؑ! خاک سے سر اٹھاؤ، تمھارا رب تمھیں سلام کہتا ہے اور کہہ رہا ہے میں نے تجھے معاف کیا آئندہ اس کا اعادہ نہ کرنا۔

اس واقعہ کے بعد آپؑ نے کسی سے اپنے غم کی شکایت نہیں کی تھی اور آپؑ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے غم و اندوہ کی شکایت خدا کے پاس کرتا ہوں اور خدا کی طرف سے میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ قول منقول ہے: "جو اپنی مصیبت کا لوگوں کے سامنے شکوہ کرتا ہے وہ دراصل اپنے رب کا شکوہ کرتا ہے"۔

مجمع البیان میں مستدرک حاکم کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حضرت جبریل امینؑ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور کہہ رہا ہے تجھے بشارت ہو اور دل میں خوشی محسوس کرو؛ اگر بالفرض تیرے دونوں بیٹے مر بھی چکے ہوتے تو بھی میں تمہاری خاطر انھیں دوبارہ زندہ کر دیتا۔ کھانا پکوا کر مساکین کو کھلاؤ۔ مجھے اپنی مخلوق میں مساکین سے بہت زیادہ پیار ہے۔ اور کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے تمھاری نگاہ کیوں ختم کی اور میں نے تمھاری کمر کو خمیدہ کیوں کیا؟

سنو! اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے ایک بکری ذبح کی تھی۔ اس دن تمھارے پاس ایک روزہ دار مسکین آدمی آیا تھا تم نے اسے افطار نہیں کرایا تھا۔ اس کے بعد حضرت یعقوبؑ کا معمول بن گیا تھا کہ جب آپؑ دوپہر کا کھانا کھانے کا ارادہ کرتے تو آپؑ کی طرف سے ایک منادی ندا کرتا تھا کہ جس نے دوپہر کا کھانا کھانا ہو تو وہ یعقوبؑ کے پاس بیٹھ کر کھانا کھا لے اور جب آپؑ روزہ سے ہوتے تو آپؑ کی طرف سے منادی یہ ندا کرتا کہ جس نے آج کا روزہ افطار کرنا ہو وہ یعقوبؑ کے ساتھ روزہ افطار کرے۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بن یامین کو مصر میں اپنے پاس روک لیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بارگاہِ احدیت میں عرض کیا: خدایا! کیا تو مجھ پر رحم نہیں کرے گا۔ میری بینائی ختم ہوگئی۔ اب میرا دوسرا بیٹا بھی مجھ سے جدا ہوگیا؟

آوازِ قدرت آئی: اگر تیرے بیٹے مر بھی گئے ہوتے تو بھی میں انھیں تیرے لیے زندہ کر دیتا اور تمھاری ان سے ملاقات کراتا۔ کیا تجھے وہ موقع یاد ہے جب تم نے بکری ذبح کرائی تھی اور تم نے جی بھر کر کھانا کھایا تھا تمھارے پہلو میں فلاں فلاں انسان بھوکے تھے تم نے ان کی خبرگیری نہیں کی تھی۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: یعقوب علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا کہ یہ بتاؤ تم ہر روح کو علیحدہ علیحدہ قبض کرتے ہو یا اجتماعی طور پر ارواح قبض کرتے ہو؟

ملک الموت نے کہا: میں ہر روح کو علیحدہ علیحدہ قبض کرتا ہوں۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا: تو کیا تم نے میرے فرزند یوسفؑ کی روح قبض کی ہے؟ ملک الموت نے کہا: ابھی تک میں نے یوسفؑ کی روح قبض نہیں کی۔ یہ سننے کے بعد آپؑ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میرے بیٹو! جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

کتاب علل الشرائع اور روضہ کافی اور عیاشی میں بھی یہ روایت الفاظ کے اختلاف سے مروی ہے۔

کتاب الخرائج والجرائح میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: قحط سالی کے ابتدائی

نام میں ایک اعرابی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے غلہ خرید کیا تھا۔ اتفاق سے اس کا گھر کنعان سے کچھ آگے تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا: جب تم فلاں وادی سے گزرو تو وہاں یعقوبؑ کے نام کی صدا دینا۔ اس آواز کو سن کر ایک خوب صورت بزرگ تیرے پاس آئیں گے ان سے کہنا کہ مصر میں مجھے ایک شخص ملا تھا جو آپؑ کو سلام کہتا تھا اور وہ کہتا تھا کہ آپ کی امانت خدا کے ہاں بالکل محفوظ ہے۔ خدا اسے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

جب اعرابی نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ پیغام پہنچایا تو آپؑ بے ہوش ہوگئے۔ جب کچھ دیر بعد ہوش میں آئے تو آپؑ نے اس سے فرمایا: تمھاری کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔ میں خدا سے تمھاری حاجت پوری کراؤں گا۔

اعرابی نے کہا: میری شادی میری چچازاد سے ہوئی ہے، لیکن ہم اولاد سے محروم ہیں۔ آپؑ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ اعرابی کی بیوی نے چار بار بچے جنے اور ہر جنم میں جڑواں بچے پیدا ہوئے۔

رحمتِ خدا سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں

إِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

''اللہ کی رحمت سے کافر لوگ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں''۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں: ''کامل فقیہہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور خدا کی مہربانی سے انھیں مایوس نہ کرے اور انھیں خدا کے عذاب سے بے خوف نہ کرے''۔

من لایحضرہ الفقیہہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی ایک تفصیلی حدیث مرقوم ہے جس میں آپؑ نے گناہانِ کبیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ شرک ہے، کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ مشرک کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے بعد خدا کی رحمت سے مایوس ہونا گناہِ کبیرہ ہے، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: اللہ کی رحمت سے کافر لوگ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کا خط

مجمع البیان، امالی شیخ الطائفہ اور تفسیر عیاشی میں مرقوم ایک روایت کا ماحصل یہ ہے: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ پر آزمائشوں کا بادل خوب کھل کر برسا اور یوسفؑ کے بعد بن یامین بھی ان سے جدا ہوگیا اور گھر میں غلہ ختم ہوگیا۔ ان صدمات کی وجہ سے آپؑ کی بینائی ختم ہوگئی اور کمر خمیدہ ہوگئی۔ آپؑ نے گھر میں موجود اون کی

کچھ مقدار بیٹوں کے حوالے کی اور ان سے فرمایا: تم جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا کیونکہ اللہ کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔

پھر آپؑ نے عزیزِ مصر کے نام ایک خط تحریر کیا اور آپؑ نے اپنی اولاد سے کہا کہ جب مصر پہنچو تو میرا یہ خط عزیزِ مصر کے حوالے کرو اور اس کے بعد غلہ کی فراہمی کا ذکر کرو۔ اس خط میں آپؑ نے یہ تحریر کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - عزیزِ مصر' مظہرِ عدل اور بھرپور غلہ دینے والی شخصیت کے نام یہ خط یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کی جانب سے ہے۔ ہمارا دادا خلیل تھے جن کے جلانے کے لیے نمرود نے لکڑیاں جمع کی تھیں اور انھیں آگ میں ڈالا تھا' مگر اللہ نے نمرود کی جلائی ہوئی آگ کو ٹھنڈک اور سلامتی میں تبدیل کر دیا تھا۔

اے عزیزِ مصر! میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ خدا کی طرف سے ہمارے خاندان پر بڑی بڑی آزمائشیں نازل ہوتی رہی ہیں۔ اللہ ہمیں دکھ سکھ دے کر آزماتا رہا ہے اور اس وقت میں عرصہ بیس سال سے مصائب و آلام کا نشانہ بنا ہوا ہوں۔ میرا ایک بیٹا تھا جس کا نام یوسفؑ تھا۔ وہ میرے دل کا سرور اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرے دل کا ثمر تھا۔ اس کے بھائیوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے سیر و تفریح کے لیے ان کے ساتھ بھیجوں۔ میں نے ان کا کہنا مان کر یوسفؑ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ شام کے وقت وہ روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے اسے بھیڑیا کھا گیا۔ انھوں نے ایک خون آلود قمیص بھی میرے سامنے پیش کی اور کہا کہ یہ یوسفؑ کی قمیص ہے۔

یوسفؑ کی گمشدگی کی وجہ سے مجھ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور میں فراقِ یوسفؑ میں اتنا رویا کہ میری آنکھیں سفید ہوگئیں۔ یوسفؑ کے بعد اس کا بھائی ہی میرا کل سرمایہ تھا۔ میں اس سے پیار کرتا تھا اور جب بھی مجھے یوسفؑ کی یاد ستاتی تو میں اسے گلے لگاتا تھا جس سے مجھے ایک گونہ سکون نصیب ہوتا تھا۔

اے عزیزِ مصر! میرے بیٹے آپ سے غلہ لے کر آئے تو آپ نے ان سے کہا کہ اگلی بار اگر تم اپنے اس بھائی کو لے کر میرے پاس نہ آئے تو تمھیں غلہ نہیں دیا جائے گا۔ میں نے تمھاری خواہش کا احترام کیا اور اسے آپ کے پاس بھیجا' لیکن جب میرے بیٹے آپ کے ہاں سے واپس آئے تو وہ ان کے ساتھ نہیں تھا اور میرے بیٹوں نے مجھ سے کہا کہ اس نے آپ کا پیالہ چوری کیا تھا جس کی پاداش میں آپ نے اسے اپنے ہاں روک لیا ہے۔

اے عزیزِ مصر! میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا خاندان چوری نہیں کیا کرتا' مگر اس کے باوجود آپ نے اسے روک کر مجھے غمگین کیا ہے۔ اس بیٹے کی جدائی سے میرے غموں میں اضافہ ہوا ہے اور میری کمر جھک گئی ہے اور پہلے سے

موجودہ مصائب میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ آپ بنیامین کو رہا کر کے مجھ پر احسان کریں اور ہمیں غلہ عنایت فرمائیں اور فراخی میں رعایت فرمائیں اور آلِ یعقوبؑ کے لیے آسانی پیدا فرمائیں۔

فرزندانِ یعقوب آپؑ کا خط لے کے گھر سے روانہ ہوئے تو حضرت جبریلؑ حضرت یعقوبؑ پر نازل ہوئے اور ان سے کہا کہ آپ کا خدا آپ سے کہہ رہا ہے کہ جن مصائب کا تم نے عزیزِ مصر کے خط میں اظہار کیا ہے ان مصائب میں تجھے کس نے مبتلا کیا ہے؟ اور کیا تو ان مصائب کا شکوہ مجھ سے نہیں کر سکتا تھا اور مجھے چھوڑ کر تو نے ایک بندے سے مدد طلب کیوں کی؟

حضرت یعقوبؑ نے عرض کیا: خدایا! میں استغفار کرتا ہوں اور میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور اپنے تمام دکھ درد کا شکوہ تیرے ہی حضور پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: میں نے ادب سکھانے کے لیے جو سزا تجھے اور تیری اولاد کو دی تھی اب وہ مدت اختتام کو پہنچی۔ اگر تو ابتداء ہی سے میری بارگاہ میں رجوع کرتا تو میں اپنی تقدیر کو تجھ سے پھیر دیتا۔ اصل بات یہ ہے کہ شیطان نے تجھ سے میرا ذکر فراموش کرا دیا تھا اور تو میری رحمت سے مایوس ہوگیا تھا جب کہ میں کریم اور بخشنے والا ہوں۔ مجھے اپنے استغفار کرنے والے بندے بڑے پسند ہیں۔ اور میں ان لوگوں سے محبت کرتا ہوں جو توبہ کر کے میری بارگاہ میں رجوع کریں۔ اب میں یوسفؑ اور اس کے بھائی سے تیری ملاقات کراؤں گا اور تیری صحت کے نقصان کی تلافی کروں گا اور تیری بینائی تجھے واپس کردوں گا اور تیرا مالی نقصان پورا کروں گا اور تیری خمیدہ کمر کو سیدھا کروں گا اور تیری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کروں گا۔

فرزندانِ یعقوبؑ آپؑ کا خط لے کر مصر پہنچے اور یوسفؑ کے دربار میں حاضر ہوئے اور یوسفؑ سے کہا: اے عزیزِ مصر! ہم اپنے والد کا آپ کے نام خط لائے ہیں آپ اس خط کو پڑھیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ خط لیا اور اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا اور آپؑ بے تحاشا روئے یہاں تک کہ آپؑ کی چیخیں نکل گئیں اور آپؑ کی قمیص آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اس کے بعد فرزندانِ یعقوبؑ نے آپؑ سے کہا: اے عزیزِ مصر! ہم تھوڑی سی رقم اپنے ساتھ لائے ہیں آپؑ ہمیں بھرپور غلہ دیں اور ہمارے بھائی کو رہا کر کے ہم پر خیرات کریں۔ یقیناً اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

والد کا دردانگیز خط پڑھ کر اور بھائیوں کا التجائیہ لہجہ سن کر یوسفؑ سے رہا نہ گیا اور ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ آپؑ

نے ان سے کہا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم نے نادانی میں یوسفؑ اور اس کے بھائی سے کیا سلوک کیا تھا؟ فرزندانِ یعقوبؑ کی اس وقت آنکھیں کھل گئیں۔ انھوں نے تعجب کے لہجہ میں کہا: کیا تو ہی یوسف ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: جی ہاں، میں ہی یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ یقیناً جو کوئی صبر کرے اور تقویٰ کی روش اپنائے تو اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

برادرانِ یوسفؑ نے کہا: خدا کی قسم! اللہ نے آپؑ کو ہم پر فضیلت دی ہے ہم یقیناً خطا کار تھے۔

حضرت یوسفؑ نے دریا دلی کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ ''آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ خدا تمھاری خطائیں معاف کرے اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے''۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ قائم آلِ محمدؑ میں بھی حضرت یوسفؑ جیسی ایک خاصیت ہوگی۔ یوسفؑ کے بھائی اسے اس وقت نہ پہچان سکے تھے جب تک اس نے خود نہیں چاہا تھا اور جب ان کے مزاج میں یہ بات آئی کہ بھائی اسے پہچانیں تو اس وقت انھوں نے پہچان لیا تھا۔ اسی طرح سے لوگ قائم آلِ محمدؑ کو ان کے زمانۂ غیبت میں دیکھیں گے، لیکن وہ انھیں پہچان نہیں سکیں گے اور جب حضرتؑ ظہور فرمائیں گے تو اس وقت انھیں لوگ پہچان لیں گے۔

گناہ کے وقت عالم بھی جاہل ہوتا ہے

مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی منقول ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے اگرچہ وہ عالم بھی کیوں نہ ہو، گناہ کے وقت وہ جاہل ہوتا ہے۔ کیا تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فرمان نہیں سنا جو انھوں نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: هَلْ عَلِمْتُم مَّا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ ۝ برادرانِ یوسف اگرچہ عالم تھے مگر حضرتؑ نے انھیں جاہل کہا تھا اور اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ گناہ کرتے وقت عالم بھی جاہل بن جاتا ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اولادِ فاطمہؑ میں سے ہر شخص مرنے سے پہلے امامِ زمانہؑ کا اقرار کر کے ہی مرے گا جیسا کہ برادرانِ یوسفؑ کافی عرصہ تک گناہوں کی دلدل میں پھنسے رہے، لیکن آخرکار انھوں نے یوسفؑ کی فضیلت کا اقرار کیا تھا اور کہا تھا: تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا ''خدا کی قسم! خدا نے آپؑ

وضاحت بخشی ہے"۔

کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آپؐ نے کعبہ کا دروازہ کھولا۔ کعبہ میں بت تھے آپؐ نے وہ تڑوائے اور تصویریں تھیں جنہیں آپؐ نے صاف کرایا اور بیت اللہ کے دروازے کو پکڑ کر آپؐ نے فرمایا:

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ "اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اس نے تن تنہا تمام گروہوں کو شکست دی"۔

اس وقت مکہ کے تمام ظالم افراد سر جھکائے اپنی سرنوشت کے انتظار میں کھڑے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خون کے پیاسوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: بولو تم کیا کہنا چاہتے ہو اور تم کیا گمان کرتے ہو؟

انھوں نے کہا: ہم آپؐ سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں آپؐ کریم ابن کریم ہیں۔ اس وقت رحمۃ للعالمینؐ نے فرمایا: آج میں تم سے وہی جملے کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے خطا کار بھائیوں سے کہے تھے:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ۚ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ ۫ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ○ اذھبوا فانتم الطلقاء

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے خدا تمھیں معاف کرے اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ جاؤ آج تم ہمارے آزاد کردہ ہو"۔

دعائے یعقوبؑ مستجاب ہوئی

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے، جس میں آپؑ نے پہلے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے خط کا مضمون بیان کیا، پھر فرمایا: جب آپؑ کے فرزند روانہ ہوئے تو اس وقت حضرت یعقوبؑ نے آسمان کی جانب ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ احدیت میں یہ درخواست کی:

یا حسن الصحبۃ یا کریم المعونۃ ویا خیرا کلہ ایتنی بروح منک وفرج من عندک

"اے اچھے مصاحب! اے باعزت مدد کرنے والے! اے خیر مطلق ذات! اپنی طرف سے مجھے خوشی عطا کر اور غموں سے نجات عطا فرما"۔

اس وقت جبریل امینؑ آپؑ پر نازل ہوئے اور انھوں نے آپؑ سے کہا: کیا میں آپؑ کو ایسی دعا تعلیم نہ دوں جس کی برکت سے تمھاری کھوئی ہوئی بینائی واپس مل جائے اور تیرے بچھڑے ہوئے بیٹے تجھ سے مل جائیں؟

یعقوب علیہ السلام نے کہا: کیوں نہیں۔ حضرت جبریل امینؑ نے انھیں یہ دعا تعلیم فرمائی:

یا من لا یعلم احد کیف ھو وحیث ھو وقدرتہ الا ھو یامن سد الھواء بالسماء ویامن کبس الارض علی الماء واختار لنفسہ احسن الاسماء ایتنی بروح منک وفرج من عندک۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس دعا کو پڑھا تو چند ہی دنوں میں انھیں خوش خبری ملی اور یوسفؑ کا قمیص ان کے پاس لایا گیا جس سے ان کی کھوئی ہوئی بینائی واپس ہوئی اور خدا نے انھیں بچھڑے ہوئے بیٹے ملا دیئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب بھائیوں کو اپنا تعارف کرا چکے تو آپؑ نے ان سے فرمایا: تم میری آنسوؤں سے بھری ہوئی یہ قمیص لے جاؤ اور اسے جا کر میرے والد کے چہرے پر ڈالو۔ ان کی کھوئی ہوئی بینائی لوٹ آئے گی اور تم تمام افرادِ خاندان کو یہاں میرے پاس لے آؤ۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کے پاس اپنی دستار وعبا نہیں بھیجی تھی۔ آپ نے اپنی قمیص بھیجی شاید اس میں ان کی حکمت یہ تھی کہ جب بھائیوں نے ان پر ظلم کیا تھا تو وہ بھی ان کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر والد کے پاس لے گئے تھے۔ اس قمیص سے ان کے والد کو اذیت پہنچی تھی۔ اسی لیے آپؑ نے اپنے والد کو خوشی فراہم کرنے کے لیے عبا و دستار کی بجائے قمیص ہی روانہ کی تھی۔

حضرت یوسفؑ کے قصہ میں قمیص کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بھائیوں نے آپؑ کی قمیص اُتروا کر والد کے سامنے پیش کی تھی۔ پھر کچھ عرصہ بعد ملکۂ مصر کے ہاتھوں سے آپؑ کی قمیص پھٹی تھی جو آپؑ کی بے گناہی کی سند بن گئی تھی۔ آپؑ نے اپنی قمیص اُتار کر والد کے پاس بھیجی جس سے ان کی کھوئی ہوئی بصارت لوٹ آئی تھی۔ (اضافۃ من المترجم)

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے اپنے صحابی مفضل بن عمر سے فرمایا: مفضل! جانتے ہو قمیصِ یوسفؑ کا قصہ کیا تھا؟

اس نے عرض کیا: مولاؑ! آپؑ ہی بتائیں۔ آپؑ نے فرمایا:

جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا تو اس وقت حضرت جبریلؑ جنت سے یہ قمیص لے کر

آئے تھے اور انھوں نے وہ قمیص حضرت ابراہیم کو پہنائی تھی جس کی وجہ سے آگ ٹھنڈک اور سلامتی میں بدل گئی تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپؑ نے اس قمیص کو سمیٹ کر ایک تعویذ کی طرح سے بنایا اور اسے اسحاق کے گلے میں باندھ دیا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے اسے تعویذ بنا کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے گلے میں باندھا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسے تعویذ بنا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے بازو میں باندھا تھا۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو اپنا تعارف کرا چکے تو آپؑ نے اپنے بازو سے اس قمیص کو کھولا اور فرمایا: تم میری یہ قمیص والد ماجد کے پاس لے جاؤ اور جا کر ان کے چہرے پر ڈال دو۔ ان کی کھوئی ہوئی بصارت واپس آجائے گی۔ بیٹے وہ قمیص لے کر روانہ ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ "اگر تم مجھے سٹھایا ہوا نہ کہو تو میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں"۔ چنانچہ یہ وہی قمیص تھی جسے جبریلؑ جنت سے لائے تھے۔

مفضل (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: اس کے بعد وہ قمیص کہاں گئی؟

آپؑ نے فرمایا: وہ قمیص اس کے اہلِ افراد کے ہاتھوں میں رہی اور جب قائم آلِ محمد علیہ السلام ظہور کریں گے تو وہ قمیص ان کے پاس ہوگی۔ انبیائے کرامؑ نے جو بھی علم اور جتنے بھی تبرکات چھوڑے ہیں وہ آخر میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کے پاس جمع ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ قافلہ مصر سے چلا۔ حضرت یعقوبؑ اس وقت فلسطین میں تھے۔ آپؑ نے اس کی خوشبو کو محسوس کر لیا تھا۔ یہ قمیص جنت سے لائی گئی تھی اور ہم اس کے وارث ہیں۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ مصر اور فلسطین میں دس راتوں کی مسافت تھی، مگر یعقوب علیہ السلام نے اس کی خوشبو کو محسوس کر لیا تھا۔ یہ روایت اختلافِ الفاظ کے ساتھ علل الشرائع میں بھی مذکور ہے۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں مرقوم ہے کہ جب قائم آلِ محمدؐ ظہور فرمائیں گے تو آپؑ کے پاس یوسفؑ کی قمیص، موسیٰؑ کا عصا اور سلیمانؑ کی انگشتری ہوگی۔

تفسیر عیاشی میں نشیط بن صالح العجلی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: کیا فرزندانِ یعقوبؑ نبی تھے؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا تو کیا وہ خدا کے صالح بندے تھے؟

آپؑ نے کہا: جو باپ کو اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (تو تو اپنی پرانی گمراہی میں پڑا ہوا ہے) کہتے ہوں وہ صالح بندے کیسے ہو سکتے ہیں؟

سلیمان بن عبداللہ طلحی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: کیا اولادِ یعقوبؑ حالت ایمان میں دنیا سے رخصت ہوئی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ میں نے کہا: آپ آدمؑ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: ان کا ذکر جانے دو ... جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اولادِ یعقوبؑ اتنا بڑا جرم کر کے نبی کیسے ہو سکتی ہے؟

الغرض قمیص یوسفؑ لائی گئی اور اسے حضرت یعقوبؑ کے چہرے پر ڈالا گیا تو آپؑ کی بینائی لوٹ آئی اور آپؑ نے اپنے بچوں سے کہا: کیا میں تم سے یہ نہ کہتا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ

اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ
بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا
یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ
الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ
وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا
وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ
وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ مَاۤ
اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ
اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ؑ وَ كَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ مَا
یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِیَهُمْ
غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا
یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِیْرَةٍ
اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۸﴾
وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ

الْقُرٰی ؕ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

''اور جب قافلہ روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا: اگر تم مجھے سٹھایا ہوا نہ کہو تو یقیناً میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ وہ کہنے لگے: خدا کی قسم، آپؑ تو اپنے پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب خوش خبری لانے والا آیا تو اس نے یوسفؑ کا قمیص ان کے چہرے پر ڈال دیا۔ اچانک اس کی بینائی لوٹ آئی۔ اس نے کہا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

انھوں نے کہا: ابا جان! آپؑ ہمارے گناہوں کے لیے خدا سے مغفرت طلب کریں، یقیناً ہم خطا کار تھے۔ یعقوبؑ نے کہا: میں عنقریب تمھارے لیے اپنے رب سے معافی کی درخواست کروں گا، بے شک وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

جب وہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا: اب شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ نے چاہا تو امن و چین سے رہو گے۔ (شہر میں داخل ہونے کے

بعد) اس نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ اس وقت یوسفؑ نے کہا: ابا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے رب نے اسے حقیقت بنا دیا۔ خدا نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے زندان سے رہائی بخشی اور آپ لوگوں کو دیہات سے نکال کر یہاں میرے پاس لے آیا۔ جب کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈالا تھا۔ میرا رب غیر محسوس طریقوں سے اپنی مشیت پوری کرتا ہے' بے شک وہ صاحب علم اور صاحب حکمت ہے۔

اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت عطا کی ہے اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دیا ہے۔ اے زمین و آسمان کے بنانے والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا سرپرست ہے۔ میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔

اس قصہ کا تعلق غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تم پر وحی کر رہے ہیں ورنہ تم اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب انھوں نے اتفاق کر کے سازش کی تھی۔ آپ خواہ کتنا ہی کیوں نہ چاہیں پھر بھی لوگوں کی اکثریت ایمان قبول نہیں کرے گی۔ تم ان سے ان باتوں کی اُجرت تو طلب نہیں کرتے یہ تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔ زمین اور آسمان میں کتنی ایسی آیات ہیں جن سے یہ لوگ توجہ دیئے بغیر گزرتے رہتے ہیں۔

ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے بھی ہیں تو بھی اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

کیا یہ اس بات سے مطمئن ہو چکے ہیں کہ عذابِ خدا کی کوئی بلا انھیں دبوچ نہ لے گی یا ان کی بے خبری کے عالم میں قیامت کی گھڑی ان پر نہ آ جائے گی؟

تم ان سے صاف کہہ دو یہ میرا راستہ ہے۔ میں خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں خود بھی بصیرت پر ہوں اور جن لوگوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی بصیرت پر ہیں اور اللہ پاک ہے اور میرا مشرکین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب انسان تھے اور وہ انھی بستیوں کے رہائشی تھے۔ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے رہے ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ہیں کہ وہ پہلی قوموں کا انجام دیکھتے۔ یقیناً تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے۔ کیا تمھیں عقل نہیں آتی؟

یہاں تک کہ جب انبیاءؑ لوگوں سے مایوس ہو گئے اور لوگوں نے بھی سمجھ لیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا تو ہماری مدد ان کے پاس پہنچ گئی جسے ہم چاہتے ہیں اسے بچا لیا جاتا ہے۔ مجرم لوگوں سے ہمارے عذاب کو ٹالا نہیں جا سکتا۔

عقل مندوں کے لیے ان کے واقعات میں عبرت کا سامان موجود ہے۔ قرآن میں جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آ چکی ہیں یہ انھی کی تصدیق ہے اور قرآن ہر چیز کی تفصیل اور اہلِ ایمان کے لیے سراپا ہدایت و رحمت ہے"۔

غموں کی تاریک شب کا خاتمہ

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

"جب خوش خبری لانے والا آیا تو اس نے یوسفؑ کا قمیص ان کے چہرے پر ڈالا جس سے وہ یکایک بینا ہو گئے۔ انھوں نے کہا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے خوش خبری لانے والا یہودا بن یعقوب تھا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالی تھی جس سے ان کی بینائی لوٹ آئی تھی۔

فرزندانِ یعقوبؑ کا اقرارِ جرم

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ

غَفُورُ الرَّحِیْمُ ⊙

"انھوں نے کہا: اباجان! آپؑ ہمارے گناہوں کے لیے استغفار کریں یقیناً ہم خطا کار تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں عنقریب تمھارے لیے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

کتاب علل الشرائع میں اسماعیل بن فضل ہاشمی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مولا! یوسفؑ اور یعقوبؑ کے طرزِ عمل میں فرق کیوں ہے؟ یوسفؑ کے بھائیوں نے ان کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کیا تو انھوں نے کہا کہ آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ جاؤ خدا تمھیں معاف کرے اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اور جب انھیں برادرانِ یوسفؑ نے اپنے والد سے درخواست کی کہ ہم خطا کار ہیں۔ آپؑ ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے خدا سے درخواست کریں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس وقت ان کے لیے دعائے مغفرت نہ کی اور فرمایا: میں عنقریب تمھارے لیے پروردگار سے تمھارے لیے مغفرت طلب کروں گا۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آخر باپ بیٹے کے طرزِ عمل میں یہ تفریق کیوں ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ جوان آدمی ایک بزرگ سے زیادہ رحم دل ہوتا ہے۔ برادرانِ یوسف نے یوسفؑ پر براہ راست زیادتی کی تھی اور حضرت یعقوبؑ پر بالواسطہ زیادتی کی تھی۔ حضرت یوسفؑ نے انھیں ان کی خطا معاف کردی تھی جب کہ یعقوب علیہ السلام نے معافی کو اس لیے مؤخر کیا تھا کہ زیادتی براہ راست کسی اور پر ہوئی تھی۔ آپؑ نے روز جمعہ بوقت سحر تک استغفار کو مؤخر کیا تھا۔

اصولِ کافی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: سحر کا وقت قبولیتِ دعا کے لیے بہترین ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی وقتِ سحر کے لیے دعا کو مؤخر کیا تھا۔

یہ روایت من لایحضرہ الفقیہ میں بھی منقول ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: یعقوب علیہ السلام نے خدا سے عرض کیا: پروردگارا! میرے بیٹوں کا گناہ میرے اور ان کے درمیان تک محدود تھا۔

خدا نے فرمایا: میں نے انھیں معاف کردیا۔

الغرض حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے پورے خاندان کو مصر کے لیے تیار کیا اور فلسطین چھوڑ کر مصر کی طرف روانہ ہوئے اور نو دن کے قلیل وقت میں مصر پہنچے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے والدین کے استقبال کی تیاریاں کیں۔ استقبالی جلوس لے کر شہر سے باہر تشریف لائے۔ یعقوب علیہ السلام اپنا خاندان لے کر شہر کے قریب پہنچے تو آپؑ یوسفؑ سے ملنے کے لیے سواری سے اُترے۔ یوسفؑ نے بھی اُترنے کا ارادہ کیا' مگر جب انھوں نے اپنے اقتدار کو دیکھا تو اُترنے کا ارادہ ترک کیا۔ باپ بیٹا آپس میں ملے۔ اس وقت جبریلؑ امین نازل ہوئے اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم سے کہہ رہا ہے کہ تم میرے عبدِ صالح کے لیے سواری سے کیوں نہ اُترے؟ اب اپنا ہاتھ دراز کرو۔ حضرت یوسفؑ نے ہاتھ دراز کیا تو انگلیوں میں سے ایک روشنی برآمد ہوئی۔ حضرت یوسفؑ نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ روشنی کیسی تھی؟

جبریل امینؑ نے کہا: یہ نورِ نبوت تھا جو تیرے ہاتھوں سے نکل گیا۔ تم نے یعقوبؑ کا شایانِ شان استقبال نہیں کیا لہٰذا اب تیری نسل میں کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ (نقلاً عن اصول الکافی وعلل الشرائع)

تفسیر عیاشی میں حسن بن اسباط سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ یعقوبؑ کتنے بیٹے لے کر یوسفؑ کے پاس آئے تھے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ گیارہ بیٹے لے کر آئے تھے۔ میں نے کہا: کیا انھی بیٹوں کو "اسباط" کہا جاتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ میں (راوی) نے پوچھا: کیا بن یامین اور یوسفؑ کی ماں ایک تھی یا جدا جدا تھیں؟

آپؑ نے فرمایا: بن یامین کی ماں یوسفؑ کی خالہ تھیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جب حضرت یعقوبؑ خاندان کے افراد کو لے کر مصر آئے تو حضرت یوسفؑ نے والد کو گلے لگایا اور گریہ کیا' انھیں اور اپنی خالہ کو تخت پر بٹھایا اور پھر خود اپنے گھر گئے وہاں جا کر آپؑ نے تیل لگایا' سرمہ کیا اور پھر شاہانہ لباس زیب تن کر کے واپس آئے۔ اس وقت حضرت یعقوبؑ اور ان کی زوجہ اور ان کے گیارہ فرزندوں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اور یوسفؑ کی تعظیم کرتے ہوئے سجدہ کیا۔

جب انھوں نے سجدہ سے سر اُٹھایا تو حضرت یوسفؑ نے کہا: ابا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جسے میں نے ایک عرصہ قبل دیکھا تھا۔ والد کی ملاقات سے قبل پورے بیس سال تک یوسفؑ نے نہ تو تیل لگایا تھا اور نہ ہی خوشبو لگائی تھی اور نہ ہی کبھی ہنسے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت میں

"عرش" سے تختِ حکومت مراد ہے اور حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد نے خدا کی عبادت کا سجدہ کیا تھا۔

تفسیر علی بن ابراہیم کی تین روایات میں مروی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزندوں نے حضرت یوسفؑ کے سامنے جو سجدہ کیا تھا اس سے اللہ کی اطاعت اور یوسفؑ کا سلام مقصود تھا۔ اسی طرح سے ملائکہ نے آدم علیہ السلام کے سامنے جو سجدہ کیا تھا اس سے بھی اللہ کی اطاعت اور آدمؑ کا سلام مقصود تھا۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزندوں نے سجدہ کیا تو اس سجدہ میں حضرت یوسف علیہ السلام خود بھی شامل تھے اور انھوں نے سجدہ میں یہ دعا پڑھی تھی:

رب قد اتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین ۔

اس وقت جبریل امینؑ آپؑ پر نازل ہوئے اور انھوں نے کہا: آپؑ اپنا ہاتھ پھیلائیں۔ جیسے ہی آپؑ نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو آپؑ کی انگلیوں سے روشنی برآمد ہوئی۔ آپؑ نے جبریلؑ سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ جبریلؑ نے کہا: یہ نورِ نبوت ہے جسے خدا نے تمھاری صُلب سے نکال لیا ہے، کیونکہ تم اپنے والد کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے۔ اب تیری نسل میں سے کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ اللہ نے تیری بجائے سلسلۂ نبوت تیرے بھائی لاوی بن یعقوبؑ کی صُلب میں رکھ دیا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: خدا کو لاوی کی دو ادائیں پسند آئی تھیں: جب برادرانِ یوسفؑ نے یوسفؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا تو اس وقت لاوی نے مداخلت کی تھی اور کہا تھا کہ اسے قتل نہ کرو اس کی بجائے اسے کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو۔ جب حضرت یوسفؑ نے بن یامین کو اپنے پاس روک لیا تھا تو لاوی نے ہی بھائیوں سے کہا تھا کہ تم ابا جان کے پاس چلے جاؤ۔ میں یہاں ہی رہوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے لاوی کی نسل میں سلسلۂ نبوت کو رکھ دیا اور بنی اسرائیل کے انبیاء اسی کی نسل سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔ آپؑ کا نسب نامہ یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن یہصر بن واھث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسفؑ سے فرمایا: بیٹا! جب تجھے تیرے بھائی میرے پاس سے لے گئے تھے تو انھوں نے تجھ سے کیا سلوک کیا تھا؟

حضرت یوسفؑ نے عرض کیا: ابا جان! اس ذکر کو نہ ہی چھیڑیں۔

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا: کچھ نہ کچھ تو بتاؤ۔ اس پر حضرت یوسفؑ نے کہا: ابا جان! بھائی مجھے کنوئیں کی منڈیر پر لائے اور انھوں نے مجھے قمیص اُتارنے کا حکم دیا۔ میں نے ان سے کہا: مجھے بے لباس نہ کرو۔ میرے بھائیوں نے چھری نکال کر مجھ سے کہا: قمیص اتارو ورنہ ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ آخرکار مجھے قمیص اتارنا پڑی اور بھائیوں نے مجھے کنوئیں میں دھکا دے دیا۔

حضرت یوسفؑ یہاں تک پہنچے تھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چیخ بلند ہوئی اور آپؑ بے ہوش ہو گئے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو حضرت یوسفؑ سے فرمایا: سلسلۂ کلام جاری رکھو۔

حضرت یوسفؑ نے عرض کیا: ابا جان! آپ کو ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے معبود کا واسطہ دیتا ہوں مجھ سے یہ داستان نہ سنیں۔ حضرت یعقوبؑ نے انھیں معاف کر دیا۔

مجمع البیان میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسفؑ سے جب بھی پوچھتے کہ تیرے بھائیوں نے تجھ سے کیا سلوک کیا تھا؟ اس کے جواب میں حضرت یوسفؑ کہتے تھے: ابا جان! یہ نہ پوچھیں کہ بھائیوں نے مجھ سے کیا سلوک کیا۔ اس کے بجائے یہ پوچھیں کہ خدا نے مجھ پر کتنا کرم کیا۔

کتاب احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ ایک شامی یہودی نے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے کہا: یوسفؑ کنوئیں میں رہے اور گناہ سے بچنے کے لیے انھوں نے زندان کی صعوبت جھیلی تھی۔ کیا تمھارے نبی کی زندگی میں بھی ایسی کوئی مثال موجود ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، اگر یوسفؑ چاہِ کنعان اور زندانِ مصر میں قید رہے تو ہمارے رسول شعبِ ابی طالبؑ میں پورے تین سال تک محصور رہے۔ اگر یوسفؑ چاہِ کنعان میں قید رہے تو ہمارے رسولؐ نے غارِ ثور میں تین دن تک قیام کیا تھا۔ اور اگر حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا تھا تو ہمارے رسولؐ نے بھی خواب دیکھا تھا کہ وہ اور ان کے ساتھی مسجد الحرام میں سر منڈائے یا تقصیر کرائے ہوئے داخل ہو رہے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کا خواب ان کی شاہی کی علامت بنا اور ہمارے رسولؐ کا خواب فتح مکہ کی علامت بنا۔

ایک خواب اور اس کی تعبیر

موسیٰ زوار العطار امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: مولاؑ! میں نے ایک ڈراؤنا

خواب دیکھا ہے جس سے میں پریشان ہو گیا ہوں۔ میں نے اپنے مُردہ داماد کو دیکھا کہ اس نے مجھے گلے لگایا ہے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میری موت کا وقت قریب آ چکا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: انسان کو ہر وقت موت کا انتظار کرتے رہنا چاہیے لیکن تمھارے خواب کی یہ تعبیر نہیں ہے۔ اگر خواب میں کوئی مُردہ کسی کو گلے ملے تو یہ طولِ عمر کی علامت ہوتی ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ تمھارے داماد کا نام کیا تھا؟ میں (راوی) نے کہا: اس کا نام حسین تھا۔ آپؑ نے فرمایا: جو بھی امام حسین علیہ السلام کے کسی ہم نام کو گلے لگائے تو اسے حضرتِ امام حسین علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔

مجمع البیان میں کتاب النبوۃ کے حوالے سے محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسفؑ کی ملاقات کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہے تھے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ دو سال زندہ رہے تھے۔ پھر میں نے پوچھا: اس وقت حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ میں سے حجتِ خدا کون تھے؟

آپؑ نے فرمایا: حضرت یعقوبؑ حجتِ خدا تھے اور اقتدار حضرت یوسفؑ کا تھا۔ جب حضرت یعقوبؑ کی وفات ہوئی تو حضرت یوسفؑ نے ان کی لاش کو تابوت میں رکھا اور ان کی لاش بیت المقدس میں دفن کرائی۔ حضرت یعقوبؑ کے بعد حضرت یوسفؑ حجتِ خدا کے منصب پر فائز ہوئے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: کیا حضرت یوسفؑ رسول نبی تھے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں! کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں پڑھی: وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ (الغافر:۳۴) "اس سے قبل یوسفؑ تمھارے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے"۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: حضرت یعقوبؑ کی نبوت سرزمینِ کنعان تک محدود تھی۔ پھر آپؑ کنعان سے مصر تشریف لائے اور وہاں آپؑ کی وفات ہوئی۔ آپؑ کے جسدِ خاکی کو بیت المقدس میں دفن کیا گیا۔

حضرت یوسفؑ کی زلیخا سے شادی

کتاب علل الشرائع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: زلیخا یوسفؑ سے ملنے کے لیے

آپؑ کے دروازے پر آئی اور اس نے اجازت طلب کی۔ کسی نے اس سے کہا: تو نے ان پر ظلم کیا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ تجھے سزا دیں اسی لیے بہتر ہے کہ ان سے ملاقات ہی نہ کرو۔

زلیخا نے کہا: ڈرنا اس سے چاہیے جو خدا سے نہ ڈرتا ہو۔ یوسفؑ تو خدا سے ڈرنے والا ہے' لہٰذا مجھے اس کا کوئی خوف نہیں ہے۔ الغرض زلیخا کو اجازت ملی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

زلیخا! یہ کیا ہوا' تمہارا تو رنگ تک بدل چکا ہے؟ زلیخا نے کہا: اس ذات کی حمد ہے جس نے نافرمانی کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام بنا دیا اور اطاعت کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہ بنا دیا۔

حضرت یوسفؑ نے کہا: تم نے مجھ سے یہ کیا سلوک کیا تھا؟ زلیخا نے کہا: میں آپؑ کی خوبصورتی سے مجبور ہوگئی تھی۔

حضرت یوسفؑ نے کہا: اگر تو آخری زمانہ میں مبعوث ہونے والے نبی کو دیکھ لیتی جس کا نام محمدؐ ہوگا جو مجھ سے زیادہ حسین و جمیل اور مجھ سے زیادہ سخی ہوگا تب نجانے تیری کیفیت کیا ہوتی؟ زلیخا نے کہا: آپؑ نے بالکل سچ کہا ہے۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: تجھے کیسے پتا چلا کہ میں نے سچ کہا ہے؟ زلیخا نے کہا: آپؑ نے جیسے ہی ان کا نام لیا تو ان کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؑ نے سچ کہا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو وحی کی کہ یہ سچ کہہ رہی ہے۔ اس نے میرے محمدؐ سے محبت کی ہے تو مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو اس سے شادی کرنے کا حکم دیا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں یہ واقعہ اس طرح سے منقول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام بادشاہ بنے تو اس وقت زلیخا پر زوال چھا چکا تھا۔ شوہر مر چکا تھا' خود بوڑھی ہوگئی تھی اور شاہراہوں پر لوگوں سے خیرات مانگ کر گزر اوقات کرتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت یوسفؑ شاہی جلوس سمیت آرہے تھے' زلیخا نے حضرتؑ کی آمد کا سنا تو وہاں سے جانے لگی۔ لوگوں نے کہا: کیوں جا رہی ہو؟

اس نے کہا: مجھے یوسفؑ سے حیا آتی ہے۔ لوگوں نے اصرار کر کے اسے وہاں سے نہ جانے دیا۔ اتنے میں حضرت یوسفؑ اپنے لاؤ لشکر سمیت وہاں سے گزرے تو زلیخا نے کہا: تمام حمد ہے اس ذات کے لیے جس نے نافرمانی کی وجہ سے شاہوں کو غلام بنا دیا اور جس نے اطاعت کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہی عطا کردی۔

حضرت یوسف علیہ السلام رک گئے اور فرمایا: تو وہی ہے ناں؟

اس نے کہا: جی ہاں' میں وہی ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: کیا اب بھی تیرے دل میں میرے پانے کی خواہش ہے؟

زلیخا نے کہا: آپؑ ایک بڑھیا سے مذاق کر کے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: نہیں، میں تم سے مذاق نہیں کر رہا۔ پھر حضرت یوسفؑ نے حکم دیا کہ اسے ان کے شاہی محل میں پہنچا دیا جائے۔ آپؑ نے زلیخا سے فرمایا: تمھیں یاد ہے تم نے مجھ سے کیا کیا سلوک کیے تھے؟

زلیخا نے کہا: یوسفؑ! مجھے ملامت مت کرو۔ میں چند مصیبتوں میں مبتلا ہوئی تھی جن میں اور کوئی مبتلا نہیں ہوا تھا۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: تم کس چیز میں مبتلا ہوئی تھیں؟ زلیخا نے کہا: میں آپؑ کی محبت میں مبتلا ہوئی تھی اللہ نے آپؑ جیسا کوئی حسین مرد پیدا ہی نہیں کیا ہے اور میرے لیے دوسری مصیبت یہ تھی کہ پورے مصر میں مجھ سے زیادہ حسین عورت اور کوئی نہیں تھی۔ میرے لیے تیسری مصیبت یہ تھی کہ میرا شوہر نامرد تھا۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: اب تم کیا چاہتی ہو؟ زلیخا نے کہا: آپؑ خدا سے دعا مانگیں مجھے میرا شباب لوٹا دے۔

حضرتؑ نے دعا کی تو اللہ نے اس کا شباب اسے لوٹا دیا۔ بعدازاں حضرت یوسفؑ نے اس سے شادی کی تو آپؑ نے اسے باکرہ پایا۔

اسی روایت کو الفاظ کے اختلاف کے ساتھ شیخ الطائفہ نے امالی میں نقل کیا ہے۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ چار انبیاءؑ کو خدا نے نبوت کے ساتھ سلطنت بھی عطا کی تھی۔ ان میں ایک حضرت یوسفؑ بھی تھے جنھیں خدا نے مصر اور اس کے گردونواح کی حکومت عطا کی تھی۔ آپؑ کی حکومت یمن کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھی۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک سو چالیس سال کی عمر پائی تھی اور حضرت یوسفؑ نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی تھی۔

مجمع البیان میں آپؑ کی عمر ایک سو دس سال مرقوم ہے اور لکھا ہے جب آپؑ زندان میں گئے تو آپؑ کی عمر بارہ برس کی تھی، آپؑ اٹھارہ برس تک زندان میں رہے اور زندان سے رہائی کے بعد اسّی (۸۰) سال تک زندہ رہے۔

جامع سوال

روضہ کافی اور من لایحضرہ الفقیہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول دو روایات کا ماحصل حسب ذیل

ہے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلانِ نبوت سے پہلے طائف تشریف لے گئے تھے اور وہاں ایک شخص کے مہمان ہوئے۔ اس نے بہترین مہمان نوازی کی۔ کچھ دنوں بعد آپؐ نے حکمِ خداوندی سے نبوت کا اعلان کیا اور تیرہ برس تک مکہ میں دین کی تبلیغ کی۔ پھر آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے' جہاں آپؐ نے اپنی سلطنت قائم کی۔

کسی نے طائف کے اس شخص سے کہا جس رسولؐ کی رسالت کا آج کل شہرہ ہے اس کے متعلق جانتے ہو کہ وہ کون ہے؟ اس نے کہا: نہیں' میں نہیں جانتا۔ لوگوں نے اسے یاد دلایا کہ یہ وہی انسان ہے جو کئی برس پہلے تیرے ہاں مہمان ٹھہرے تھے اور تو نے ان کی اچھی خاطر تواضع کی تھی۔ اگر تو ان کے پاس چلا جائے تو ہمیں یقین ہے وہ تیرا احترام کریں گے۔

وہ شخص طائف سے چلا اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے اسلام قبول کیا' پھر اس نے کہا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے مجھے پہچانا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: تم اپنا تعارف کراؤ۔

اس نے کہا: آپؐ کو یاد ہوگا کہ آپ اعلانِ نبوت سے قبل طائف آئے تھے اور آپؐ نے میرے ہاں قیام کیا تھا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: میں تمھیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ اگر کوئی حاجت ہو تو بے دریغ بیان کرو۔

اس شخص نے کہا: یارسولؐ اللہ! مجھے دو سو بکریاں عنایت کریں اور ان کے چرواہے بھی ساتھ دیں۔

رسولؐ خدا نے اسے چرواہوں سمیت دو سو بکریاں عنایت فرمائیں۔ اس کے جانے کے بعد آپؐ نے فرمایا: اسے تو جامع سوال کرنے کا طریقہ ہی معلوم نہیں تھا۔

لوگوں نے کہا: یارسولؐ اللہ! جامع سوال کیسا ہوتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: جب حضرت یوسفؑ کی وفات ہوئی تو ملکِ مصر کے ہر شہر کے لوگوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کی لاش ان کے حوالے کی جائے' تاکہ وہ اپنے شہر میں لے جا کر انھیں دفن کریں اور ان کے وجود سے برکت حاصل کریں۔ جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو آخر میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آپ کی لاش کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں دفن کر دیا جائے تاکہ دریا کا پانی آپؑ کی قبر سے مس ہو کر پورے مصر کو سیراب کرے اور یوں پورا ملک آپؑ کی برکت سے استفادہ کر سکے۔

ادھر یوسف علیہ السلام نے آخری وقت میں یہ وصیت کی تھی کہ جب بنی اسرائیل مصر کو خیرباد کہیں تو ان کے جسدِ خاکی کو بھی یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ فلسطین میں لے جائیں۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کو دریا میں دفن کیا گیا اور ایک طویل عرصہ بعد حضرت موسیٰ مبعوث ہوئے اور اللہ نے انھیں حکم دیا کہ فرعون ڈوب چکا ہے' لہٰذا تم اپنی قوم کو ارضِ فلسطین میں

واپس لے جاؤ اور جب تک تم یوسفؑ کے جسدِ خاکی کو یہاں سے نہیں نکالو گے اس وقت تک چاند طلوع نہ ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ کیا اس وقت پورے مصر میں ایسا شخص موجود ہے جسے حضرت یوسفؑ کی قبر کا صحیح علم ہو؟

آپؑ کو بتایا گیا کہ ایک بڑھیا رہتی ہے جو چلنے پھرنے سے عاجز ہے اور وہ آنکھوں سے اندھی ہے اسے حضرت یوسفؑ کی قبر کے متعلق صحیح معلوم ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے کہنے پر لوگ اسے آپؑ کے پاس لے آئے۔ آپؑ نے اس سے فرمایا: کیا تمہیں قبرِ یوسفؑ کا علم ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، اس وقت صرف مجھے ہی ان کی قبر کا علم ہے۔ میرے علاوہ کسی دوسرے کو ان کی قبر کا علم نہیں ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: تو بھلا بتاؤ ان کی قبر کہاں ہے؟

عورت نے کہا: میں ایسے ہرگز نہیں بتاؤں گی، اس کے لیے آپؑ کو میری شرائط تسلیم کرنا ہوں گی۔

آپؑ نے فرمایا: تم اپنی شرائط بیان کرو۔

بڑھیا نے کہا: میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں دعا کریں میری ٹانگیں صحیح ہو جائیں اور میں چل پھر سکوں۔ میری دوسری شرط یہ ہے کہ میں آنکھوں سے نابینا ہوں خدا مجھے بینائی عطا فرمائے۔ میری تیسری شرط یہ ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ شباب عطا کرے اور میری چوتھی شرط یہ ہے کہ میں جنت میں بھی آپ کی رفیقہ بنوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے سوال گراں محسوس ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: اے موسیٰؑ! اسے سب کچھ ملنا تو میری جانب سے ہے تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔ الغرض حضرت موسیٰؑ نے اس کی پانچوں شرائط تسلیم کیں۔ اس کے بعد اس نے حضرت یوسفؑ کی قبر کی نشان دہی کی۔

جب اس جگہ کو کھودا گیا تو وہاں سے مرمر کی صندوق برآمد ہوئی۔ اس میں حضرت یوسفؑ کا جسدِ خاکی رکھا ہوا تھا۔ اس کے بعد چاند طلوع ہونے لگا۔ حضرت موسیٰؑ ان کا تابوت اپنے ساتھ لے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ کتاب اپنے مُردوں کو شام لے جا کر دفن کرتے ہیں۔

لوگ آیاتِ الٰہی سے بے توجہی کرتے ہیں

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

''آسمانوں اور زمین میں کتنی ایسی آیات ہیں جن سے یہ لوگ توجہ دیئے بغیر گزر تے رہتے ہیں''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ اس سے سورج گرہن' چاند گرہن' زلزلہ اور بجلی گرنے جیسی آسمانی نشانیاں مراد ہیں۔

ایمان کے باوجود بھی لوگ شرک کرتے ہیں

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

''ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے بھی ہیں تو بھی اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے اس آیت مجیدہ کے ضمن میں فرمایا: اس سے شرکِ اطاعت مراد ہے' شرکِ عبادت مراد نہیں ہے۔ جب لوگ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس وقت وہ عملی طور پر شیطان کی اطاعت کر رہے ہوتے ہیں' جب کہ اطاعت صرف خدا کی کرنی چاہیے۔ لوگ شیطان کی اطاعت کرکے شرک فی الاطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں' جب کہ وہ اس معنی میں شرک نہیں کرتے کہ خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت کرنے لگ جائیں۔

کتاب التوحید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے: اسمائے حسنیٰ خدا کے لیے مخصوص ہیں اور ان اسماء کا اطلاق غیر اللہ کے لیے درست نہیں ہے اور اسمائے حسنیٰ وہ اسماء ہیں جن کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور فرمایا ہے: فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۚ (اعراف:۱۸۰) ''اور اللہ کے لیے اچھے اچھے نام ہیں اس کو انھی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حقیقت سے انحراف کرتے ہیں''۔

جو شخص علم کے بغیر خدا کے ناموں میں حقیقت سے انحراف کرتا ہے تو وہ غیر دانستہ طور پر شرک کرتا ہے اور وہ اپنے گمان کے مطابق اچھا کر رہا ہوتا ہے' جب کہ وہ درحقیقت کفر میں مبتلا ہو رہا ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ نے فرمایا ہے: وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ ''ان کی اکثریت اگر اللہ پر ایمان لاتی بھی ہے تو بھی وہ دوسروں کو شریک بناتے ہیں''۔ چنانچہ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے اسماء میں علم کے بغیر انحراف کرتے ہیں اور اسے غیر مناسب مقامات پر رکھتے ہیں۔

اصولِ کافی میں آیت بالا کے تحت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب کوئی انسان شیطان کی اطاعت

کرتا ہے تو وہ غیردانستہ طور پر شرک کر رہا ہوتا ہے۔ ایک اور روایت میں آپؑ نے فرمایا: اس سے شرک اطاعت مراد ہے شرک عبادت مراد نہیں ہے۔

تفسیر عیاشی میں زرارہ سے منقول ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: جو شخص کسی سے یہ کہے مجھے تیری زندگی کی قسم ہے تو اس آیت کے ضمن میں وہ بھی شامل ہے۔

مالک بن عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۝ کا مفہوم دریافت کیا۔ جواب میں آپؑ نے فرمایا: اس سے وہ شخص مراد ہے جو کسی سے یہ کہے: ''اگر فلاں نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا'' یا ''اگر فلاں نہ ہوتا تو میں فلاں فلاں چیز حاصل کر لیتا'' یا ''فلاں نہ ہوتا تو میرا مال ضائع ہو جاتا''۔

کیا تم ان مثالوں میں نہیں دیکھتے کہ ایسی کلام کرنے والوں نے خدا کے شریک مقرر کیے ہیں جو انہیں رزق دے سکتے ہیں اور ان سے مصائب دُور کر سکتے ہیں۔

میں (راوی حدیث) نے عرض کیا: اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہے: ''اگر خدا فلاں شخص کے ذریعہ سے میری مدد نہ کراتا تو میں ہلاک ہو جاتا'' تو کیا اس طرح کے الفاظ کا کہنا صحیح ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں' اس طرح کے الفاظ میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

مجمع البیان میں آیتِ مذکور کے متعلق حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے تین مفاہیم منقول ہیں:

۱- اس سے مشرکینِ قریش مراد ہیں' جو خدا کے خالق اور محی و ممیت ہونے کا اقرار کرتے تھے' مگر بتوں کو معبود سمجھ کر اُن کی پوجا بھی کرتے تھے اور زبان سے کہتے تھے کہ اللہ ہمارا رب ہے اور ہمارا معبود ہمیں رزق عطا کرتا ہے۔

۲- یہ آیت مشرکینِ عرب کے متعلق نازل ہوئی' جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے اور بادلوں سے پانی کون برساتا ہے تو اس کے جواب میں وہ اللہ کا نام لیتے تھے' لیکن وہ اپنے اقرار پر قائم نہیں رہتے تھے اور وہ اپنے تلبیہ میں کہتے تھے: الا شریك ھو لك تملكه وما ملك ''تیرا بس ایک ہی شریک ہے جس کا تو مالک ہے اور وہ تیرا مالک نہیں ہے''۔

۳- اس سے مشرکین اہلِ کتاب مراد ہیں۔ وہ لوگ ظاہری طور پر اللہ' روزِ آخرت اور تورات و انجیل پر ایمان رکھتے تھے' لیکن قرآن کریم اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرتے تھے۔

میں اور میرے پیروکار بصیرت پر ہیں

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۸

"آپ کہہ دیں کہ یہ میرا راستہ ہے میں خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں خود بھی بصیرت پر ہوں اور جن لوگوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی بصیرت پر ہیں اور اللہ پاک ہے میں مشرکین میں سے نہیں ہوں"۔

اصولِ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ سے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام اور دوسرے اوصیاء مراد ہیں۔

علی بن حسان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے کہا: میرے آقاؑ! لوگ آپؑ کی کم سنی کی وجہ سے آپؑ پر اعتراض کرتے ہیں۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا: اس میں اعتراض اور تعجب کی کیا بات ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے نو برس کی عمر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی تھی اور اس وقت میری عمر بھی نو سال ہے۔ جب حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کی پیروی کی تو اللہ کو ان کی پیروی کا انداز اتنا پسند آیا کہ اللہ نے فرمایا: عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ "میں خود بھی بصیرت پر ہوں اور میری پیروی کرنے والا بھی بصیرت پر ہے"۔

روضۃ الواعظین میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ سے حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں۔

تہذیب الاحکام میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روزِ غدیر کی مخصوص نماز منقول ہے اور اس کے بعد ایک دعا بھی منقول ہے۔ اس دعا میں یہ الفاظ بھی ہیں: الداعی الیک علی بصیرۃ ومن اتبعه...... "تو نے رسول کو اپنی دعوت دینے والا بنا کر بھیجا، وہ خود بھی بصیرت پر تھے اور ان کی پیروی کرنے والے بھی بصیرت پر تھے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ سے حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں۔

سبحان اللہ کا مفہوم

اصول کافی میں ہشام بن الحکم سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''سبحان اللہ'' کا مفہوم پوچھا تو آپؑ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہر نقص وعیب سے پاک ہے۔

ہشام جوالیقی نے یہی مسئلہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: ''سبحان اللہ'' کے الفاظ سے خدا کی تنزیہہ مراد ہے۔

اللہ نے انسانوں کو ہی ہادی بنا کر بھیجا ہے

عیون الاخبار میں قصہ ہاروت و ماروت کے ضمن میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے مخاطب سے فرمایا: کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ نے اپنی زمین کو نبی اور امام سے خالی نہیں چھوڑا اور نبی اور امام کا تعلق انسانوں کی صنف سے ہی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ''ہم نے آپؐ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کے سب انسان تھے اور وہ انہی بستیوں کے رہائشی تھے''۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر ملائکہ کو کبھی امام اور حاکم بنا کر نہیں بھیجا۔ ملائکہ کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ خدا کا پیغام انبیاءؑ تک پہنچائیں۔

نصرتِ خدا کب نازل ہوتی ہے؟

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

''یہاں تک کہ جب انبیاء لوگوں سے مایوس ہو گئے اور لوگوں نے بھی سمجھ لیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا تو ہماری مدد ان کے پاس پہنچ گئی جسے ہم چاہتے ہیں اسے بچا لیا جاتا ہے اور مجرم لوگوں سے ہمارے عذاب کو ٹالا نہیں جا سکتا''۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ مامون الرشید نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: کیا آپؑ کے عقیدہ میں انبیاء معصوم نہیں ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، ہماری نظر میں انبیاء معصوم ہیں۔

مامون نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (انبیاء نے سمجھ لیا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا ہے) اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے وعدہ کو انبیاء جھوٹا سمجھنے لگے تھے۔ اس کے باوجود آپؑ انھیں معصوم کیسے کہہ سکتے ہیں؟

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے: ظَنُّوْا فعل کے فاعل انبیاء نہیں ہیں اس سے ان کی قومیں مراد ہیں۔ مقصدِ آیت یہ ہے کہ انبیاءؑ کی قومیں یہ گمان کرنے لگیں کہ انبیاء کی زبانی ان سے جھوٹ کہا گیا ہے تو اس وقت ہماری مدد نازل ہوئی۔

امام علیہ السلام کا یہ جواب سن کر مامون نے کہا: ابوالحسنؑ! خدا آپؑ کا بھلا کرے، آپؑ نے میری مشکل دُور کر دی۔

○○○

سُورَةُ الرَّعْدِ

سورة الرعد مكية غير لا يزال الذين كفروا ويقول
الذين كفروا فانهما نزلت بالمدينة وهى ثلاث
واربعون اية وست ركوعات

''سورہ رعد مکہ میں نازل ہوا مگر اس کی دو آیات لا یزال الذین کفروا
اور ویقول الذین کفروا...... مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اس کی
تینتالیس آیات ہیں اور ۶ رکوع ہیں''۔

سورہ الرعد

ثوابِ تلاوت

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص کثرت سے سورہ الرعد کی تلاوت کرے تو اس پر آسمانی بجلی کبھی نہیں گرے گی خواہ وہ ناصبی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی مومن اس کی بکثرت تلاوت کرے تو وہ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا اور اسے اس کے خاندان اور بھائیوں کے متعلق حقِ شفاعت دیا جائے گا۔

مجمع البیان میں ابی بن کعب سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی سورہ الرعد کی تلاوت کرے تو آج تک دنیا میں جتنے بھی بادل گزر چکے ہیں اور قیامت تک جتنے بھی بادل اُٹھیں گے اسے ان کی مقدار کے برابر ثواب دیا جائے گا اور قیامت کے دن عہدِ خداوندی کے تحت اسے امن نصیب ہوگا۔

سورہ الرعد کے مرکزی موضوعات

اس سورہ کے مرکزی موضوعات کچھ اس طرح سے ہیں: قرآن کی حقیقت، ہر چیز کا پیدا کرنے والا خدا ہے، قدرتِ خدا میں غور وفکر کرنے کا حکم، ہر قوم کا ایک ہادی ہوتا ہے، خدا ہر چیز کو جانتا ہے، فرشتے انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں، خدا بلاوجہ کسی سے نعمت سلب نہیں کرتا، ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے حتیٰ کہ گرج بھی خدا کی تسبیح کرتی ہے، حق و باطل کی مثال، مومنین کی صفت، کفار کی صفت، خدا کی یاد سے تسلی حاصل ہوتی ہے، خدا کے وعدے سچے ہیں، طوبیٰ کا ذکر، انبیائے سابقین کی متعدد بیویاں تھیں اور حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت۔

○○○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۚ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝٢ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۚ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝٣ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۗ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝٤ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ

وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۷﴾ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾ سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۗ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهُ

دَعْوَةُ الْحَقِّ ۗ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۗ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ قُلِ اللّٰهُ ۗ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۗ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۗ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۗ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ

جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۙ
وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾ أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو
الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾
وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ
وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ
رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً
وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنَّاتُ
عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ
وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا
صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ
بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي
الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو رحمٰن رحیم ہے

"ا-ل-م-ر- یہ آیاتِ کتاب ہیں۔ تمھارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل کیا

کیا ہے وہ مبنی حق ہے مگر لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔

اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر بلند کیا جو تم کو نظر آتے ہوں پھر وہ عرش اقتدار پر متمکن ہوا اور اس نے سورج اور چاند کو ایک قانون کا تابع بنایا۔ ان میں سے ہر ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے وہی اس امر کی تدبیر کر رہا ہے وہ آیات کو کھول کر بیان کر رہا ہے تاکہ تم کو یقین آ جائے۔

اور وہ وہی تو ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کی میخیں ثبت کیں اور دریا جاری کیے۔ اسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے مقرر کیے۔ وہ دن پر رات کو مسلط کر دیتا ہے۔ یقیناً ان باتوں میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

اور زمین میں بہت سے ٹکڑے ملے ہوئے ہیں۔ انگور کے باغ ہیں' کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں' جن میں سے کچھ کی ایک جڑ اور دو شاخیں ہیں اور بعض اکیلے ہیں' حالانکہ وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب کیے جاتے ہیں' لیکن ذائقہ میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کم تر۔ ان سب چیزوں میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل وشعور سے کام لیتے ہیں۔

اور اگر آپ کو تعجب کرنا ہے تو ان کی یہ بات واقعی لائق تعجب ہے کہ جب ہم مٹی میں مل کر مٹی بن جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ہے اور ان لوگوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہ لوگ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ لوگ تم سے بھلائی سے قبل برائی کے لیے جلدی مچا رہے ہیں' حالانکہ بہت سے لوگوں پر عذاب آ چکا ہے۔ یقیناً تیرا پروردگار لوگوں کی زیادتیوں کے باوجود بڑا بخشش والا ہے اور یقیناً تیرا رب سخت سزا دینے والا ہے۔

وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں اُتاری گئی؟ تم تو محض ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہے۔

اللہ ہر ایک حاملہ کے پیٹ سے واقف ہے جو کچھ اس میں بنتا ہے وہ اسے جانتا ہے اور جو کچھ اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور ہر چیز کے لیے اس کے پاس مقدار مقرر ہے۔ وہ ظاہر و باطن کے جاننے والا، بزرگی والا اور ہمیشہ بالا رہنے والا ہے۔

تم میں سے کوئی آہستہ بات کرے یا زور سے بات کرے اور کوئی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو، اس کے لیے سب یکساں ہیں۔ ہر شخص کے لیے اس کے آگے اور پیچھے اس کے نگران مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔

اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے اوصاف کو خود نہ بدل دیں اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت نازل کرنے کا فیصلہ کرلے تو اس کے ٹالنے والا کوئی نہیں ہوتا اور نہ ہی خدا کے سوا ان کا کوئی والی و وارث ہوتا ہے۔

وہی تو ہے جو تمھارے سامنے بجلیاں چمکاتا ہے جن سے تم خوف بھی محسوس کرتے ہو اور اُمیدیں بھی وابستہ کرتے ہو اور وہ تمھارے لیے پانی سے بوجھل بادل پیدا کرتا ہے۔

بادلوں کی گرج حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کی ہیبت سے لرزتے ہوئے اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ کڑکتی ہوئی بجلیوں کو بھیجتا ہے اور انھیں جس پر چاہتا ہے عین اس حالت میں گرا دیتا ہے، جب کہ وہ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت قوت والا ہے۔

اسی کو پکارنا برحق ہے۔ خدا کو چھوڑ کر لوگ جنھیں پکار رہے ہیں وہ ان کی دعاؤں کا کوئی

جواب نہیں دے سکتے۔ انھیں پکارنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلائے، تاکہ پانی اس کے منہ میں پہنچ جائے، جب کہ وہ پانی کسی طرح اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں ہے۔ کافروں کی دعائیں تو بس رائیگان ہی رائیگان ہیں۔

وہی تو خدا ہے جسے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خوشی یا مجبوری سے سجدہ کر رہی ہے اور اُن کے سائے صبح و شام خدا کے سامنے جھکتے ہیں۔ آپ کہیں کہ آسمانوں اور زمین کا رب، کون ہے؟ آپ کہہ دیں کہ وہ اللہ ہے۔ آپ کہہ دیں کہ پھر تم نے خدا کو چھوڑ کر ایسے کارساز کیوں بنائے ہوئے ہیں جو اپنے نفع و نقصان تک کے مالک نہیں ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ یا پھر تاریکیاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہے؟

کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح سے کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا مسئلہ مشتبہ ہو گیا؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ واحد اور سب پر غالب ہے۔

اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اسے اپنے ظرف کے مطابق لے کر چلا۔ پھر جب سیلاب اُٹھا تو سطح پر جھاگ آ گیا اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اُٹھتے ہیں جنھیں زیور اور برتن بنانے کے لیے لوگ پگھلایا کرتے ہیں۔ اسی مثال سے اللہ حق اور باطل کو واضح کرتا ہے۔ جھاگ اُڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نفع بخش ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے اور اللہ اسی طرح سے مثالیں بیان کرتا ہے۔

جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کی ہے ان کے لیے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا وہ اگر زمین کی تمام دولت کے بھی مالک بن جائیں اور اتنی دولت اور بھی فراہم کر لیں تو وہ خدا کی پکڑ سے بچنے کے لیے فدیہ میں دینے پر تیار ہو جائیں گے۔ ان لوگوں سے بری طرح حساب لیا جائے گا اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو کہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

بھلا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ عینِ حق ہے، کبھی وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو بالکل اندھا ہو۔ نصیحت تو دانش مند ہی قبول کیا کرتے ہیں۔

وہ جو اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کرتے ہیں اور وہ میثاق کو نہیں توڑتے اللہ نے جن روابط کو بحال رکھنے کا حکم دیا ہے وہ انھیں برقرار رکھتے ہیں: اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بُری طرح حساب لیے جانے سے خوف زدہ رہتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔ آخرت کا گھر انھی کے لیے مخصوص ہے۔

یعنی ایسے باغ جو ان کی ابدی قیام گاہ ہوں گے وہ خود ان میں داخل ہوں گے اور ان کے آباء و اجداد اور ان کی بیویوں اور اولاد میں سے جو بھی صالح ہوں وہ ان کے ساتھ وہاں جائیں گے، ملائکہ ہر دروازے سے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے۔ صبر کرنے والو! تم پر سلام ہو، آخرت کا گھر کتنا ہی اچھا ہے۔

اور وہ لوگ جو خدا سے پختہ عہد و پیمان کے بعد اس کے عہد کو توڑتے ہیں اور ان رابطوں کو کاٹتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بُرا ٹھکانا ہے۔

حروفِ مقطعات

کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: المّر کا مفہوم ہے انا اللہ المحیی الممیت الرزاق ''میں اللہ ہی حیات دینے والا، موت دینے والا اور رزق دینے والا ہوں''۔

تفسیر عیاشی میں ابی لبید سے منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ابی لبید! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے حروف مقطعات میں میرے لیے بہت زیادہ علم رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ (الم ذلك الکتب) کی آیت نازل کی۔ اس کے تحت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام کیا' یہاں تک کہ آپ کا نور ظاہر ہوا اور آپ کی بات قائم ہوئی جس دن آپ کی ولادت ہوئی تو اس وقت ساتویں الف میں سے ایک سوتین سال گزر چکے تھے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اس کی وضاحت کتابِ خدا کے حروفِ مقطعات میں موجود ہے۔ جب تم حروفِ مقطعات کو تکرار کے بغیر شمار کرو گے تو اس کے اختتام پر بنی ہاشم میں سے کوئی نہ کوئی کھڑا ہونے والا قیام کرے گا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: الف کا عدد ایک ہے' لام کے عدد تیس ہیں' میم کے عدد چالیس ہیں اور صاد کے عدد نوے ہیں' یہ کُل ملا کر ایک سو اکسٹھ بنتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کے قیام کی ابتداء بھی "الم" سے ہوئی۔ جب اس کی مدت پوری ہوئی تو "المص" کے تحت بنی عباس میں سے قیام کرنے والے نے قیام کیا۔ پھر جب "المر" کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوگیا تو ہمارا قائمؑ قیام کرے گا۔ ابی لبید! اسے اچھی طرح سے سمجھو اور یاد رکھو اور اسے چھپا کر رکھو۔

وضاحت: یہ حدیث "معضلات اخبار" میں سے ہے۔ ہم اس کا علم خدا و رسول اور ائمہ اہلِ بیتؑ کے سپرد کرتے ہیں۔ (من المترجم)

تفسیر علی بن ابراہیم میں حسین بن خالد سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ (الذاریات:۷) کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: خدا فرما رہا ہے مجھے آسمان کی قسم جس میں راستے ہیں۔ پھر آپؑ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر کے کہا کہ زمین و آسمان اس طرح سے متصل ہیں۔

میں (راوی) نے عرض کیا: مگر اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے: رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا "اس نے آسمان کو کسی ستون کے بغیر اٹھایا جو تمھیں دکھائی دیتے ہیں"۔ اس آیت میں تو اللہ نے ستونوں کی نفی کی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس آیت میں اللہ نے ستونوں کی نفی نہیں کی بلکہ تمھارے دیکھنے کی نفی کی ہے جب کہ آسمان غیر مرئی ستونوں پر قائم ہے۔

نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں امیرالمومنین علی علیہ السلام نے یہ کلمات ارشاد فرمائے: اس کی تخلیق کے شواہد میں کسی ستون اور سہارے کے بغیر مضبوط آسمان کی تخلیق شامل ہے"۔

نہج البلاغہ میں حضرتؑ سے یہ کلمات بھی منقول ہیں: نیچے والے آسمان کو رکی ہوئی موج کی طرح بنایا اور اُوپر والے آسمان کو محفوظ چھت اور بلند عمارت کی طرح بنایا۔ اس کے لیے نہ تو ستونوں کی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ کسی بندھن سے

جوڑنے کی۔

کتاب اہلیلجہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں: جب آنکھ نگاہ کرتی ہے تو اسے مختلف مخلوق دکھائی دیتی ہے جو ایک دوسرے سے متصل ہے۔ دل اس سے یہ استدلال کرتا ہے کہ اس مخلوق کا کوئی نہ کوئی خالق ہے' کیونکہ جب آنکھ آسمان کی بلندی اور بغیر کسی ستون کے اسے ہوا میں بلند دیکھتی ہے تو دل یہ استدلال کرتا ہے کہ آسمان ایک جگہ پر قائم ہیں۔ یہ آگے پیچھے نہیں ہو رہے' ورنہ ٹوٹ جاتے اور ان میں حرکت نہیں ہے ورنہ اپنے مقام سے ہٹ جاتے وہ نیچے نہیں ہوتے کہ قریب ہو جائیں اور بلند نہیں ہوتے کہ دکھائی نہ دیں۔

تفسیر عیاشی میں آلِ محمدؐ کے اہلِ علم وفقہ سے منقول ہے کہ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ کا یہ مقصد ہے کہ کڑوی زمین میٹھی زمین کے قریب ہے' لیکن ہر ایک کی تاثیر جدا جدا ہے' جس طرح سے لوگ ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں لیکن ہر ایک کی طبیعت اور فطرت جدا جدا ہوتی ہے۔

مجمع البیان میں حضرت جابر سے منقول ہے کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا' آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: لوگ مختلف اشجار سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ میں اور تو ایک ہی شجر سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ...... کی آیت تلاوت فرمائی۔

لفظ ''صنو'' کا اطلاق ان درختوں پر ہوتا ہے جن کی جڑ ایک ہو' اسی لیے لفظ ''صنو'' کے معنی مثال کے ہیں اور ''صنوان'' امثال کو کہا جاتا ہے اسی لیے رسولِ خدا نے فرمایا: عم الرجل صنوابیه ''چچا باپ کی شبیہ ہوتا ہے''۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں: تمھیں ان عذابوں سے ڈرنا چاہیے جو تم سے پہلی اُمتوں پر ان کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے نازل ہوئے اور اپنے اچھے اور بُرے حالات میں ان کے احوال و واردات کو پیش نظر رکھو اور اس امر سے خائف وترساں رہو کہ کہیں تم بھی انھی جیسے نہ بن جاؤ۔

اسی خطبہ میں آپؑ نے فرمایا: تمھیں لازم ہے کہ تم سے قبل سرکش اُمتوں پر جو قہر وعذاب اور عتاب وعقاب نازل ہوا' اس سے عبرت لو اور ان کے رخساروں کے بل لیٹنے اور پہلوؤں کے بل گرنے کے مقامات سے نصیحت حاصل کرو۔

کتاب التوحید میں ابراہیم عباس سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام علی رضا علیہ السلام کے دربار میں یہ بحث شروع ہوئی کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ گناہانِ کبیرہ بخشے نہیں جائیں گے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کا فرمان تو معتزلہ کی تائید نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ''تیرا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود ان پر مغفرت کرنے والا ہے''۔

اگر اللہ کی طرف سے عفو و مغفرت نہ ہوتی تو کوئی زندگی بسر نہ کرسکتا اور اگر خدا کی طرف سے وعید اور عذاب نہ ہوتا تو کوئی شخص نیک عمل نہ کرتا۔

رسول مُنذر اور علیؑ ہادی ہیں

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝

''آپ تو عذابِ خدا سے ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک ہادی ہوتا ہے''۔

مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا المنذر وعلی الهادی من بعدی - یاعلی بك یهتدی المهتدون -

''میں عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور علیؑ میرے بعد ہادی ہے۔ اے علیؑ! ہدایت پانے والے تیرے ذریعہ سے ہدایت پائیں گے''۔

امالی صدوق میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں قرآن کی ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کس کے متعلق نازل ہوئی اور کس سوال کا جواب بن کر نازل ہوئی اور میں ہر ایک کے متعلق جانتا ہوں کہ ان میں سے میدان میں کون سی آیت نازل ہوئی اور پہاڑ میں کون سی آیت نازل ہوئی۔

کسی نے کہا: آپؑ کے متعلق قرآن کی کون سی آیت نازل ہوئی؟

آپؑ نے فرمایا: اگر تم مجھ سے دریافت نہ کرتے تو میں تمھیں کبھی نہ بتاتا۔ اب تم نے پوچھ لیا ہے تو سن لو: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ کی آیت نازل ہوئی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منذر ہیں اور میں ہادی ہوں۔

حاکم ابوالقاسم الحسکانی نے شواہد التنزیل میں ابوبردہ اسلمی سے روایت کی کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کے لیے پانی طلب کیا۔ اس وقت حضرت علیؑ رسولؐ خدا کے ساتھ کھڑے تھے۔ وضو کے بعد آپؐ نے حضرت علیؑ کے ہاتھ سے پکڑا اور علیؑ کو اپنے سینے سے لگایا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ۔ بعدازاں علیؑ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

''اے علیؑ! تم لوگوں کے لیے منارۂ نور ہو ہدایت کی انتہا ہو اور آبادیوں کے امیر ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم میں یہ

صفات موجود ہیں''۔

کشف الغمہ میں سید ابن طاؤس رقم طراز ہیں کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ نبی اکرمؐ کے بعد ہادی وہی ہوسکتا ہے جو اُمت کو رسولؐ خدا کا راستہ دکھلائے اور ہادی وہی ہوسکتا ہے جو تمہیں حق کی دعوت دے اور تمہیں ہدایت کی طرف لے جائے۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کی آیت تلاوت کی۔ آپؑ نے فرمایا: ہر امام اپنے اپنے دور کا ہادی ہوتا ہے۔

اصول کافی میں بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت منقول ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کی آیت کے متعلق فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''منذر'' تھے اور ہر دور میں ہمارے خاندان میں سے ایک نہ ایک ہادی موجود رہے گا' جو لوگوں کو نبی اکرمؐ کے راستے کی ہدایت کرتا رہے گا۔ اس سلسلہ کے پہلے ہادی علیؑ ہیں' پھر سلسلہ وار اوصیاء ہیں۔

ابوبصیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کی آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منذر تھے اور علیؑ ہادی تھے۔ پھر آپؑ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: اے ابو محمد! کیا آج بھی کوئی ہادی موجود ہے؟

میں (راوی) نے کہا: جی ہاں' آپؑ کے خاندان میں ہادیوں کا سلسلہ چلتا رہا اور اس وقت اس نورانی سلسلہ کی آپؑ کڑی ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابو محمد! خدا تم پر رحم کرے۔ اگر قرآن کی آیت کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص ہوتی تو انسان فانی ہیں جب وہ انسان مرتا تو اس کے ساتھ آیت بھی مرجاتی۔ قرآن زندہ کتاب ہے اس کی تطبیق کا سلسلہ جاری رہے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''منذر'' تھے اور علیؑ ''ہادی'' تھے۔ یہ آیت ہمارے خاندان کے متعلق نازل ہوئی اور قیامت تک ہمارے خاندان میں ہادیوں کا سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم منذر تھے اور علیؑ ہادی تھے اور حضرت علی علیہ السلام کے بعد ہدایت کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ائمہ علیہم السلام ہادی ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ہادی کی ضرورت نہیں ہے، یہ آیت ان کے نظریہ کو غلط ثابت کرتی ہے۔ زمین حجتِ خدا سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

''زمین حجتِ خدا سے کبھی خالی نہیں رہتی خواہ وہ ظاہر ہو یا خوف کی وجہ سے گوشہ نشین ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ خدا کے حجج اور بینات باطل نہ ہونے پائیں''۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ کی آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں ''منذر'' ہوں اور اے علیؑ! تو ''ہادی'' ہے لہٰذا روزِ قیامت تک کی ہدایت، سعادت اور نجات ہمارے ساتھ مربوط ہے۔

عبدالرحیم القصیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے عبدالرحیم! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ رسولؐ خدا نے اس سلسلہ میں فرمایا تھا کہ میں منذر ہوں اور علیؑ ہادی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ آج بھی کوئی ہادی موجود ہے اگر موجود ہے تو وہ کون ہے؟

یہ سوال سن کر میں نے گردن جھکا لی اور کافی دیر سوچنے کے بعد میں نے گردن اُٹھائی اور عرض کیا: ہادیوں کا سلسلہ آپ کے خاندان میں چلتا رہا یہاں تک کہ یہ سلسلہ آپؑ تک پہنچا۔ اس وقت آپؑ ہی ہادی ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: اے عبدالرحیم! تم نے سچ کہا۔ قرآن زندہ کتاب ہے، اس پر موت طاری نہیں ہوگی۔

عبدالرحیم کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: قرآن مَرا نہیں ہے۔ قرآن سلسلہ روز و شب کی طرح سے چلتا رہتا ہے۔ جس طرح سے سورج چاند کا سفر جاری ہے اسی طرح سے آیات کے انطباق کا سفر بھی جاری ہے۔ آیات ہمارے آخری فرد پر بھی اسی طرح سے صادق آتی ہیں جس طرح سے ہمارے پہلے فرد پر صادق آتی تھیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کی آیت مجیدہ کے ضمن میں فرمایا: میں منذر ہوں اور علیؑ ہادی ہے۔ اور ہر امام اپنے دَور کا ہادی ہوتا ہے۔

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب حضرت نوح علیہ السلام کی عمر پانچ سو سال کی ہوئی تو ان کے پاس جبریل امینؑ آئے اور ان سے کہا: اے نوحؑ! تمھاری نبوت اور زندگی کے ایام پورے ہونے کو ہیں لہٰذا آپؑ کے پاس اسمِ اعظم، میراثِ علم اور علمِ نبوت کے جو آثار ہیں وہ اپنے فرزند ''سام'' کے حوالے کریں۔

خدا فرما رہا ہے کہ میں زمین کو کسی ایسے عالم سے خالی نہیں رکھتا جس کے ذریعہ سے میری اطاعت و ہدایت کی پہچان ہو اور وہ آنے والے نبی تک لوگوں کے لیے ذریعہ نجات ہو۔ میں زمین کو حجت کے بغیر نہیں چھوڑتا اور ہر دور میں ایک ایسے شخص کو زمین پر جگہ دیتا ہوں جو میرے راستے کا داعی ہو اور میرے دین کا ہادی ہو اور میرے احکام کا عالم ہو۔ میں اس کے ذریعہ سے سعادت مند افراد کو ہدایت دیتا ہوں اور وہ بدبختوں کے خلاف تمام کرتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اسمِ اعظم اور تبرکاتِ انبیاءؑ سام کے حوالے کیے' جب کہ حام اور یافث کے پاس کوئی فائدہ مند علم نہیں تھا۔

اللہ ہر رحم اور جنین کا علم رکھتا ہے

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ

''اللہ ہر مادہ کے پیٹ سے واقف ہے کہ وہ کیا اُٹھائے ہوئے ہے اور جو کچھ اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے وہ اس سے واقف ہے''۔

الکافی کی ایک اور تفسیر عیاشی کی تین روایات میں حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا:

جو حمل وضع حمل کی مدت سے کم ہو اسے اللہ تعالیٰ نے رِحم کی کمی سے اور جو حمل وضع حمل کے عرصہ سے بھی زیادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اسے بشی سے تعبیر کیا ہے اور دورانِ حمل جب کسی عورت کو خالص خون آئے تو وضع حمل میں اتنے دنوں کی تاخیر ہو جاتی ہے۔

خدا کے لیے بلند اور دھیمی آوازیں برابر ہیں

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝

''تم میں سے کوئی آہستہ بات کرے یا زور سے بات کرے اور کوئی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو' خدا کے لیے سب یکساں ہیں''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: خدا کے نزدیک بلند اور دھیمی آوازیں یکساں ہیں۔

ملائکہ انسان کی حفاظت کرتے ہیں

لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ یَحۡفَظُوۡنَہٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ ؕ

''ہر شخص کے لیے اس کے آگے اور پیچھے نگران مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے ہر انسان کے لیے فرشتے مقرر کیے ہیں جو اسے کنوئیں میں گرنے اور دیوار کے نیچے دبنے اور دوسرے مصائب سے بچاتے رہتے ہیں۔ جب تقدیر آ جاتی ہے تو وہ اس انسان سے جدا ہو جاتے ہیں اور اسے تقدیر کے سپرد کر دیتے ہیں۔ دن کے وقت ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے موکل ہوتے ہیں اور جیسے ہی سورج غروب ہوتا ہے تو ان کی جگہ دوسرے فرشتے لے لیتے ہیں۔

مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ یَحۡفَظُوۡنَہٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ کا ترجمہ یَحۡفَظُوۡنَہٗ بِاَمۡرِ اللّٰہِ کے الفاظ سے کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ خدا کے امر سے کوئی بچا نہیں سکتا البتہ ملائکہ خدا کا امر پا کر انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

علمائے مفسرین سے لفظ ''معقبات'' کی تشریح کے لیے چند اقوال منقول ہیں اور ان میں سے مشہور قول حسب ذیل ہے: اس سے وہ فرشتے مراد ہیں جو رات اور دن کے وقت انسان کی حفاظت کے لیے اترتے ہیں اور انھیں ''معقبات'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کے عقب میں آتے رہتے ہیں۔ یہ فرشتے بندوں کے اعمال کا ریکارڈ محفوظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ حسن، سعید بن جبیر، قتادہ اور حیائی سے یہی مفہوم منقول ہے۔

حسن کہتے ہیں: وہ چار فرشتے ہیں، دو فرشتے رات کے ہیں اور دو فرشتے دن کے ہیں اور نمازِ فجر کے وقت یہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے: اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا۝ (بنی اسرائیل:۷۸) ''فجر کا قرآن ملائکہ کی حاضری کا وقت ہے''۔ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام سے بھی یہ مفہوم منقول ہے۔

۲۔ اس سے وہ فرشتے مراد ہیں جو انسان کو ہلاکت سے بچاتے ہیں، لیکن جب کسی کے متعلق خدا کی تقدیر کا کوئی فیصلہ صادر ہوتا ہے تو وہ اسے تقدیر کے سپرد کر کے خود اس سے ہٹ جاتے ہیں۔

نعمات کو متغیر کرنے والے گناہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

''اللہ کسی قوم کے احوال کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف نہ بدل دیں''۔

مقصدِ آیت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کو نعمات دے کر خواہ مخواہ ان سے نعمات سلب نہیں کرتا' جب تک وہ اپنی بداعمالیوں سے یہ ثابت نہ کردیں کہ اب وہ ان نعمات کے حق دار نہیں رہے۔

دعائے کمیل میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیَ الذُّنُوبَ الَّتِی تُغَیِّرُ النِّعَمَ ''خدایا!! میرے وہ گناہ معاف کردے جو نعمتوں کو بدل دیتے ہیں''۔ (اضافۃ من المترجم)

کتاب معانی الاخبار میں ابوخالد کابلی سے منقول ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: لوگوں کے خلاف سرکشی' اور نیک عادات کا ترک اور احسان جتلانا اور نعمات کی ناشکری ایسے گناہ ہیں جو نعمات کو بدل دیتے ہیں۔

اصولِ کافی میں سدیر صیرفی سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق پوچھا: فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (السبا: ۱۹) ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کردے اور انھوں نے اپنے اُوپر ظلم کیا''۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان آیات میں اس قوم کا تذکرہ کیا گیا ہے' جن کی آبادیاں ایک دوسرے سے متصل تھیں۔ ان بستیوں کو وہ دیکھ سکتے تھے' وہاں نہریں بہتی تھیں اور ان کے پاس ہر قسم کی نعمت اور دولت موجود تھی' لیکن ان لوگوں نے نعمات کی ناقدری کی اور انھوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ اب وہ نعمات کے لائق نہیں ہیں۔ ان کی اس روش کی وجہ سے اللہ نے بھی اپنی نعمت کو بدل ڈالا اور خدا کسی قوم کے احوال کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف نہ بدل دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب بھیجا اور فرمایا:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَىْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۗ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ (السبا: ۱۶-۱۷)

''آخرکار ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا اور ان کے دو باغوں کی جگہ ہم نے انھیں ایسے دو باغ دیئے جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں۔ ہم نے انھیں اس طرح سے ان کے کفر کا بدلہ دیا اور ناشکرے انسانوں کے علاوہ ایسا بدلہ ہم کسی اور کو نہیں

دیا کرتے"۔

تفسیر عیاشی میں سلیمان بن عبدالملک سے منقول ہے کہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا' آپؑ کے سامنے ایک عورت کو لایا گیا' جس کا منہ پشت کی جانب پھرا ہوا تھا۔ عورت کے رشتہ داروں نے آپؑ سے درخواست کی کہ آپؑ اس کا چہرہ سیدھا کر دیں۔ آپؑ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر جھٹکا دیا تو اس کا سر سیدھا ہو گیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ۔ "اللہ کسی قوم کے احوال کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنے اطوار کو خود نہ بدل دے"۔ بعدازاں آپؑ نے عورت سے فرمایا: آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔

لوگوں نے آپؑ سے پوچھا کہ اس عورت نے کیا کیا تھا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ پشت کی جانب پھر گیا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں اس کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا البتہ یہ خود بتانا چاہے تو اسے اختیار ہے۔

لوگوں نے عورت سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: میرے شوہر کی دو بیویاں ہیں۔ ایک دن میں نماز پڑھ رہی تھی کہ میرا شوہر گھر میں آیا۔ میں نے دل میں گمان کیا کہ ہو نہ ہو وہ میری سوکن کے پاس بیٹھا ہو گا۔ چنانچہ میں نے گردن پھیر کر اس کی طرف دیکھا تو وہاں میری سوکن اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ میرا شوہر اس کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ اس وقت سے میرا چہرہ پشت کی طرف پھر گیا اور میں نے اسے سیدھا کرنے کے جتنے بھی جتن کیے وہ سیدھا نہ ہوا یہاں تک کہ میرے آقا و مولاؑ نے اسے سیدھا کر دیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: میرے والد ماجد علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ نے اپنی حتمی قضا کے تحت یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ کسی بندے کو نعمت عطا کر کے اس وقت تک اس سے وہ نعمت سلب نہیں کرے گا جب تک بندہ کوئی ایسا گناہ نہ کرے جو اس نعمت کے سلب ہونے کا موجب نہ بن جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ۔

سعید مکفوف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو ایک خط لکھا جس میں مَیں نے یہ تحریر کیا کہ آقا! آپ اپنے غلام کو اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ کا مفہوم سمجھائیں۔

امام علیہ السلام نے جواب میں لکھا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کو کوئی نعمت عطا کر کے اس وقت تک اسے نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خطائیں کر کے یہ ثابت نہ کر دے کہ اب وہ اس نعمت کے حق دار نہیں رہے ہیں۔

گرج چمک

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ۝

''وہی تو ہے جو تمھارے سامنے بجلیاں چمکاتا ہے جن سے تم خوف بھی محسوس کرتے ہو اور اُمیدیں بھی وابستہ کرتے ہو، وہ تمھارے لیے پانی سے لدے ہوئے بادل پیدا کرتا ہے۔ بادلوں کی گرج حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے اور فرشتے اس کی ہیبت سے لرزتے ہوئے اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ وہ کڑکتی ہوئی بجلیوں کو بھیجتا ہے۔ انھیں جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے، جب کہ وہ خدا کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت قوت والا ہے''۔

عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''بجلی کی چمک سے مسافر خوف محسوس کرتے ہیں اور مقیم افراد بارش کی اُمیدیں کرتے ہیں''۔

تفسیر عیاشی میں یونس بن عبدالرحمٰن سے منقول ہے کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بادل زور سے گرجا۔ ابوبصیر نے امامؑ سے عرض کیا: کیا گرج بھی کلام کرتی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابومحمد! وہ چیز پوچھو جو تمھارے لیے فائدہ مند ہو۔

ابوبصیر نے اپنا سوال دوبارہ دہرایا۔ آپؑ نے فرمایا: جس چیز کی تمھیں ضرورت نہیں ہے اس کے پوچھنے کا تمھیں کیا فائدہ ہے؟

من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ رَعد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسے فرشتے کی آواز ہے جو مکھی سے بڑا اور بھڑ سے چھوٹا ہے۔

ابوبصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ گرج کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: جس طرح سے کوئی ساربان ''ہائے ہائے'' کرکے اُونٹوں کو ہانکتا ہے یہ بھی اسی طرح کی آواز ہے۔ ابوبصیر نے پھر پوچھا کہ برق (چمک) کیا ہے؟ یہ ملائکہ کے ایک مخصوص قسم کے کوڑے کی روشنی ہے جس سے وہ بادل و ہانک کر وہاں لے جاتے ہیں جہاں خدا نے برسنے کا حکم دیا ہوتا ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بادل کی گرج سنتے تھے تو آپؐ سبحان من یسبح الرعد بحمدہ پڑھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمھارا رب فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے، میری اطاعت کرتے تو میں رات کے وقت انھیں بارش سے سیراب کرتا اور دن کے وقت ان کے لیے سورج کی دھوپ نکالتا اور انھیں کبھی گرج کی آواز بھی نہ سناتا۔

شیخ الطائفہ امالی میں لکھتے ہیں: انس بن مالک کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک عربی فرعون کے پاس دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا۔ اس نے اسے خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس فرعون مزاج شخص نے کہا: مجھے یہ بتاؤ کہ تمھارا خدا سونے کا ہے، چاندی کا ہے یا لوہے کا ہے؟

اس کا یہ جواب سن کر صحابی آنحضرتؐ کی خدمت میں واپس آیا اور اس کے گستاخانہ جواب سے آپؐ کو مطلع کیا۔

نبی اکرمؐ نے صحابی سے فرمایا: تو پھر اس کے پاس جا، اور اسے توحیدِ الٰہی کی دعوت دے۔

صحابی نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! اسے تبلیغ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: میرے کہنے پر دوبارہ اس کے پاس جا۔ صحابی اس کے پاس گیا۔ اس نے پہلا سا جواب دیا۔ اتنے میں ایک بادل آیا اور اس کے سر پر بجلی گری، جس سے اس کا سر پارہ پارہ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قرآن کریم میں ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ ''وہ کڑکتی ہوئی بجلیوں کو بھیجتا ہے، انھیں جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے جب کہ وہ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت قوت والا ہے''۔

صحیفہ سجادیہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حاملینِ عرش پر درود منقول ہے، اس میں آپؑ نے یہ جملے بھی ارشاد فرمائے: پروردگار! اس فرشتہ پر درود بھیج جس کے جھڑکنے کی آواز سے بجلی کی کڑک پیدا ہوتی ہے اور جب اس کی آواز سے گرجنے والے بادل چلنے لگتے ہیں تو گرنے والی بجلیاں چمکتی ہیں۔

مجمع البیان میں حضرتِ علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''شدید المحال'' کا معنی سخت گرفت کرنے والے کے ہیں۔

سالم بن عبداللہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بجلی کی کڑک کی آواز سنتے تو آپؐ یہ کہتے تھے: ''پروردگار! اپنے غضب سے ہمیں قتل نہ کرنا اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کرنا اور ہمیں اس سے

عافیت میں رکھنا"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ بجلیاں مُسلم اور غیر مُسلم دونوں طرح کے لوگوں پر گرسکتی ہیں' لیکن جو ذکرِ خدا میں مصروف ہو اس پر بجلی نہیں گرتی۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: مومن پر ہر طرح کی موت وارد ہوسکتی ہے' لیکن اس پر بجلی گرنے کی وجہ سے موت واقع نہیں ہوگی۔ جب کوئی ذکرِ خدا میں مصروف ہو تو اس پر بجلی نہیں گرے گی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ذکر کرنے والے پر بجلیاں نہیں گرتیں۔

راوی نے پوچھا کہ ذکر کرنے والے سے کیا مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جس نے ایک سو آیات پڑھی ہو۔

ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مومن کی موت کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: مومن پانی میں ڈوب کر بھی مرسکتا ہے' دیوار کے نیچے آ کر بھی مرسکتا ہے' اسے درندے بھی ہلاک کرسکتے ہیں' اس پر بجلی بھی گرسکتی ہے البتہ جو ذکرِ الٰہی میں مصروف ہو اس پر بجلی نہیں گرتی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: سورہ اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ ...... کی تلاوت سے کبھی تنگ دل نہ ہونا۔ جو شخص اس سورہ کو نوافل میں پڑھے گا وہ کبھی زلزلہ کی موت نہیں مرے گا اور اس پر بجلی نہیں گرے گی۔ وہ دنیاوی آفات سے محفوظ رہے گا۔ ذیل میں ہم صحیفہ سجادیہ سے ایک جامع مضمون نقل کرتے ہیں۔

رعد و برق

جب سورج کی تیز شعاعیں سمندروں اور جھیلوں کی سطح سے بخارات اُٹھاتی ہیں تو وہ بخارات جو ننھی ننھی بوندوں کا مجموعہ ہوتے ہیں بادلوں کی دلفریب صورت میں فضا میں لہرانے اور ہوا میں اُڑنے لگتے ہیں اور جب ہوا کے جھونکے انھیں حرکت میں لاتے ہیں تو ان کی تہوں میں جمع شدہ ذخیرہ کبھی ہلکی ہلکی پھوار اور کبھی دھواں دھار بارش کی صورت میں برسنے لگتا ہے اور ٹیلوں چٹانوں پر سے گزرتا ندی نالوں کو چھلکاتا' زمین کے ذرّہ ذرّہ کو سیراب کردیتا ہے' جس سے زمین کی سطح پر ہریالی اور کاشتکار کے چہرے پر سرخی دوڑ جاتی ہے۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (الروم: ۴۸)

''خدا وہ ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادلوں کو حرکت میں لاتی ہیں۔ پھر وہ جس طرح چاہتا ہے انھیں فضا میں پھیلا دیتا ہے اور انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ ان بادلوں کے اندر سے بوندیں نکل پڑتی ہیں، پھر خدا اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے انھیں برسا دیتا ہے تو وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں''۔

جب ان بادلوں میں ننھی ننھی بوندیں ہوا سے ٹکراتی یا آپس میں رگڑ کھاتی ہیں تو اس ٹکراؤ سے ان میں برقی قوت (Electric Force) پیدا ہوتی ہے جو بعض بادلوں میں مثبت (Positive) اور بعض میں منفی (Nagative) اس طرح کہ جس طرف سے بجلی آتی ہے اس کو مثبت یعنی (Positive Pole) اور جس طرف کو جاتی ہے اُسے (Nagative Pole) کہہ لیتے ہیں۔ جب یہ مثبت اور منفی والے بادل ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں یہ دونوں متضاد (Opposite) قوتیں آپس میں ٹکراتی ہیں جس سے روشنی کا ایک شرارہ (ARC) پیدا ہوتا ہے جو اپنی تیزی اور چمک کی وجہ سے آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر دیتا ہے۔ اس شرارہ کا نام برق ہے۔ یہ برق ہر وقت درخشاں رہتی ہے اور ایک سیکنڈ میں کم وبیش ۱۰۰ مرتبہ چمکتی ہے اور اس کے ہر شرارہ میں دس کروڑ وولٹ سے لے کر ۲۰ ارب وولٹ تک بجلی ہوتی ہے۔ اس شرارہ سے اس قدر گرمی (Heat) پیدا ہوتی ہے کہ آس پاس کی ہوا گرم ہو جاتی ہے اور اس گرمی کی وجہ سے اس کا پھیلاؤ بڑھ جاتا ہے اور اس کی جگہ پر چاروں طرف سے ٹھنڈی ہوائیں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتی ہیں جس سے کڑک کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس کڑک کا نام رعد ہے۔ یہ کڑک بجلی کے چمکنے کے چند دقیقہ (Milli Second) کے بعد سنائی دیتی ہے۔ اس لیے کہ آواز کی رفتار روشنی کی رفتار سے سُست ہوتی ہے۔

چنانچہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو چوراسی میل فی سیکنڈ ہے اور آواز کی رفتار تین سو ستر گز فی سیکنڈ ہے۔ اس لحاظ سے اگر ایک میل کے فاصلہ سے روشنی اور آواز ایک ساتھ چلیں تو آواز پانچ سیکنڈ بعد پہنچے گی۔ کبھی کبھی یہ بجلی زمین پر گر بھی پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب برقی قوت والا بادل ٹھنڈک پا کر زمین کے قریب آ جاتا ہے تو اُس سے اُونچی اور بلند سطح عمارتیں اُونچے اُونچے درخت اور کھلے میدان اور ان میں چلنے پھرنے والے انسان اور چوپائے برقائے جاتے ہیں اور

جب ان کی جمع شدہ برقی قوت بادلوں کی مخالف برقی قوت سے ٹکراتی ہے تو دھماکے کے ساتھ ساتھ روشنی اور گرمی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اسے عرفِ عام میں بجلی کا گرنا کہتے ہیں۔ اس سے ہر وہ چیز متاثر ہوتی ہے جو اُس کی زد میں آجاتی ہے۔ نہ اُس سے سربلند عمارتیں محفوظ رہ سکتی ہیں، اور نہ کوئی جاندار زندہ وسلامت رہ سکتا ہے۔ مگر جہاں یہ ہلاکت وتباہی کا سامان لیے ہوئے ہے وہاں بیش بہا فوائد کی بھی حامل ہے۔ چنانچہ اس بجلی سے ایک سال کے عرصہ میں دس کروڑ ٹن نائٹروجن گیس پیدا ہوتی ہے۔ جو بارش کے ساتھ زمین پر اُترتی ہے اور زمین کی قوتِ نشوونما کو بڑھاتی ہے اور اس کے لیے کھاد کا کام دیتی ہے۔ چنانچہ خداوندعالم نے اس کے دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا (الروم:۲۴) ''اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمھیں بجلی کا منظر دکھایا جس کا ایک رخ خوف ناک اور دوسرا اُمید افزا ہے۔ (نقلاً عن الصحیفۃ السجادیۃ من حواشی مفتی جعفرحسین)

غیراللہ سے امیدیں وابستہ کرنا حماقت ہے

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۚ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝

''وہ لوگ جو خدا کو چھوڑ کر اوروں کو پکار رہے ہیں وہ ان کی دعاؤں کا جواب نہیں دے سکتے۔ انھیں پکارنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلائے' تاکہ پانی اس کے منہ میں پہنچ جائے' جب کہ وہ پانی کسی طرح اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں ہے۔ کافروں کی دعائیں تو بس رائیگاں ہی رائیگاں ہیں''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اس آیت کے ذریعے سے اللہ نے بت پرستوں کی تصویرکشی کی ہے اور ان لوگوں کی حالت زار کی عکاسی کی ہے' جو خدا کو چھوڑ کر اور خودساختہ معبودوں کو پکارتے ہیں۔ وہ خواہ انھیں کتنا ہی پکاریں مگر وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے' ان کی مثال ایسے ہی ہے جو پانی سے دُور کھڑا ہوکر اپنی ہتھیلیوں کو پھیلائے تاکہ اس طرح سے اپنے منہ تک پانی پہنچا سکے' لیکن اس طرح سے منہ تک پانی کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح سے غیراللہ کے آستانوں پر صدائیں دینے والوں کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوسکتیں۔

عالم برزخ میں "قابیل" کی حالت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے ایک عجیب چیز کا مشاہدہ کیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے کیا دیکھا ہے؟

اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرے گھر کا ایک فرد بیمار تھا۔ لوگوں نے کہا کہ تم مقام احقاف پر جاؤ اور وہاں ایک کنواں ہے اس سے پانی بھر کر لاؤ اور اپنے مریض کو پلاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ اس پانی کے پینے سے تیرا مریض تندرست ہو جائے گا۔ چنانچہ میں گھر سے مشک اور پیالہ لے کر احقاف کے مقام پر پہنچا۔ میں نے پیالے سے پانی بھرا کر مشک میں ڈالوں۔ اتنے میں فضائے آسمان سے مجھے کسی زنجیر کے کھنکنے کی آواز سنائی دی۔ کوئی کہہ رہا تھا: اے شخص! مجھے پانی پلا میں تو پیاس کی وجہ سے مرا جاتا ہوں۔ میں نے پیالہ اٹھایا کہ اسے پانی پلاؤں میں نے دیکھا کہ ایک شخص وہاں موجود تھا جس کے گلے میں زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ جب میں پیالہ لے کر اس کے قریب گیا تو کسی نے اسے وہاں سے کھینچ لیا اور سورج سے اسے معلق کر دیا۔ پھر میں نے مشک بھرنے کا ارادہ کیا تو وہی آواز مجھے دوبارہ سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا: ہائے پیاس! ہائے پیاس! اے شخص! مجھے پانی پلا میں تو پیاس سے مرنے والا ہوں۔ میں نے اسے پانی پلانے کے لیے پیالہ اٹھایا اور جب اس کی طرف بڑھا تو کسی نے اسے وہاں سے کھینچ لیا اور سورج سے اسے معلق کر دیا۔

الغرض اس نے تیسری بار صدا دی، لیکن میں نے کوئی توجہ نہ کی اور میں نے مشک بھری اور وہاں سے چل پڑا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمؑ کا فرزند قابیل تھا۔ اور یہ وہی ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کر کے دنیا میں قتل کی بنیاد رکھی تھی اور اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کباسط کفیه الی المآء......

کائنات کی ہر چیز خدا کے سامنے سجدہ ریز ہے

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩

"اور آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خوشی سے یا مجبوری سے اللہ کو سجدہ کر رہی ہے اور ان کے سائے صبح و شام خدا کے سامنے جھکتے ہیں"۔

اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: سورج کے طلوع و غروب سے

ایک گھڑی قبل قبولیت کا وقت ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ مومن کا سایہ خوشی سے خدا کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور کافر کا سایہ مجبوری سے سجدہ کرتا ہے۔ سائے کے سجدہ سے سائے کا گھٹنا بڑھنا اور مغرب و مشرق کی سمت میں جانا مراد ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ملائکہ اہلِ آسمان میں سے خوشی سے سجدہ کرتے ہیں اور اہل زمین میں سے خدا کا خوشی سے سجدہ وہ کرتا ہے جو حالتِ اسلام میں پیدا ہوا ہو اور جس نے جبراً اسلام قبول کیا ہو تو وہ مجبور ہو کر خدا کا سجدہ کرتا ہے اور جو بالکل سجدہ نہیں کرتا تو اس کا سایہ صبح و شام خدا کا سجدہ کرتا ہے۔

نہج البلاغہ میں چیونٹی کے متعلق حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے ایک خطبہ منقول ہے۔ اس خطبہ کے ضمن میں آپؑ نے یہ کلمات بھی فرمائے:

''پاک ہے وہ ذات جس کے سامنے آسمان و زمین میں جو کوئی بھی ہے خوشی یا مجبوری سے بہر صورت سجدہ میں گرا ہوا ہے اور اس کے لیے رخسار اور چہرے کو خاک پر مل رہا ہے اور عجز و انکسار سے اس کے آگے سرنگوں ہے اور خوف و دہشت سے اپنی باگ دوڑ اسے سونپے ہوئے ہے۔

ایک اور مقام پر آپؑ نے فرمایا: درخت صبح و شام اس کے سامنے سربسجود ہیں۔

مفوضہ کی تردید

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

''کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی خدا کی طرح سے کچھ پیدا کیا ہے، اور اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا مسئلہ مشتبہ ہو گیا؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ واحد اور سب پر غالب ہے''۔

شیخ صدوق کتاب اعتقاداتُ الامامیہ میں رقم طراز ہیں کہ زرارہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: عبداللہ بن سنان کی اولاد میں سے ایک شخص ''تفویض'' کا عقیدہ رکھتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ''تفویض'' کیا ہے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: وہ کہتا ہے کہ اللہ نے محمدؐ اور علیؑ کو پیدا کیا' پھر سارا نظام ان کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے ہی پیدا کیا اور انھوں نے ہی رزق دیا اور انھوں نے ہی زندگی دی اور انھوں نے ہی موت دی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: دشمنِ خدا نے جھوٹ کہا۔ جب اس کے پاس جاؤ تو سورہ الرعد کی آیت اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ کی تلاوت کرو۔

زرارہ کہتے ہیں میں اس شخص کے پاس گیا اور میں نے یہ آیت پڑھی تو وہ یوں لاجواب ہو گیا جیسے کسی نے اس کے منہ میں پتھر دے دیا ہو۔

حق قائم رہتا ہے اور باطل جھاگ کی طرح اُڑ جاتا ہے

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝

"اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اسے اپنے ظرف کے مطابق لے کر چلا۔ پھر جب سیلاب اُٹھا تو سطح پر جھاگ آ گیا اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر اُٹھتے ہیں جنھیں زیور اور برتن بنانے کے لیے لوگ پگھلایا کرتے ہیں۔ اسی مثال سے اللہ حق و باطل کو واضح کرتا ہے۔ جھاگ اُڑ جاتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نفع بخش ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے اور اللہ اس طرح سے مثالیں بیان کرتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات میں مومن کو بینا اور کافر کو نابینا سے تشبیہہ دی ہے اور فرمایا: ایمان نور ہے اور کفر تاریکی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان و کفر کی دوسری مثال بیان فرمائی اور فرمایا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا' ندی نالے اپنے ظرف کے مطابق پانی لے کر چلنے لگے۔ جو ندی زیادہ گہری اور چوڑی ہوتی ہے اس میں پانی زیادہ آتا ہے اور جو کم گہری ہوتی ہے اس میں پانی کی تھوڑی مقدار ہوتی ہے اور جو پانی ندی نالے سے زیادہ ہوتا ہے وہ زمین پر پھیل جاتا ہے۔ جب سیلابی پانی کا ریلا آتا ہے تو پانی کے اُوپر جھاگ کی دبیز تہہ ہوتی ہے۔ پانی پر جھاگ اس وقت آتا ہے جب پانی

بلند مقام سے آ رہا ہو اور تیزی سے بہہ رہا ہو۔ جب لوگ زیور یا کوئی برتن بنواتے ہیں تو لوہار اس دھات کو آگ میں تپاتے ہیں تو ان دھاتوں سے بھی ایک طرح کی جھاگ برآمد ہوتی ہے۔ پانی کا جھاگ بھی بیٹھ جاتا ہے اور دھاتوں سے اُٹھنے والا جھاگ بھی بیٹھ جاتا ہے۔ پھر اصل پانی ہی رہ جاتا ہے۔ اس طرح سے جھاگ کے بعد دھات بھی اصل حالت میں رہ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی اور جھاگ اور دھات اور جھاگ کی مثال دے کر فرمایا ہے کہ کبریائی وجلالت اور احسان کے آسمان سے خدا نے آبِ حیات یعنی قرآن نازل کیا۔ اہلِ ایمان کے دل ندی نالوں کی طرح سے ہیں جتنا جس دل کی وسعت ہے اتنا ہی اس میں علومِ قرآن کے انوار قیام پذیر ہوتے ہیں۔ جو دل جتنا پاک اور طاہر ہوگا اس میں اتنا ہی علمِ قرآن زیادہ سمائے گا۔ پھر جس طرح سے پانی پر جھاگ کی سطح آ جاتی ہے اور دھاتوں پر جھاگ پیدا ہوتی ہے اور پھر کچھ دیر بعد جھاگ ختم ہو جاتا ہے اور اصل پانی اور اصل دھات باقی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح سے جب لوگ قرآن کے بیان سنتے ہیں تو ان کے دلوں میں بھی بعض اوقات شکوک وشبہات کا جھاگ پیدا ہوتا ہے' لیکن شکوک وشبہات کا جھاگ جلد ہی ختم ہو جاتا ہے اور اصل علم و دین اور حکمت و دانش باقی رہ جاتی ہے۔

رب کی دعوت قبول کرنے والوں کے لیے بھلائی ہے

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ

"جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کی ہے ان کے لیے بھلائی ہے"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت کا حال بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے خدا کی دعوت پر توحید' عدل' نبوت' امامت اور جہاد کا اقرار کیا ہے اور احکامِ شریعت پر عمل کیا ہے ان کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ "حسنیٰ" سے جنت مراد ہے۔

اہلِ لغت کا بیان ہے کہ لفظ "حسنیٰ" سے عظم منفعت مراد ہے اور "حسنیٰ" اس خالص نفع کو کہا جاتا ہے جس میں نقصان کا کوئی احتمال نہ ہو۔ جن لوگوں نے رب کی دعوت کو قبول نہیں کیا' اللہ نے ان کے لیے تین قسم کے عذابوں کا اعلان کیا ہے اور فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ

لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ؎

''اور جن لوگوں نے رب کی دعوت کو قبول نہیں کیا اگر وہ زمین کی تمام دولت کے بھی مالک بن جائیں اور اتنی دولت اور بھی فراہم کرلیں تو وہ خدا کی پکڑ سے بچنے کے لیے فدیہ میں دینے پر تیار ہوجائیں گے۔ ان لوگوں سے بُری طرح حساب لیا جائے گا ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو کہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے''۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے پہلا عذاب یہ بیان کیا کہ اگر بالفرض ان کے پاس دنیا بھر کی دولت ہو بلکہ اس سے بھی دوگنی ہو تو بھی وہ عذابِ الٰہی سے بچنے کے لیے اسے فدیہ میں دینے پر آمادہ ہوجائیں گے۔

نفسیات کا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے آپ سے زیادہ پیار ہوتا ہے۔ اپنی ذات کے علاوہ انسان کو ہر اس چیز سے پیار ہوتا ہے جو اس سے تعلق و ارتباط رکھتی ہے۔ انسان کو دولت بڑی عزیز ہے لیکن اپنی جان و دولت سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ لہٰذا جب کسی کی ذات پر بن جائے تو وہ اپنی ذات کو بچانے کے لیے دولت کو فدیہ بنانے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔

۲۔ ان سے بری طرح حساب لیا جائے گا۔

۳۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا' جو کہ بدترین ٹھکانا ہے۔

اہلِ عقل کون؟

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

''بھلا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ عینِ حق

ہے، کبھی وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو بالکل اندھا ہو۔ نصیحت تو دانش مند ہی قبول کرتے ہیں۔ وہ جو اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کرتے ہیں اور وہ میثاق کو نہیں توڑتے۔ اللہ نے جن روابط کو بحال رکھنے کا حکم دیا ہے وہ انھیں برقرار رکھتے ہیں اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بری طرح حساب لیے جانے سے ڈرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور آخرت کا گھر ان کے لیے مخصوص ہے۔ یعنی ایسے باغ جو اُن کی قیام گاہ ہوں گے اُن میں داخل ہوں گے اور اُن کے آباء و اجداد اور اُن کی بیویوں اور اولاد میں سے جو بھی صالح ہیں وہ اُن کے ساتھ وہاں ہوں گے اور ملائکہ ہر دروازے سے ان کے استقبال کے لیے آگے آئیں گے۔ صبر کرنے والو! تم پر سلام ہو، آخرت کا گھر کتنا ہی اچھا ہے"۔

ان آیات میں سابقہ مثال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس تمثیل سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ صاحب علم بینا ہوتا ہے اور جاہل اندھا ہوتا ہے اور یہ دونوں یکساں نہیں ہیں۔ اگر اندھا کسی رہبر کے بغیر سفر کرے تو وہ کنوئیں میں گر سکتا ہے جب کہ بینا ہلاکت سے محفوظ ہو کر سفر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے بعد فرمایا ہے کہ ان مثالوں سے صاحب عقل ہی استفادہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان صاحبانِ عقل کی نو علامات بیان فرمائی ہیں اور آخر میں ان کا نتیجہ بھی بیان کیا ہے:

۱- پہلی شرط یہ ہے: الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ "وہ اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرتے ہیں"۔ اس عہد میں "روزِ اَلست" کا عہد سرفہرست ہے۔ علاوہ ازیں انسان اپنی اجتماعی زندگی میں جو عہد و پیمان کرتا ہے وہ تمام عہد و پیمان اس میں شامل ہیں۔

۲- دوسری شرط یہ ہے کہ وہ میثاق کو نہیں توڑتے۔ وفائے عہد اور میثاق نہ توڑنا دونوں قریب المعنی ہیں اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

عہد پورا کرنے کا بہت بڑا مقام ہے۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ "جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں ہے اور جس میں عہد کی پاسداری نہیں اس میں دین نہیں ہے"۔

بعض مفسرین نے ایفائے عہد اور میثاق نہ توڑنے میں یہ لطیف فرق بیان کیا ہے کہ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ سے خدا کی طرف سے عائد کردہ شرعی تکالیف مراد ہیں اور وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿﴾ سے وہ فرائض مراد ہیں جنھیں انسان خود اپنے اوپر فرض کر لیتا ہے مثلاً نذر کے لیے نماز یا روزہ یا خیرات کو اپنے اُوپر واجب کرنا۔

خدا سے کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی لائق مذمت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: جو خدا سے عہد کر کے عہد پورا نہ کرے تو اس میں نفاق کی خصلت پائی جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا: قیامت کے دن میں تین قسم کے افراد سے جھگڑا کروں گا۔ اُن میں سے پہلا شخص وہ ہے جو عہد کر کے عہد کی خلاف ورزی کرے۔ دوسرا وہ ہے جو کسی سے پوری مزدوری کرائے اور اس کو اُجرت نہ دے۔ تیسرا وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو غلام بنا لے اور اسے بیچ کر اس کی رقم کھا جائے۔

۳- أُولِي الالباب یعنی صاحبانِ عقل کی تیسری شرط اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے کہ وہ ان روابط کو برقرار رکھتے ہیں جن کے بحال رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اب اگر اس مقام پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ پہلی دو شرائط میں تمام اوامر کی پابندی اور تمام نواہی سے احتراز کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے لہٰذا باقی شرائط بیان کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی دو شرائط سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ اس لیے اللہ نے مزید شرائط بیان کیں؛ تاکہ حقوق العباد کی طرف واضح اشارہ کیا جا سکے۔

صلہ رحم سے کیا مراد ہے تو مفسرین سے اس کے متعلق تین اقوال منقول ہیں:

۱- اس سے عمومی صلہ رحم مراد ہے۔ احادیث میں بیان کیا گیا تھا کہ قیامت کے دن تین چیزیں فریاد کریں گی: (۱) رحم فریاد کرے گا کہ خدایا مجھے قطع کیا گیا تھا (۲) امانت فریاد کرے گی کہ مجھے ضائع کیا گیا (۳) نعمت فریاد کرے گی کہ میری ناشکری کی گئی تھی۔ (اضافۃ من المترجم نقلا عن الرازی)

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: آلِ محمدؐ کا رحم عرش سے لٹکا ہوا ہے اور وہ کہتا ہے: خدایا! جو مجھے ملائے تو بھی اسے ملائے رکھ اور جو مجھے قطع کرے تو اسے بھی قطع کر۔ اور وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ کی آیت ہر رحم کے متعلق عام ہے۔ البتہ اس میں آلِ محمدؐ کے حقوق اور عالمِ ذر میں ولایتِ امیر المومنینؑ کے میثاق کی طرف خصوصی اشارہ ہے۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رحم عرشِ الٰہی سے معلق ہے اور وہ

کہتا ہے: خدایا! جو مجھے جوڑے تو بھی اسے جوڑے رکھ اور جو مجھے قطع کرے تو بھی اس سے قطع کر اور وہ رحم آلِ محمدؐ ہے اور وہ ہر رشتہ دار کی رشتہ داری ہے۔

صفوان الجمال ۔ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبداللہ بن حسن کے درمیان کسی گھریلو معاملہ میں اختلاف ہوا' یہاں تک کہ بات تو تو میں میں تک جا پہنچی اور آوازیں بلند ہونے کی وجہ سے لوگ اکٹھے ہوگئے۔ پھر دونوں جدا ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ جب میں صبح کے وقت اُٹھا تو میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو عبداللہ بن حسن کے دروازے پر کھڑے دیکھا۔ اس کی کنیز باہر آئی۔ آپؑ نے اس سے کہا کہ ابو محمد کو باہر بھیجو۔ عبداللہ بن حسن باہر آئے۔ انھوں نے کہا: آپؑ صبح سویرے کیسے آئے؟

آپؑ نے فرمایا: میں نے رات ایک آیت پڑھی جس کی وجہ سے میں پوری رات بے چین رہا اور وہ آیت یہ تھی: وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّہُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ (اللہ نے جن روابط کو بحال رکھنے کا حکم دیا ہے وہ انھیں برقرار رکھتے ہیں اور وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور بری طرح حساب لیے جانے سے خوفزدہ رہتے ہیں)۔ یہ آیت پڑھ کر میں آپؑ کے پاس چلا آیا۔ عبداللہ بن حسن نے کہا: آپؑ نے سچ فرمایا اور مجھے بھی یوں لگتا ہے جیسے اس آیت کو میں نے بھی آج پڑھا ہو۔ یہ کہہ کر دونوں گلے لگے اور رونے لگے۔

عمر بن یزید کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اس آیت کو پڑھا تو آپؑ نے فرمایا: اس سے رحم آلِ محمدؐ اور تمھارے قرابت داروں کے ساتھ اچھے تعلقات بحال رکھنا مراد ہے۔ اس آیت کو صرف ایک مطلب تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ نے زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں کچھ حقوق واجب کیے ہیں' جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ (مقصدِ روایت یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ رشتہ داروں کی مالی مدد کرنا بھی فرض ہے)۔

صادق آلِ محمدؐ کی کنیز سلمہ کا بیان ہے کہ جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات ہوئی تو اس وقت میں وہاں موجود تھی۔ آپؑ بے ہوش ہوگئے۔ جب افاقہ ہوا تو آپؑ نے فرمایا: حسن افطس بن علی بن علی زین العابدین کو ستر دینار دینا اور فلاں کو اتنے دینار دینا اور فلاں کو اتنے دینار دینا۔

میں نے عرض کیا: کیا آپ "حسن افطس" کو بھی رقم دے رہے ہیں جس نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے سلمہ! کیا تو چاہتی ہے کہ میں ان لوگوں میں سے نہ بنوں جن کی مدح کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (وہ جو ان روابط کو بحال رکھتے ہیں جن کے برقرار رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے) سلمہ! سنو! اللہ نے جنت پیدا کی ہے۔ اس کی خوشبو دو ہزار سال کی مسافت سے بھی محسوس کی جا سکے گی، لیکن والدین کا نافرمان اور قطع رحمی کرنے والا اس کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: والدین سے بھلائی اور صلہ رحمی ایسی عادات ہیں جو حساب کو آسان کر دیتی ہیں۔ پھر آپؑ نے اس آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی: وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس آیت کے ضمن میں ہر سال میں ایک بار یا کم و بیش امام کی مالی مدد بھی مراد ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: میں تمہاری دولت کا محتاج نہیں ہوں، البتہ میں تمھیں پاک کرنے کا خواہش مند ہوں۔

کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص سے پوچھا: تو نے اپنے بھائی کے ساتھ دولت کا حساب کیسے کیا تھا؟ اس نے کہا کہ میں نے اس سے پائی پائی کا حساب کیا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے: وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ (وہ بری طرح حساب لیے جانے سے خوفزدہ رہتے ہیں) ذرا سوچو! کیا وہ اس لیے ڈرتے ہیں کہ خدا ان پر ظلم کرے گا؟ انھیں ظلم کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا بلکہ وہ پائی پائی کے حساب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔

روضۃ الواعظین میں مرقوم ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زنا چھ مصیبتوں کا سبب بنتا ہے، ان میں سے تین کا تعلق دنیا سے ہے اور تین کا تعلق آخرت سے ہے۔ جن کا تعلق دنیا سے ہے وہ یہ ہیں:

۱- زنا سے چہرے کی رونق چلی جاتی ہے۔ ۲- زنا غربت و افلاس کا سبب بنتا ہے۔ ۳- زنا سے عمر کم ہو جاتی ہے۔

جن کا تعلق آخرت سے ہے وہ یہ ہیں: ۱- زنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے۔ ۲- زنا سخت حساب کا موجب بنتا ہے۔ ۳- زنا ہمیشہ کی دوزخ کا ذریعہ ہے۔

اصول کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے ایک

اور مخص کا شکوہ کیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس نے جس کا شکوہ کیا تھا وہ بھی آپؑ کے پاس آ گیا۔ امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: کیا بات ہے کہ فلاں مخص تمھارا شکوہ کیوں کر رہا ہے؟

اس نے کہا: میں نے اس سے برائی نہیں کی' البتہ میں نے اس سے پائی پائی کا حساب ضرور لیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا سمجھتا ہے کہ تو نے اس سے پائی پائی کا حساب لے کر اس سے کوئی برائی نہیں کی؟ جب کہ اللہ نے تو اہلِ ایمان کی ایک علامت یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ بُری طرح حساب لیے جانے سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ تیرا کیا خیال ہے کہ وہ خدا کو ظالم سمجھتے ہیں' اسی لیے وہ حساب سے ڈرتے ہیں؟ نہیں خدا کی قسم! وہ صرف اس لیے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان سے پائی پائی کا حساب نہ لیا جائے۔ اللہ نے اسی طرح کے سخت حساب کو سُوْٓءَ الْحِسَابِ قرار دیا ہے۔

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ سُوْٓءَ الْحِسَابِ سے یہ مراد ہے کہ برائیاں تو گنی جائیں لیکن نیکیوں کا حساب نہ کیا جائے۔

مصباح الشریعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اگر حساب میں صرف خدا کے حضور پردہ دری کے علاوہ اور کوئی قباحت نہ بھی ہو تو بھی یہ چیز اتنی سخت ہے کہ انسان پہاڑ کی چوٹی سے نہ اُترے اور جان بچانے کے علاوہ کسی آبادی کا رخ تک نہ کرے۔

۲- صلہ رحم کا دوسرا مفہوم مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ اس سے رسولؐ خدا کی غلامی اور ان کی مدد و تائید مراد ہے۔

۳- تمام اہلِ ایمان کے حقوق اس میں شامل ہیں' کیونکہ نصِ قرآنی کے مطابق تمام اہلِ ایمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ مسلمانوں کی بھلائی کرنا' ان سے تکالیف کو دُور کرنا' مریض کی عیادت کرنا' جنازوں میں شامل ہونا' سلام کرنا اور لوگوں سے حُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آنا اس میں شامل ہے۔

۴- اہلِ عقل کی چوتھی نشانی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

خدا سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں' جس طرح سے ایک لائق شاگرد اپنے استاد اور لائق فرزند اپنے والد کی ناراضگی سے ڈرتا ہے۔ اہلِ عقل سے بھی ہزاروں گنا زیادہ خدا کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔

۵- اہلِ عقل کی پانچویں علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ بری طرح حساب لیے جانے سے خوفزدہ رہتے ہیں۔

۶- اہلِ عقل کی چھٹی علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے: وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ''یہ وہ لوگ ہیں

جو اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں''۔

صبر کے دائرہ میں عبادات پر استقامت' امراض و تکالیف کو برداشت کرنا اور خواہشات سے پرہیز کرنا شامل ہے۔

عام طور پر صبر حسب ذیل چار وجوہات کی وجہ سے کیا جاتا ہے:

۱۔ بعض لوگ اس لیے صبر کرتے ہیں کہ لوگ ان کے صبر و استقامت کی تعریف کریں۔

۲۔ بعض لوگ اس لیے صبر کرتے ہیں لوگ انھیں جزع فزع کی وجہ سے ملامت نہ کریں۔

۳۔ بعض لوگ شماتتِ اعداء کے خوف سے صبر کرتے ہیں۔

۴۔ بعض لوگ اس لیے صبر کرتے ہیں کہ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ جزع فزع کرنا بے سود ہے۔

مذکورہ چاروں وجوہات قابلِ اجر نہیں ہیں۔ صبر اس وقت لائقِ قدر ہے جب بندہ اس لیے صبر کرے کہ یہ مصیبت خدا کی نازل کردہ ہے اور رب العالمین نے مجھ پر یہ آزمائش بھیجی ہے اور خدا میرا مالک ہے۔ میں اس کا مملوک ہوں۔ مالک کو مملوک کے متعلق ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے۔ انسان اجر کے قابل تب بنتا ہے جب وہ آزمائش کرنے والے کے مشاہدہ میں اتنا ڈوب جائے کہ آزمائش کی طرف اس کا دھیان تک نہ جائے اور صبر کا یہ مقام صدیقین کا بلند ترین درجہ ہے۔

۷۔ اہلِ عقل و دانش کی اللہ تعالیٰ نے ساتویں علامت یہ بیان کی ہے: وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ''اور وہ نماز قائم کرتے ہیں''۔ نماز اور زکوٰۃ ضمنی طور پر پہلے جملہ میں بھی شامل تھیں' لیکن اللہ نے ان کا علیحدہ ذکر کر کے اہلِ ایمان کو یہ سبق دیا ہے کہ ان دونوں اعمال کی خدا کی نظر میں بڑی قدر ہے۔

۸۔ آٹھویں شرط بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ''اور وہ ہمارے عطا کردہ رزق میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں''۔

واجب زکوٰۃ علانیہ ادا کرنی چاہیے' تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کی دیکھا دیکھی میں زکوٰۃ ادا کریں اور مستحب صدقات پوشیدہ دینے چاہییں۔

۹۔ اہلِ عقل کی نویں شرط بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ (وہ برائی کو اچھائی سے دُور کرتے ہیں)۔ اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جب ان سے کوئی غلطی صادر ہوجاتی ہے تو وہ اس کے فوراً بعد نیکی کرتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل سے فرمایا: جب تم برائی کرو تو اس کے پہلو میں نیکی بجا لاؤ' تاکہ

تمہاری برائی مٹائی جاسکے۔

آیت مجیدہ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے' اہل دانش اپنے سے بدسلوکی کرنے والوں سے بھی بھلائی کرتے ہیں کیونکہ بھلائی کے عوض بھلائی کرنا مکافات اور بدلہ ہے۔ مزہ تو یہ ہے کہ انسان اتنا وسیع الظرف ہو کہ برائی کرنے والوں سے بھی بھلائی کرے۔ پھولوں پر تو شبنم بھی برسا کرتی ہے۔ کانٹوں پر برسنا ابرِ کرم کا کمال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ عقل کی مذکورہ نو صفات بیان فرمائیں' پھر اس کے نتیجہ میں چار انعامات کا اعلان کیا:

۱- پہلا انعام یہ رکھا: اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (آخرت کا گھران کے لیے مخصوص ہے) یعنی ان لوگوں کا بدلہ جنت ہے۔

۲- اہلِ دانش کے لیے دوسرے انعام کا اللہ نے اعلان کرتے ہوئے فرمایا: جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا (وہ ہمیشہ رہنے والے باغات میں داخل ہوں گے)۔

۳- ان کے لیے تیسرا انعام یہ ہوگا کہ ان کے صالح آباء واجداد اور ان کی صالح اولاد اور بیویاں بھی ان کے ساتھ جنت میں رہائش پذیر ہوں گی۔

۴- خدا کی طرف سے ان کے لیے چوتھا انعام یہ ہوگا کہ ملائکہ ان کے استقبال کے لیے ہر دروازے پر موجود ہوں گے اور ان پر سلام کر کے کہیں گے کہ صبر کرنے والو' تم پر سلام ہو۔ آخرت کا گھر کتنا ہی اچھا گھر ہے۔ (از اضافہ من المترجم ملخصاً عن الرازی)

تفسیر علی بن ابراہیم میں جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا ...... فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ کی آیت کے متعلق منقول ہے کہ یہ آیت ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اور ان کے صبر کرنے والے شیعوں کے حق میں نازل ہوئی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہم ائمہؑ صابر ہیں' جب کہ ہمارے شیعہ ہم سے بھی زیادہ صابر ہیں' کیونکہ ہم جس آزمائش پر صبر کرتے ہیں ہمیں اس کے انجام کا علم ہوتا ہے اور ہمارے شیعوں کو آزمائش کے نتیجے کا علم نہیں ہوتا' پھر بھی وہ صبر کرتے ہیں۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ روز شوریٰ حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے اپنا حق جتاتے ہوئے اپنے بہت سے فضائل بیان کیے اور آپؑ نے یہ بھی فرمایا:

میں تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم میں کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق رسولِ خدا صلی اللہ علیہ

D34

وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہو جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ میری طرح سے جیئے اور میری طرح سے مرے اور میرے ساتھ اس جنتِ عدن میں رہائش اختیار کرے، جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے تو وہ علی بن ابی طالبؑ اور اس کے بعد اس کی ذریت سے دوستی رکھے وہ امام ہیں اور اوصیاء ہیں۔ خدا نے انھیں میرا علم وفہم عطا کیا ہے۔ وہ تمھیں گمراہی کے دروازے میں داخل نہ کریں گے اور تمھیں ہدایت کے دروازے سے باہر نہیں نکالیں گے۔ انھیں تعلیم نہ دینا وہ تم سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوں گے حق ان کے ساتھ ہوگا۔ کیا رسولِؐ خدا نے یہ کلمات تمھارے لیے فرمائے تھے یا میرے لیے؟

حاضرین نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات آپؑ کے لیے فرمائے تھے۔

ایک یہودی عالم نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا: جنت میں تمھارے نبی کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: نبی کریمؐ جنت کے بلند و برتر درجہ میں قیام پذیر ہوں گے۔ آپؐ جناتِ عدن میں ہوں گے۔

یہودی نے کہا: آپؑ نے سچ کہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہی بات حضرت ہارونؑ سے لکھوائی تھی۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا:

خدایا! میں جانتا ہوں کہ علم سارا ختم نہیں ہوگا اور اس کے سرچشمے خشک نہیں ہوں گے اور تو اپنی زمین کو حجت سے خالی نہیں رکھتا۔ اگر لوگ اس کی اطاعت نہ بھی کرتے ہوں اور وہ گمنام اور خائف ہی کیوں نہ ہو یہ اس لیے ہے کہ تیری حجت باطل نہ ہو اور تیرے دوست ہدایت کے بعد گمراہ نہ ہوں۔

بات یہ ہے کہ وہ ہیں کہاں اور ان کی تعداد کتنی ہی کم ہے اور اللہ کے نزدیک ان کا مقام کتنا ہی بلند ہے، جو دین کے حقیقی رہنماؤں ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے پیروکار ہیں۔ جو ان کے آداب سے مزین ہیں اور ان کے طریقوں پر چلتے ہیں۔ ان کا علم انھیں حقیقتِ ایمان پر چلاتا ہے اور ان کی اَرواح علم کے رہنماؤں کی باتوں کو قبول کرتی ہیں اور ایسی احادیث جو دوسروں کے لیے گراں ہوتی ہیں وہ ان کے لیے نرم ہوتی ہیں اور تکذیب کرنے والے جن باتوں سے وحشت محسوس کرتے ہیں وہ ان باتوں سے اُنس محسوس کرتے ہیں اور اِسراف کرنے والے جن حقائق کا انکار کرتے ہیں وہ انھیں قبول کرتے ہیں۔ یہ لوگ علماء کے پیروکار ہیں۔ یہ لوگ اہلِ دنیا کے ساتھ رہ کر اللہ کی اطاعت اور خدا کے اولیاء کی اطاعت میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے تقیہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کے اَرواح محلِ اعلیٰ سے معلّق ہیں۔ ان کے علماء اور ان کے پیروکار باطل حکومتوں کے دور میں رہ کر خاموشی سے اپنا وقت بسر کرتے ہیں اور حق کی حکومت کے منتظر رہتے ہیں۔

اللہ عنقریب اپنے کلمات سے حق کو قائم کرے گا اور باطل کو مٹا دے گا۔ ان کے لیے خوش خبری ہے کہ وہ اپنی مظلومیت کی حالت میں اپنے دین پر استقامت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ان کی حکومت و اقتدار کے زمانہ میں مجھے ان کے دیدار کا کتنا ہی اشتیاق ہے اور اللہ عنقریب ہمیں اور انھیں جناتِ عدن میں جمع کرے گا، جہاں ان کے صالح آباء واجداد اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد بھی موجود ہوں گی۔

ابان بن تغلب بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا، آپؑ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو چاہتا ہو کہ میری طرح جیئے اور میری طرح مرے اور اس جنتِ عدن میں داخل ہو جسے خدا نے اپنے ہاتھ (اپنی قدرتِ کاملہ) سے کاشت کیا ہے تو وہ علی بن ابی طالبؑ سے محبت رکھے اور اس کے محبّ سے محبت رکھے اور اس کے دشمن سے عداوت رکھے اور اس کے بعد اس کے اوصیاء کی فرمانبرداری کرے۔ وہ میری عترت ہیں اور وہ میرے گوشت اور خون کا حصہ ہیں۔ اللہ نے انھیں میرا علم وفہم عطا کیا ہے۔ میں خدا کی بارگاہ میں ان لوگوں کا شکوہ کرتا ہوں جو ان کی فضیلت کے منکر ہیں جو ان کے متعلق مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم، تم میرے فرزند کو قتل کرو گے۔ ایسے لوگوں کو خدا میری شفاعت نصیب نہ کرے۔

من لایحضرہ الفقیہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جنتِ عدن دوسری جنتوں کے درمیان ہوگی۔ اس کی دیوار سرخ یاقوت کی ہوگی اور اس میں کنکروں کی جگہ موتی ہوں گے۔

ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو تین مومنوں کو کھانا کھلائے تو اللہ تعالیٰ اسے جنتِ فردوس اور جنتِ عدن سے کھانا کھلائیگا اور اسے شجرہ طوبیٰ کا پھل کھلائے گا۔ یہ درخت جنتِ عدن میں ہے، اللہ نے اسے اپنے ہاتھ (قدرتِ کاملہ) سے کاشت کیا ہے۔

مجمع البیان میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: مولا! یہ بتائیں اگر شوہر اور بیوی دونوں صاحبِ ایمان ہوں اور دونوں نے نیک عمل کیے ہوں اور دونوں جنت میں چلے جائیں تو کیا جنت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی آپس میں شادی کرائے گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابومحمد! اللہ عادل ہے، اگر شوہر بیوی سے افضل ہوا تو خدا اسے اختیار دے گا۔ اگر اس نے اپنی سابقہ بیوی کا انتخاب کیا تو اسے اس کی بیوی بنا دیا جائے گا اور اگر بیوی شوہر سے افضل ہوئی تو اسے اختیار دیا جائے

۴۔ اگر بیوی نے سابق خاوند کا انتخاب کیا تو اس سے اس کا نکاح کر دیا جائے گا۔

کتاب الخصال میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ یہ فرمائیں اگر ایک عورت نے زندگی میں دو شوہروں سے نکاح کیا ہو اور اتفاق سے بیوی بھی جنت میں چلی جائے اور دونوں شوہر بھی جنت میں چلے جائیں تو اس عورت کا نکاح کس شوہر سے کیا جائے گا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورت اپنی زوجیت کے لیے اس شوہر کا انتخاب کرے گی جو ان میں سے زیادہ بااخلاق اور اپنے خاندان والوں کے لیے بہتر ہوگا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اے ام سلمہؓ حسن اخلاق دنیا و آخرت کی ہر بھلائی کا ذریعہ ہے

ملائکہ مومن کو مبارک دیں گے

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

"ملائکہ ہر دروازے سے ان کے پاس داخل ہوں گے۔ صبر کرنے والو! تم پر سلام ہوں۔ آخرت کا گھر کتنا ہی اچھا ہے"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مومن کے دخول جنت کی کیفیت کے بعد مرقوم ہے۔ خدا پھر ایک ہزار فرشتے اسے جنت کی مبارک دینے کے لیے روانہ کرے گا۔ وہ اس کی حور سے شادی کریں گے۔ جب وہ اس کے صدر دروازے پر پہنچیں گے تو وہ اس کے دربان فرشتے سے کہیں گے کہ خدا کے پیارے سے ہمارے لیے اجازت حاصل کرو' کیونکہ ہم نے اسے مبارک پیش کرنا ہے۔

دربان کہے گا: میں تمھارا یہ پیغام اس کے حاجب تک پہنچا دیتا ہوں۔ وہ حاجب کے پاس جائے گا جب کہ دربان اور حاجب کے درمیان تین باغات کا فاصلہ ہوگا۔ الغرض دربان فرشتہ حاجب کے پاس جا کر اس سے کہے گا' باہر دروازے پر ایک ہزار فرشتے خدا کے اس پیارے بندے کو مبارک دینے کے لیے آئے ہیں۔ آپ ان کے لیے اجازت حاصل کریں۔

حاجب کہے گا کہ میرے لیے ان کے پاس جا کر اجازت حاصل کرنا بڑا مشکل ہے' کیونکہ اس وقت وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہے۔ بہرحال میں تمھارا یہ پیغام آگے روانہ کرتا ہوں۔ اللہ کے پیارے بندے اور حاجب کے درمیان دو باغات حائل

ہوں گے۔ پھر حاجب اس کے نگران خاص کے پاس آئے گا اور اس سے کہے گا کہ رب العالمین نے ایک ہزار فرشتوں کو مبارک دینے کے لیے اپنے پیارے بندے کے پاس بھیجا ہے' لہٰذا تم اس سے ان کے لیے اجازت حاصل کرو۔

نگرانِ خاص یہ پیغام لے کر اس کے خُدام کے پاس جائے گا اور ان سے کہے گا کہ تم خدا کے اس پیارے بندے سے ملائکہ کے لیے اجازت حاصل کرو۔ الغرض خدام اس سے اجازت طلب کریں گے وہ اجازت دے گا۔ اس کے محل میں ایک ہزار دروازے ہوں گے۔ ہر دروازے سے ایک فرشتہ داخل ہو کر اسے مبارک دے گا اور وہ خدا کی طرف سے اسے سلام کا تحفہ پیش کر کے کہے گا: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ "تمھارے صبر کرنے کی وجہ سے تم پر سلامتی ہو آخرت کا گھر کتنا ہی اچھا ہے"۔

روضہ کافی میں بھی یہ روایت انھی الفاظ اور اسی سند سے مذکور ہے۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ملائکہ کے ایک گروہ نے بنی آدم پر حلال لذات وشہوات کے متعلق اعتراض کیا۔ اللہ کو ملائکہ کی یہ تنقید پسند نہ آئی۔ اللہ نے اعتراض کرنے والوں میں لذات و شہوات کا مادہ پیدا کر دیا' تاکہ وہ اہلِ ایمان پر اعتراض نہ کر سکیں۔ جب ملائکہ نے اپنے اندر اس مادہ کو محسوس کیا تو انھوں نے خدا کے حضور فریاد کی کہ پروردگار' ہم معافی چاہتے ہیں۔ ہمیں ہماری پہلی فطرت کی طرف لوٹا دے۔ اگر یہ مادہ ہم میں موجود رہا تو ہم پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اللہ نے ان سے لذات وشہوات کا مادہ ختم کر دیا۔ جب قیامت کا دن ہوگا اور اہلِ جنت جنت میں جائیں گے تو وہی ملائکہ اہلِ جنت سے ملاقات کی اجازت طلب کریں گے اور جب انھیں اجازت ملے گی تو وہ انھیں سلام کر کے کہیں گے: تم پر سلام ہو' تم نے دنیا میں رہ کر حلال لذات وشہوات پر قناعت کی تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ملائکہ مفلس مومنین کو سلام کر کے کہیں گے کہ تم پر سلام ہو' تم نے دنیا میں رہ کر فقر و غربت پر صبر کیا تھا۔ آخرت کا گھر کتنا ہی اچھا ہے۔

لعنت کے حق دار

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝

''اور وہ لوگ جو خدا سے پختہ عہد و پیمان کے بعد اسے توڑتے ہیں اور ان رابطوں کو کاٹتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں' ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بُرا ٹھکانا ہے''۔

اصولِ کافی میں حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام کی زبانی منقول ہے کہ میرے جدِ امجد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے میرے والد علیہ السلام سے فرمایا تھا: اے پیارے فرزند! قاطعِ رحم کی دوستی سے پرہیز کرنا۔ قرآن مجید میں تین مقامات پر میں نے اسے ملعون پایا ہے۔ پھر آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ''وہ خدا سے کیے ہوئے پختہ عہد کو توڑتے ہیں اور جن رابطوں کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے وہ ان کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے آخرت میں برا ٹھکانا ہے''۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے: وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے عالمِ ذر میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار کیا تھا اور جن سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیرِ خم میں ولایتِ علیؑ کا اقرار لیا' لیکن انھوں نے اسے بعد میں توڑ ڈالا۔

عیون الاخبار میں گناہانِ کبیرہ کے ضمن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پیمان شکنی اور قطع رحمی کا تعلق بھی گناہانِ کبیرہ سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ''ان کے لیے لعنت ہے اور آخرت میں برا ٹھکانا ہے''۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿٢٧﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ
الْقُلُوْبُ ؕ﴿۲۸﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَ حُسْنُ
مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ
لِّتَتْلُوَاۡ عَلَیْهِمُ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَهُمْ یَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ
قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ
اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ
الْمَوْتٰی ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ اَفَلَمْ یَایْـَٔسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ
لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰی
یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ
بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫
فَكَیْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا
كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا
یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ
كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ
اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ
الْمُتَّقُوْنَ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ۚ
تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ
يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۚ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۚ
اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۚ
وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ
اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ
وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ
وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا
الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۚ
وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ

مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

''اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے اور یہ لوگ دنیاوی زندگی پا کر خوش ہیں' حالانکہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلے میں متاعِ قلیل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے رب کی طرف سے کوئی مثال کیوں نہیں اُتاری گئی۔

آپ کہہ دیں خدا جسے چاہتا ہے گمراہی میں رکھتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے تو اسے اپنی جانب رہنمائی کرتا ہے۔

وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ دلوں کو یادِ خدا سے ہی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انھوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کے لیے خوش خبری ہے اور ان کے لیے اچھا انجام ہے۔

اسی طرح سے ہم نے آپ کو ایک ایسی اُمت میں رسول بنا کر بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی اُمتیں گزر چکی ہیں' تاکہ تم ان لوگوں کو وہ پیغام سناؤ جو ہم نے تم پر وحی کیا ہے' جب کہ یہ لوگ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ وہ میرا رب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی میرا ملجا و ماویٰ ہے۔

اگر کوئی قرآن ایسا ہو جس سے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے چلایا جا سکے یا زمین کے فاصلے طے

کیے جاسکیں یا اس کے ذریعہ سے مردوں سے گفتگو کرائی جا سکے۔ (تو بھی یہ لوگ ایمان نہ لائے) بلکہ تمام امور اللہ کے لیے ہیں۔ کیا ابھی تک اہلِ ایمان اس بات سے مایوس نہیں ہوئے کہ اگر خدا جبراً چاہتا تو سارے انسانوں کو ہی ہدایت دے دیتا؟ اور کافروں پر ان کے افعال کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پڑتی رہے گی یا ان کے دیار کے آس پاس مصیبت آتی رہے گی یا یہاں تک کہ وعدۂ الٰہی کا وقت آ جائے یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کا مذاق اُڑایا جاچکا ہے مگر میں نے ہمیشہ انکار کرنے والوں کو ڈھیل دی، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا، دیکھ لو میری سزا کیسی سخت ہوتی ہے؟

تو کیا وہ ذات جو ہر ایک کے اعمال کی نگران ہے، لوگوں نے اس اللہ کے لیے شریک بنا رکھے ہیں، آپ کہہ دیں کہ ان شرکاء کے نام تو بتاؤ کیا تم اللہ کو ایک نئی چیز کی خبر دے رہے ہو جسے وہ اپنی زمین میں نہیں جانتا؟ یا تم ایسے لوگ ہو کہ جو تمھارے منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ کفر کرنے والوں کے لیے ان کی چال بازیاں خوش نما بنا دی گئی ہیں اور انھیں راہِ راست سے روک دیا گیا ہے اور جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے اس کے لیے ہدایت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

ان کے لیے دنیاوی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب کہیں زیادہ سخت ہے اور انھیں خدا سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ متقین سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اس کے پھل دائمی ہیں اور اس کا سایہ لازوال ہے۔ یہ اہلِ تقویٰ کا انجام ہے اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی وہ اس کتاب سے جو آپ پر اتاری گئی ہے خوش ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو نہیں مانتے۔ آپ کہہ دیں مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے اس کا شریک ٹھہرانے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی کی

طرف ہی دعوت دیتا ہوں اور اس کی طرف میرا رجوع ہے۔

اور اسی طرح سے ہم نے قرآن کو عربی زبان کا فرمان بنا کر نازل کیا ہے اور اگر آپؐ نے علم آجانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کی تو خدا کی طرف سے کوئی تمھارا سرپرست اور کوئی چھڑانے والا نہ ہوگا۔

تم سے پہلے بھی ہم نے بہت سے رسول بھیجے ہیں اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور بچے بھی قرار دیئے تھے اور کسی رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لے آئے۔ ہر مدت اور میعاد کے لیے ایک نوشتہ مقرر ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے' اصل کتاب اسی کے پاس ہے۔

اور اے نبی! جس برے انجام کی دھمکی ہم ان لوگوں کو دے رہے ہیں اس کا کوئی حصہ خواہ ہم تمھارے جیتے جی دکھا دیں یا اس سے پہلے ہم تمھیں اٹھالیں بہرحال آپ کا کام پیغام پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔

کیا لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم زمین کا دائرہ ہر طرف سے تنگ کرتے چلے آتے ہیں۔ اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے اور کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور اسے حساب کرتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ ان کے پہلے والے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا مگر ساری تدبیریں اللہ کے ہی اختیار میں ہیں' وہ جانتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے اور کافروں کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ کس کا انجام بہتر ہونے والا ہے۔

کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں' آپ کہہ دیں کہ ہمارے اور تمھارے درمیان رسالت کی گواہی کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے"۔

عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اے علیؑ! میرے بعد تجھ پر ظلم کیا جائے گا تو جنت کے شجرۂ طوبیٰ کا مالک ہے۔ اس کا تنا تیرے گھر میں ہوگا اور اس کی

ذیں تیرے شیعوں اور چاہنے والوں کے گھروں میں ہوں گی۔

خدا کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝

''اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے''۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: بے سکون دلوں کو اللہ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے سکون ملتا ہے۔ نبی اکرمؐ ''ذکر اللہ'' ہیں اور آپؐ خدا کا حجاب ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ الذین امنوا سے امیر المومنینؑ کے شیعہ مراد ہیں اور ''ذکر اللہ'' سے امیر المومنین اور ائمہ علیہم السلام مراد ہیں۔ (مقصد یہ کہ شیعانِ امیر المومنینؑ کو اہل بیت طاہرینؑ کے ذکر سے سکون ملتا ہے)

درختِ طوبیٰ

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں جنت میں گیا تو میں نے وہاں ایک درخت دیکھا اور وہ درخت اتنا پھیلا ہوا تھا کہ اگر کوئی پرندہ سات سو سال تک بھی پرواز کرے تو بھی اس کی وسعت کو نہیں پاسکے گا۔ جنت کے ہر گھر میں اس کی شاخ موجود ہے۔

میں نے جبریل امینؑ سے پوچھا: یہ کیسا درخت ہے؟ انھوں نے کہا: یہ درختِ طوبیٰ ہے۔ اللہ نے اسی کے متعلق فرمایا:

طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ۝

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: امیر المومنین علی علیہ السلام کے گھر میں ایک درخت ہے اور اس درخت کی شاخیں تمام شیعانِ علیؑ کے گھروں میں ہوں گی، اس درخت کے ایک پتہ کے نیچے ہزاروں افراد بیٹھ سکتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دختر حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کو بہت زیادہ چوما کرتے تھے۔ بی بی عائشہ نے اس پر تعجب کیا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:

عائشہ! جب مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو میں جنت میں داخل ہوا۔ جبریل امینؑ مجھے شجرۂ طوبیٰ کے پاس لے گئے اور انھوں نے اس کا پھل میرے سامنے پیش کیا۔ میں نے اسے کھایا، اللہ نے جنتی غذا کو میری صلب میں مادہ منویہ میں تبدیل

کردیا۔ جب میں زمین پر آیا تو میں نے خدیجہؑ سے ہم بستری کی اور فاطمہؑ شکم میں آ گئیں۔ مجھے جب بھی جنت کا اشتیاق ہوتا ہے تو میں اسے بوسہ دیتا ہوں اور جب بھی میں اپنی بیٹی کا بوسہ لیتا ہوں تو مجھے درخت طوبیٰ کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ فاطمہؑ انسانی شکل میں حور ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب میں جنت میں داخل ہوا تو جنت میں میں نے شجرۂ طوبیٰ کو دیکھا' جس کی جڑ علیؑ کے گھر میں تھی۔ جنت کے ہر محل میں اس کی شاخ موجود تھی۔ اس درخت کے اوپر والے حصے میں سندس واستبرق کی خلعتیں تھیں۔ مرد مومن کو ایک ایک لاکھ تھیلے دیئے جائیں گے اور ہر تھیلے میں ایک ایک لاکھ خلعتیں ہوں گی۔ ہر خلعت کا رنگ دوسری سے مختلف ہوگا۔ اہل جنت اس لباس کو پہنیں گے۔ جنت کے درمیان پھیلا ہوا سایہ ہوگا۔ جنت کا عرض آسمان و زمین کے عرض کے برابر ہوگا۔ اگر ایک سوار دو سو سال تک اس کے سائے میں چلے پھر بھی وہ ختم نہیں ہوگا۔ اسی کو اللہ نے لفظ ظل ممدود (پھیلے ہوئے سائے) سے تعبیر کیا ہے۔

درخت طوبیٰ کی نچلی شاخوں پر اہل جنت کے لیے پھل لگے ہوں گے اور وہ اہل ایمان کے محلات میں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ایک ایک شاخ پر سیکڑوں قسم کے ایسے پھل ہوں گے جن میں سے کچھ تم نے دنیا میں دیکھے ہوں گے اور کچھ تمہارے اَن دیکھے ہوں گے۔ کچھ کا نام تم نے سنا ہوگا اور کچھ کا نام تم نے سنا تک نہیں ہوگا۔ جب شاخ سے ایک پھل توڑا جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا اور ان پھلوں کے متعلق اللہ نے فرمایا: لَّا مَقۡطُوۡعَۃٍ وَّ لَا مَمۡنُوۡعَۃٍ ۙ (الواقعہ:۳۳) "وہ پھل نہ تو ختم ہوں گے اور نہ ان کے لیے کوئی رکاوٹ ہوگی)

اس درخت کے نیچے جنت کی نہر بہہ رہی ہوگی جس سے جنت کی چار نہریں نکلیں گی۔ ایک نہر وہ ہے جس کا پانی کبھی بدذائقہ نہ ہوگا اور ایک نہر دودھ کی ہوگی جس کا ذائقہ خراب نہ ہوگا۔ ایک نہر شراب طہور کی ہوگی جس میں پینے والوں کے لیے لذت ہی لذت ہوگی اور ایک نہر صاف شہد کی ہوگی۔

اصول کافی میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اہل دین کی کچھ علامات ہیں جن سے ان کی پہچان ہوتی ہے وہ سچ بولنے والے ہوتے ہیں اور امانت کو ادا کرتے ہیں۔ عہد کی پابندی کرتے ہیں' صلہ رحمی کرتے ہیں' اپنے سے کمزور پر شفقت کرتے ہیں۔ جنسی لذات کی طرف زیادہ مائل نہیں ہوتے۔ لوگوں سے بھلائی کا سلوک کرتے ہیں' حسن اخلاق ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ وہ بااخلاق ہوتے ہیں۔ علم کے پیروکار ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی قربت کے متلاشی رہتے ہیں۔ یقیناً ان کے لیے قربت ہے اور ان کے لیے اچھا انجام ہے۔

جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام ''طوبیٰ'' ہے۔ اس کی جڑ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ہوگی اور ہر مومن کے گھر میں اس کی ایک شاخ ہوگی۔ مومن کے دل میں جس چیز کے حصول کی خواہش پیدا ہوگی۔ شاخ درخت سے اس کی فوراً تکمیل ہوگی' اس کا سایہ اتنا وسیع ہوگا کہ اگر تیز رفتار سوار ایک سو برس تک اس کے سائے میں سفر کرے تو بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔ وہ درخت اتنا بلند وبالا ہوگا کہ اگر ایک کوا اس کی جڑ سے اُوپر کی طرف پرواز کرے تو بوڑھا ہو کر گر پڑے گا لیکن اس کی بلندی تک نہیں پہنچ سکے گا۔

لوگو! اس عظیم نعمت کی طرف رغبت کرو۔ مومن ہمیشہ اپنے آپ کو مصروف رکھتا ہے' لوگ اس سے راحت میں رہتے ہیں۔ جب رات ہوتی ہے تو وہ اپنے چہرے سمیت پورے وجود کو خدا کے لیے جھکا دیتا ہے اور خدا سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اسے آتشِ دوزخ سے آزادی عطا فرمائے۔ لوگو! اس طرح سے بننے کی کوشش کرو۔

کتاب الخصال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''حروف ابجد'' کی تشریح میں ایک روایت مروی ہے۔ آپؐ نے حرف ''طا'' کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ''طا'' سے طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ مراد ہے۔

''طوبیٰ'' وہ درخت ہے جسے اللہ نے اپنے ہاتھ (قدرت کاملہ) سے کاشت کیا ہے اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے۔ اس کی ٹہنیاں جنت کی چار دیواری کے باہر سے دکھائی دیں گی۔ اس درخت سے اہلِ جنت کے لیے خلعتیں برآمد ہوں گی اور اس کے پھل ان کے منہ کے سامنے جھکے پڑے ہوں گے۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے روزِ شوریٰ اپنے حق کا استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ حاضرین! ذرا یہ تو بتاؤ کہ کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تم نے یہ نہیں سنا تھا کہ طوبیٰ جنت کا ایک درخت ہے' اس کی جڑ علیؑ کے گھر میں ہوگی اور تمام اہلِ ایمان کے گھروں میں اس کی شاخیں ہوں گی۔ کیا میرے علاوہ کسی اور کے لیے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات کہے تھے؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

''طوبیٰ'' کا ایک معنی خوش خبری بھی ہے۔ اس لفظ سے ہر جگہ درخت طوبیٰ مراد لینا بھی صحیح نہیں ہے' جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں یہ لفظ خوش خبری کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔

احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے روزِ شوریٰ اپنے استحقاقِ خلافت کے دلائل دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا:

لوگو! کیا رسولِ اکرمؐ نے مجھ سے یہ نہیں فرمایا تھا: اے علیؑ! اللہ نے تجھے ایک امر سے مخصوص کیا ہے اور تجھے وہ عطا کیا ہے۔ دنیا سے بے نیازی ایک ایسا عمل ہے، جو تمام اعمال سے افضل ہے اور یہ خدا کو تمام اعمال سے زیادہ محبوب ہے۔ تم دنیا سے بے نیاز رہو گے اور دنیا تمھیں اپنے جال میں نہیں پھانس سکے گی۔ دنیا سے بے نیازی ایک ایسا عمل ہے جو قیامت کے دن نیک لوگوں کے لیے زینت تابت ہوگی۔ خوش خبری ہے اس کے لیے جو تجھ سے محبت کرے اور تیرے علم کی تصدیق کرے اور ہلاکت ہے اس کے لیے جو تجھ سے بغض رکھے اور تجھ پر جھوٹ تراشے۔ کیا میرے علاوہ بھی رسولؐ خدا نے کسی دوسرے کے متعلق یہ کلمات فرمائے تھے؟

حاضرین نے کہا: نہیں۔

ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے خوش خبری ہے۔ جس نے میرا دیدار کیا اور مجھ پر ایمان لایا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: سات بار خوش خبری ہے اس کے لیے جس نے مجھے نہ دیکھا ہو اور مجھ پر ایمان لایا ہو۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو ہمارے قائمؑ کے زمانۂ غیبت میں ہمارے حکم سے متمسک رہے اور ہدایت کے بعد اس کے دل میں کجی پیدا نہ ہوئی ہو تو اس کے لیے ''طوبیٰ'' ہے۔

ایک شخص نے کہا: مولاؑ! ''طوبیٰ'' کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ جنت کا درخت ہے جس کی جڑ حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں ہوگی اور اس کی شاخیں ہر مومن کے گھر میں ہوں گی۔ اللہ نے فرمایا ہے: طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝۲۹

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے خوش خبری ہے جسے میری اہلِ بیتؑ کے قائمؑ کا ظہور نصیب ہو اور وہ ان کے زمانۂ غیبت میں ان کا تابع رہا ہو۔ ان کے دوستوں سے محبت اور ان کے دشمنوں سے بیزار رہا ہو۔ ایسا شخص میرے رفقاء اور میرے محبت کرنے والوں میں سے ہوگا اور ایسا شخص قیامت کے دن میری نظر میں سب سے زیادہ عزیز ہوگا۔

تزویجِ زہراءؑ اور شجرۂ طوبیٰ

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ایک دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں اُم ایمن

آئیں۔ انھوں نے اپنے پلو میں کوئی چیز اُٹھا رکھی تھی۔ آنحضرتؐ نے اُم ایمن سے فرمایا: تم نے یہ کیا چیز باندھی ہوئی ہے؟

اُم ایمن نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! فلاں لڑکی کی شادی تھی۔ میں اس کے نکاح پر گئی تھی۔ اس کے خاندان والوں نے شادی کی خوشی میں چھوارے نثار کیے۔ میں نے بہت سے چھوارے چنے اور میں نے وہ چھوارے اپنے پلو میں باندھ رکھے ہیں۔ یہ کہہ کر اُم ایمن زار و قطار رونے لگیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے اُم ایمن! خیریت تو ہے تو روکیوں رہی ہو؟

اُم ایمن نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے فاطمہ زہراؑ کی شادی کی، لیکن آپؐ نے کچھ بھی نثار نہیں کیا (میں آپؐ کی غربت اور فاطمہؑ کی بے کسی کو دیکھ کر رو رہی ہوں)۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے اُم ایمن! مت روؤ۔ اس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے جب فاطمہؑ کی ڈولی اُٹھی تو اس کی بارات میں ہزاروں فرشتوں کو لے کر جبریلؑ، میکائیلؑ اور اسرافیلؑ نازل ہوئے تھے۔ اللہ نے جنت میں درختِ طوبیٰ کو حکم دیا تھا کہ وہ فاطمہؑ کی شادی پر سندس و استبرق کی پوشاکیں اور زمرد و یاقوت نچھاور کرے۔ درختِ طوبیٰ نے یہ تمام چیزیں جنت میں نچھاور کی تھیں اور اہلِ جنت نے وہ چیزیں اُٹھا اُٹھا کر جمع کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے شجرۂ طوبیٰ مہرِ فاطمہؑ کے طور پر فاطمہؑ کو عطا کیا ہے۔ وہ دخت علیؑ کے گھر میں ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''طوبیٰ'' جنتِ عدن کا ایک درخت ہے جسے ہمارے رب نے اپنے ہاتھ (قدرت کاملا) سے کاشت کیا ہے۔

مصافحہ کا ثواب

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب کوئی مومن دوسرے مومن بھائی سے ملاقات کرتا ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو اس وقت ان کے گناہ یوں جھڑتے ہیں جیسے موسم خزاں میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔ پھر جب وہ جدا ہوتے ہیں تو ''کراماً کاتبین'' ان سے کہتے ہیں: خدا تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اگر ان میں سے کوئی دوسرے مومن کو گلے لگاتا ہے تو اس وقت منادی ندا کر کے کہتا ہے تم دونوں کے لیے طوبیٰ ہو اور بہتر انجام ہو۔

طوبیٰ جنت کا ایک درخت ہے جس کی جڑ امیر المومنین علی علیہ السلام کے گھر میں ہے اور اس کی شاخیں پوری جنت

میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جب دو مومن ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو دو محترم فرشتے ان سے کہتے ہیں: اے خدا کے پیارو! تمہیں خدا کی طرف سے عزت و احترام کی بشارت ہو، تمہارا انجام جنت ہے۔

ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص تین اہلِ ایمان کو کھانا کھلائے خدا اسے تین مقامات سے کھانا کھلائے گا:

۱۔ اسے جنت الفردوس کا کھانا کھلائے گا۔ ۲۔ اسے جنتِ عدن کا کھانا کھلائے گا۔ ۳۔ اسے درختِ طوبیٰ کا پھل کھلائے گا اور یہ وہ درخت ہے جسے جنتِ عدن میں ہمارے پروردگار نے اپنے ہاتھ (قدرتِ کاملہ) سے کاشت کیا ہے۔

برکتِ قرآن

اصولِ کافی میں ابراہیم کی زبانی منقول ہے کہ میرے والد نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا ہمارے نبی تمام انبیائے سابقین کے وارث تھے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے سے پہلے والے نبی کے جملہ اوصاف کے وارث تھے اور خدا نے تمام انبیاء کی بہ نسبت آنحضرتؐ کو زیادہ علم عطا کیا تھا۔

میں (راوی) نے کہا: حضرت عیسیٰ بن مریمؑ اذنِ خدا سے مُردے زندہ کرتے تھے اور حضرت سلیمان بن داؤدؑ پرندوں کی بولی جانتے تھے تو کیا ہمارے رسولؐ کے پاس بھی یہ خصوصیات موجود تھیں۔

آپؑ نے فرمایا: جب حضرت سلیمانؑ نے ہُدہُد پرندہ کو نہ پایا تو آپؑ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جب وہ آیا تو میں اسے سخت عذاب دوں گا یا اسے ذبح کروں گا یا وہ کوئی معقول وجہ بیان کرے۔

اصل بات یہ تھی کہ ہُدہُد آپؑ کو بتاتا تھا کہ زمین میں پانی کی سطح کہاں بلند ہے اور کہاں پست ہے۔ ہُدہُد کے پاس ایک ایسا علم تھا جو سلیمان علیہ السلام کے پاس بھی نہیں تھا۔ جب کہ آپؑ ہوا اور جانوروں اور چرندوں پرندوں، انسانوں اور جنات پر حکومت کرتے تھے، اس کے باوجود آپؑ کو زمین کے اندر چھپے ہوئے پانی کے متعلق علم نہیں تھا اور ایک پرندے کو اس کا علم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى "اور ہم اس قرآن کے وارث ہیں جس سے پہاڑوں کو چلایا جا سکتا ہے اور زمین کے ٹکڑے کیے جا سکتے ہیں اور مُردوں سے کلام کیا جا سکتا ہے۔ ہم ہوا کے نیچے پانی کی موجودگی سے واقف ہیں؟"

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے متعلق فرمایا ہے: وَمَا مِنْ غَآىِٕبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (النمل: ۷۵) ”آسمان وزمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جو کتابِ مبین میں موجود نہ ہو۔

اللہ نے اس کتاب کے وارثوں کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فاطر: ۳۲) ”پھر ہم نے اپنے مصطفیٰ بندوں کو کتاب کا وارث بنایا“۔

ہم ہی خدا کے وہ چنے ہوئے بندے ہیں جنھیں خدا نے اس کتاب کا وارث بنایا، جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ ...... کے ضمن میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ کفار کے علاقوں پر وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے عذاب کے جھٹکے آتے رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتے تھے اور وعدۂ خدا کے پورا ہونے تک ان کی یہی روش رہے گی۔ آخرکار جب خدا کا وعدہ پورا ہوگا تو اہلِ ایمان کی مدد ہوگی اور خدا کفار کو رُسوا کرے گا۔

اصولِ کافی اور عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جان لو خدا تمھیں اچھائی کی تعلیم عطا کرے۔ اللہ کی ایک صفت ”قائم“ ہے لیکن اس کے قیام کی وہ صفت نہیں ہے جو مادی اشیاء کے قیام کی ہوتی ہے۔ خدا کے ”قائم“ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ وہ محافظ ونگران ہے جیسا کہ عربی زبان میں کہا جاتا ہے: اَلْقَآئِمُ بِاَمْرِ فُلَان ”فلاں شخص فلاں شخص کے امور کا نگران ہے“۔ اور خدا نے اپنے متعلق فرمایا: اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ”یعنی اللہ ہر شخص کے اعمال کا نگران ونگہبان ہے“۔

قائم کا ایک معنی کفایت کنندہ بھی ہے جیسا کہ تم کسی سے کہتے ہو: قُم بِامرِ بَنِى فُلَان ”فلاں قبیلہ کے معاملات کی کفایت کرو“۔ لفظ ”قائم“ کا اطلاق اللہ پر بھی ہوتا ہے اور اس کی مخلوق پر بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ اسم ایک ہے، لیکن مفہوم الگ الگ ہے۔

نہج البلاغہ میں قَآئِمٍ بِلَا عَمَدٍ (کسی سہارے کے بغیر قائم) کے الفاظ وارد ہیں۔

آتشِ دوزخ کی گرمی

وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝

”کافروں کا آخری انجام دوزخ ہے“۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: دوزخ کی آگ تمھاری اس آگ سے ستر گنا زیادہ گرم ہے۔ دوزخ کی آگ کو ستر بار پانی میں بجھایا گیا تو وہ موجودہ حالت میں ظاہر ہوئی اور اگر اسے ٹھنڈا نہ کیا جاتا تو کوئی انسان اسے بجھا نہ سکتا۔ اس آگ کو قیامت کے دن دوزخ کی آگ پر پلٹا جائے گا تو اس کی چیخ بلند ہوگی اور وہ چیخ اتنی دہلا دینے والی ہوگی کہ تمام مقرب فرشتے اور نبی مرسل دہشت زدہ ہو کر گھٹنوں کے بل گر جائیں گے۔

ہر نبی بیوی بچوں والا ہوتا ہے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً

"اور تم سے پہلے بھی ہم نے بہت سے رسول بھیجے ہیں اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور بچے بھی قرار دیئے تھے"۔

روضہ کافی کی ایک اور تفسیر عیاشی کی پانچ اور محسن برقی کی ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایات مروی ہیں جن سب کا ماحصل یہ ہے کہ باقی انبیاء کی طرح سے حضرت رسولِ خدا کو بھی اللہ نے ازواج و اولاد والا بنایا تھا۔ آنحضرتؐ کی ذریت ہم ہیں۔

خدا کے محو و ثبات کے اختیارات

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

"اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ اصلِ کتاب اس کے پاس ہے"۔

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا کہ اللہ نے اس امر کے لیے ۷۰ھ کا وقت مقرر کیا تھا، لیکن جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو اللہ اہلِ زمین پر ناراض ہوا اور اس کا وقت بدل کر ایک سو چالیس کر دیا۔ ہم نے تمھیں وقت سے آگاہ کر دیا۔ تم نے اسے لوگوں میں پھیلا دیا۔ اس کے بعد اللہ نے اس کا وقت بدل دیا جس کے متعلق ہمیں بھی معلوم نہیں ہے۔ پھر آپ نے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ کی آیت تلاوت فرمائی۔

ابوحمزہ کہتے ہیں کہ میں نے یہی بات امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے بیان کی تو آپؑ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی

۴۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کے ضمن میں فرمایا: ''اللہ اس کو تو مٹاتا ہے جو پہلے موجود ہو اور اسی کو ہی قائم کرتا ہے جو پہلے سے موجود نہ ہو؟''

روضہ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے جس کا مضمون حسب ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے سامنے انبیاء کے نام اور ان کی عمریں پیش کیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے حضرت داؤد علیہ السلام کا نام پیش کیا گیا اور انھیں بتایا گیا کہ اس کی عمر چالیس برس ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: خدایا! میری عمر بڑی طویل ہے جب کہ داؤدؑ کی عمر بہت کم ہے۔ میں اپنی زندگی کے تیس سال داؤدؑ کو دینا چاہتا ہوں' کیا میری یہ پیش کش قبول ہو سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں' تمھاری یہ پیش کش ہم قبول کرتے ہیں۔

آدم علیہ السلام کی درخواست پر اللہ نے حضرت داؤدؑ کی زندگی میں تیس سال کا اضافہ کر دیا اور حضرت آدمؑ کی زندگی میں سے تیس سال کم کر دیئے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کے پاس محو و اثبات کے اختیار ہیں اور اس نے فرمایا ہے: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ اللہ۔ نے حضرت آدمؑ کی مقرر کردہ مدت میں سے تیس برس مٹا دیئے اور حضرت داؤدؑ کی زندگی میں تیس برس کا اضافہ کر دیا۔

جب آدم علیہ السلام کی زندگی کے لمحات ختم ہوئے تو ملک الموت ان کی روح قبض کرنے کے لیے ان کے پاس آئے۔ حضرت آدمؑ نے ملک الموت سے کہا: ابھی تو میری زندگی کے تیس سال باقی ہیں۔ ملک الموت نے کہا مگر وہ تیس سال تو آپؑ نے اپنے فرزند داؤدؑ کو ہبہ کر دیئے تھے۔ حضرت آدمؑ نے کہا: مجھے اس طرح کی کوئی بات یاد نہیں ہے' اگر اس طرح کا میں نے کوئی معاہدہ کیا تھا تو وہ لکھا ہوا معاہدہ میرے پاس لاؤ۔

حضرت آدمؑ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ بات یہ ہے کہ انھیں یہ بات بھول چکی تھی۔ ملک الموت نے وہ لکھا ہوا معاہدہ ان کو دکھایا تو انھیں یقین آیا۔ اسی دن سے اللہ نے بندوں کو حکم جاری کیا کہ وہ باہمی معاہدوں کو لکھ لیا کریں' تاکہ کوئی فریق اگر بھول بھی جائے تو اسے یاد دہانی کرائی جا سکے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ کی آیت مجیدہ کا

مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

جب تک قضا اُم الکتاب تک نہیں پہنچتی تو اس وقت تک دعا سے قضا کو ٹالا جا سکتا ہے' البتہ جب قضا اُم الکتاب تک پہنچ جائے تو پھر دعا غیر مؤثر ہو جاتی ہے۔

زرارہ اور مسعد بن صدقہ کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکمِ خدا کے تحت فرمایا تھا: یٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِیۡ كَتَبَ اللّٰهُ لَـكُمۡ (المائدہ:۲۱) "اے میری قوم! اس ارضِ مقدس میں داخل ہو جاؤ جو خدا نے تمھارے لیے لکھ دی ہے"۔ لیکن جب قوم نے نافرمانی کی تو اللہ نے انھیں اس سرزمین میں داخل نہ ہونے دیا۔ ان کی نسل سے اس وعدہ کو پورا کیا۔ پھر امامین نے یَمۡحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثۡبِتُ ۚ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ کی آیت تلاوت کی۔

حمران کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

حمران! جب شب قدر ہوتی ہے تو اللہ کاتب فرشتوں کو زمین پر نازل کرتا ہے وہ آئندہ سال میں واقع ہونے والے حالات کو لکھتے ہیں۔ جب اللہ ان واقعات کو آگے پیچھے کرنا چاہتا ہے تو فرشتے کو حکم دیتا ہے اور جو مٹانا ہوتا ہے اسے مٹا دیتا ہے اور جسے برقرار رکھنا مقصود ہوتا ہے اسے برقرار رکھتا ہے۔

ابوحمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ صادقین علیہما السلام نے فرمایا: اے ابوحمزہ! اگر ہم تمھیں کسی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے متعلق بتائیں کہ یہ آج واقع ہوگا اور اتفاق سے وہ واقعہ آج کی بجائے کل پیش آئے۔ تو اس میں شک نہ کرنا کیونکہ خدا کو محو و اثبات کا اختیار حاصل ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جب خدا کسی قوم کو فنا کرنا چاہتا ہے تو فلک کو حکم دیتا ہے کہ اپنی گردش تیز کر دے۔ چنانچہ فلک کی گردش میں تیزی آ جاتی ہے اور وہ قوم جلد ہی فنا کے گھاٹ اُتر جاتی ہے۔ اور جب کسی قوم کی بقا کا ارادہ کرتا ہے تو فلک کو حکم دیتا ہے کہ اپنی گردش کو مدہم کر دے۔ حکمِ خدا کی وجہ سے فلک کی گردش دھیمی ہو جاتی ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اس بات پر تعجب کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ خدا کے پاس "محو و اثبات" کا اختیار موجود ہے۔

قربُ الاسناد میں مروی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر قرآن میں یَمۡحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثۡبِتُ ۚ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ کی آیت نہ ہوتی تو میں تمھیں قیامت تک پیش آنے والے حالات کی خبر دے دیتا۔

الخرائج والجرائح میں حضرت عمرو بن الحمق سے منقول ہے کہ جب امیر المومنین علی علیہ السلام کو مسجد کوفہ میں ضرب لگی تو میں آپؑ کی عیادت کے لیے آپؑ کے دار الشرف حاضر ہوا۔ میں نے آپؑ کا زخم دیکھ کر آپؑ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: آپؑ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا یہ معمولی سی چوٹ ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں تم سے جدا ہونے والا ہوں۔ پھر آپؑ نے فرمایا: ستر تک آزمائش رہے گی۔ آپؑ نے اس جملہ کو تین بار دہرایا۔

میں نے عرض کیا: کیا اس مشکل کے بعد آسانی پیدا ہوگی؟ آپؑ نے مجھے جواب نہ دیا۔ آپؑ پر غشی طاری ہوگئی۔ حضرت اُم کلثومؑ رونے لگیں۔ جب آپؑ کو افاقہ ہوا تو آپؑ نے فرمایا: اے اُم کلثوم! مجھے اذیت نہ دے جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تجھے دکھائی نہیں دیتا۔ ساتوں آسمانوں کے فرشتے جوق در جوق اُتر رہے ہیں اور ان کے ساتھ انبیاء کی صف ہے۔ وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں: اے علیؑ! ہمارے پاس آجاؤ۔ اس دنیا کی بہ نسبت آپ کے لیے آگے بہت کچھ موجود ہے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: مولاؑ! آپؑ نے فرمایا تھا کہ ستر تک آزمائش رہے گی کیا ستر کے بعد آسانی پیدا ہوگی؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، آزمائش کے بعد آسانی پیدا ہوگی۔ پھر آپؑ نے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ کی آیت کی تلاوت فرمائی۔

علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: عذاب ظاہر ہونے کے بعد اللہ نے آج تک کسی قوم سے عذاب دُور نہیں کیا، البتہ قومِ یونسؑ اس سے مستثنیٰ ہے۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: کیا قومِ یونسؑ پر عذاب چھا گیا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، وہ اپنی ہتھیلیوں سے عذاب کو محسوس کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود خدا نے ان سے عذاب کو ہٹا دیا تھا۔ سائل نے کہا: یہ کیسے ہوگیا؟

یہ بات خدا کے برقرار علم میں پہلے سے موجود تھی کہ وہ عذاب کو ان سے ہٹا دے گا البتہ اس نے اس سے کسی کو مطلع نہیں کیا تھا۔

الخصال میں حضرت علی علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں: بنا يمحوا الله ما يشآء وبنا يثبت "ہماری وجہ سے خدا جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور ہماری وجہ سے جسے چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے"۔

کتاب التوحید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ نے فرمایا ہے: قالت

اليهود يد الله مغلولة ''یہودیوں نے کہا ہے کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں''۔
اس جملہ سے یہودیوں کا مفہوم یہ تھا کہ اللہ نے تمام معاملات کے فیصلے کر دیئے ہیں' اب کسی کی بیشی کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: غلت ایدیهم ولعنوا بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء ''ان کے اپنے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی ہے۔ اس کے ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں وہ جیسے چاہے خرچ کرے''۔

اسی مفہوم کو خدا نے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝۳۹ کی آیت میں بیان کیا ہے۔

عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور سلیمان مروزی کا ایک مباحثہ مرقوم ہے۔ اس مباحثہ کے دوران سلیمان مروزی نے کہا: اللہ تدبیر امور سے فارغ ہو چکا ہے' اس نے جو کچھ کرنا تھا اس کا وہ پہلے سے فیصلہ کر چکا ہے۔ اب اس میں کسی طرح کی کمی بیشی نہیں ہوگی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ تو یہودیوں کا نظریہ ہے۔ اچھا اگر یہ نظریہ درست ہے تو پھر خدا کے اس فرمان ادعونی استجب لكم (تم مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا) کا کیا مطلب ہے؟

سلیمان نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تمھاری دعائیں قبول کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا خدا اس چیز کا وعدہ کرتا ہے جسے اس نے پورا نہ کرنا ہو؟ اگر تمھارا نظریہ صحیح ہے تو پھر يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ کا کیا مطلب ہے؟ اور اگر تمھارا نظریہ صحیح ہے تو پھر يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ کا کیا مفہوم ہے؟

سلیمان! کچھ امور خدا کی مشیت پر موقوف ہیں وہ ان میں تقدیم و تاخیر کرتا رہتا ہے۔

سلیمان! حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: علم کی دو قسمیں ہیں: علم کی ایک قسم وہ ہے جو اللہ نے اپنے ملائکہ اور انبیاء کو عطا کی ہے۔ ایسی بات یقیناً وقوع پذیر ہوتی ہے' کیونکہ اللہ نہ تو اپنی تکذیب کرتا ہے اور نہ ہی اپنے انبیاء و ملائکہ کی تکذیب پر راضی ہے۔

اور علم کی دوسری قسم وہ ہے جس کی اس نے کسی کو اطلاع نہیں دی ہے۔ اس میں اپنی مشیت کے مطابق تقدیم و تاخیر کرتا رہتا ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝۳۹

امام علیہ السلام کا جواب باصواب سن کر سلیمان خاموش ہو گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن سکا۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ نے تمام انبیاء سے تین باتوں کا اقرار لیا: ۱- اس کی عبودیت کا اقرار ۲- غیر اللہ کی عبادت سے بیزاری ۳- اللہ کو اختیار ہے جس امر کو چاہے مقدم کرے اور جسے چاہے مؤخر کرے۔

الغرض مؤلف نے مسئلہ بداء اور محو و اثبات کے لیے مزید انیس روایات نقل کی ہیں' جن سب کا ماحصل ہم سابقہ روایات کے ترجمہ میں پیش کر چکے ہیں اسی لیے ہم ان روایات سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ (من المترجم عفی عنہ)

علماء وفقہاء کی موت عظیم صدمہ ہے

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ

''کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کا گھیرا ہر طرف سے تنگ کرتے چلے آتے ہیں''۔

کتاب احتجاج طبرسی میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اقوام وملل کی ہلاکت کو اللہ نے زمین کا دائرہ تنگ کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ اس سے فقہاء کی موت مراد ہے۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ اس آیت مجیدہ کے مفہوم کے متعلق مفسرین سے بہت سے اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ زمین کا گھیرا تنگ کرنے سے علماء' فقہاء اور صالحین کی موت ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب لفظ مکر خدا کی طرف منسوب ہو تو اس سے عذابِ الٰہی کا نزول مراد ہوتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام گواہِ پیغمبرؐ ہیں

وَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَسۡتَ مُرۡسَلًا ؕ قُلۡ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ ۙ وَ مَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡکِتٰبِ ﴿۴۳﴾

''کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں' آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے''۔

امالی صدوق میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ

الکِتٰبِ کے متعلق پوچھا اور عرض کیا: آپؐ کا وہ گواہ کون ہے جس کے پاس تمام کتاب کا علم ہے؟

آپؐ نے فرمایا: وہ میرا بھائی علی بن ابی طالبؑ ہے۔

احتجاج طبرسی میں عبداللہ بن ولید السمان سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: یہ بتاؤ لوگ اولی العزم انبیاءؑ اور حضرت علی علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

میں (راوی) نے عرض کیا: لوگ اولی العزم انبیاءؑ سے کسی کو افضل نہیں مانتے۔

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً (اعراف: ۱۴۵) ''ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہر شعبۂ زندگی میں سے کچھ نصیحت لکھ دی''۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ انھوں نے کہا تھا: قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ (زخرف: ۶۳) ''میں تم لوگوں کے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، تاکہ تم پر بعض ان باتوں کی حقیقت کھول دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی کچھ نصیحت لکھی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بعض اختلافی امور کو واضح کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس کلی علم تھا اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس کلی علم تھا جب کہ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے: قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ''آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمھارے درمیان بطور گواہ اللہ کافی ہے اور وہ کافی ہے جس کے پاس کتاب کا علم ہے''۔ اور کتاب میں کتنا علم ہے اس کے متعلق فرمان خداوندی ہے: وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (الانعام: ۵۹) ''ہر خشک و تر کتاب مبین میں موجود ہے''۔ اور جس کتاب مبین میں ہر خشک و تر کا ذکر موجود ہے اس تمام کتاب کا علم امیر المومنین علی علیہ السلام کے پاس موجود ہے۔

سلیم بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میری موجودگی میں ایک شخص نے امیر المومنین علی علیہ السلام سے عرض کیا: آپؑ مجھے اپنی سب سے بڑی فضیلت سے آگاہ کریں؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے: وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ اس آیت میں موجود وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ کے الفاظ کا اشارہ میری طرف ہے۔

اصولِ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ سے ہم مراد ہیں۔ امیر المومنین علی علیہ السلام ہمارے سلسلہ کے فردِ اوّل ہیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ سب سے افضل و برتر ہیں۔

الخرائج میں بھی یہ روایت مرقوم ہے۔

علمِ امام کی وسعت

اصولِ کافی میں سدیر کی زبانی منقول ہے، اس نے کہا کہ میں، ابوبصیر، یحییٰ بزاز اور داؤد بن کثیر امام جعفر صادق علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک مرتبہ آپ گھر سے ناراض ہو کر تشریف لائے۔ جب آپؑ محفل میں بیٹھ گئے تو آپؑ نے فرمایا:

ان لوگوں پر انتہائی تعجب ہے جو ہمارے متعلق یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم غیب جانتے ہیں جب کہ اللہ کے علاوہ غیب کا علم کسی کے پاس نہیں ہے۔ میں نے اپنی کنیز کو سزا دینا چاہی تو وہ بھاگ گئی۔ مجھے تو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ گھر کے کون سے کمرے میں چھپی ہوئی ہے۔

سدیر (راوی) کہتے ہیں جب آپؑ اپنی عمومی مجلس سے اٹھے اور گھر میں تشریف لے گئے تو میں، ابوبصیر اور میسر بھی آپ کے پاس گئے اور ہم نے عرض کیا: ہم آپؑ پر قربان جائیں، آج آپؑ نے کنیز کے متعلق یہ جملے ارشاد فرمائے ہیں جب کہ ہمیں پتہ ہے کہ آپؑ بہت کچھ جانتے ہیں مگر اس کے باوجود ہم آپؑ کو علمِ غیب سے منسوب نہیں کرتے۔ (آخر آپؑ کے اس جملہ کا کیا مقصد تھا؟)

آپؑ نے فرمایا: سدیر! کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپؑ نے فرمایا: کیا تو نے قرآن کریم کی یہ آیت بھی پڑھی ہے: قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (النمل: "اور اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا کہ میں ملکہ سبا کا تخت آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے آپؑ کے پاس لے آؤں گا"۔

میں (راوی) نے کہا: جی ہاں، میں نے قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تم اس شخص کو جانتے ہو اور کیا تمہیں علم ہے کہ اس کے پاس کتاب کا کتنا علم تھا؟

میں نے کہا: آپؑ خود ہی بتائیں کہ اس کے پاس کتنا علم تھا؟

آپؑ نے فرمایا: اس کے پاس بحرِ اخضر میں سے ایک قطرہ کے برابر علم تھا۔ اب خود ہی اندازہ کریں کہ پوری کتاب میں کتنا علم ہوگا؟

میں (راوی) نے کہا: پھر تو اس کے پاس انتہائی قلیل علم تھا۔

آپؑ نے فرمایا: سدیر! ایسا مت کہو بلکہ یہ کہو کہ اس کے پاس کتنا زیادہ علم تھا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: کیا تو نے قرآن حکیم میں یہ آیت پڑھی ہے: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

میں نے کہا: جی ہاں میں نے یہ آیت بھی پڑھی ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ جس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا۔ وہ بڑا عالم تھا یا وہ بڑا عالم ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے؟

میں نے کہا: وہ جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: خدا کی قسم پوری کتاب کا علم ہمارے پاس ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: امیر المومنین علی علیہ السلام کے پاس پوری کتاب کا علم تھا جب کہ سلیمان علیہ السلام کے وزیر کے پاس علمِ کتاب میں سے اتنا علم تھا جتنا کہ سمندر کے پانی سے مچھر کے پَر کے اُوپر پانی لگتا ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: جو علم آدم علیہ السلام آسمان سے زمین پر لے آئے تھے اور جو علم خدا کی طرف سے انبیاء کو عطا ہوا وہ سارے کا سارا علم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا اور آپ کے بعد وہ علم آپ کی عترت میں منتقل ہوا۔

تفسیر عیاشی میں عبداللہ بن عطا سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا: عبداللہ بن سلام کا بیٹا یہ گمان کرتا ہے کہ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ کی آیت اس کے والد کے متعلق نازل ہوئی تھی!!

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس نے جھوٹ کہا۔ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی تھی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: یہ آیت حضرت علی علیہ السلام

اور ان کے بعد ائمہؑ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت علی علیہ السلام کے پاس علم الکتاب تھا اور آپؑ پیغمبرؐ کے بعد اس اُمت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

شیخ مفید روضۃ الواعظین میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ کے مصداق حضرت علی علیہ السلام ہیں ان کے پاس پہلی اور آخری کتاب کا علم موجود ہے۔

بصائر الدرجات میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

عبداللہ بن بکیر کہتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا۔ محفل میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے علم و حکمت کی بحث چھڑ گئی۔

آپؑ نے فرمایا: سنو! سلیمان بن داوٗدؑ کے پاس اسمِ اعظم میں سے ایک حرف تھا جب کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے:

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝

خدا کی قسم! علیؑ کے پاس پوری کتاب کا علم تھا۔

میں (راوی) نے کہا: خدا کی قسم، آپؑ نے سچ فرمایا۔ میں آپؑ پر قربان جاؤں۔

○○○

سُورَةُ اِبْرٰهِيْمَ

سورة ابراهيم مكية غير الم تر الى الذين بدلوا الآية

وهي اثنان وخمسون آية وسبع ركوعات

''سورہ ابراہیم مکہ میں نازل ہوئی مگر الم تر الی الذین بدلوا

کی آیت مدنی ہے

اس سورہ میں باون آیات اور سات رکوع ہیں''۔

سورہ ابراہیم

ثوابِ تلاوت

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص جمعہ کے دن دو رکعت نماز پڑھے اور پہلی رکعت میں (سورہ فاتحہ کے بعد) سورہ ابراہیم اور دوسری رکعت میں (سورہ فاتحہ کے بعد) سورہ الحجر پڑھے تو وہ کبھی بھی مفلس نہ ہوگا اور نہ وہ پاگل ہوگا اور نہ ہی اس پر کوئی مصیبت نازل ہوگی''۔

مجمع البیان میں ابی بن کعب سے منقول ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص سورہ ابراہیم کی تلاوت کرے گا تو جہاں میں جتنے بھی بت پرست ہیں اور جتنے بھی خدا پرست ہیں ان سب کی تعداد سے دس گنا زیادہ اسے اجر ملے گا''۔

سورہ ابراہیمؑ کے مرکزی موضوعات

اس سورہ کے مرکزی موضوعات حسب ذیل ہیں:

قرآن خدا کی کتاب ہے، کفار کی شناخت، ہر نبی اپنی قوم کی زبان میں تبلیغ کرتا ہے، بنی اسرائیل کا حال، شکر سے نعمت اور ناشکری سے عذاب میں اضافہ ہوتا ہے، خدا کی دعوت مغفرت کی طرف ہے، اہلِ ایمان کو خدا پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے، ہر سرکش کے مقدر میں ناکامی ہے، کفار کے اعمال کی وہی حیثیت ہے جو آندھی میں راکھ کے ڈھیر کی ہے، کلمہ طیبہ کی تشبیہ، کلمہ خبیثہ کی تشبیہ، اللہ اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھتا ہے، کفرانِ نعمت کا نتیجہ، خدا کی نعمات کا شمار ناممکن ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا، مکہ میں حضرت اسماعیلؑ کی سکونت، خدا کو ہر شخص کے اعمال کی خبر ہے، قیامت کا ذکر اور خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ط اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ط فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ط وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ

رَبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ
وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا
اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۸﴾ اَلَمْ
يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۹﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي
اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ
ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا
بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ
نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ
وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ
اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ
الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ
مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝۱۴ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ
عَنِيْدٍ ۝۱۵ۙ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۝۱۶ۙ
يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا
هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝۱۷ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ
لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۸
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ
يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۹ۙ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۲۰
وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا
لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ
قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ
صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۲۱ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ

إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ
لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا
تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ ۖ مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۖ
إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ۗ إِنَّ الظّٰلِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ۝۲۲ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا
سَلٰمٌ ۝۲۳ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ
طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝۲۴ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ
بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝۲۵
وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ
الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝۲۶ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ
الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِينَ ۚ
وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ ۝۲۷ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ
كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝۲۸ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ
وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۲۹ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ

قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِيۡرَكُمۡ اِلَى النَّارِ ۞۳۰

سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمٰن و رحیم ہے

ا-ل-ر۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے تمھاری طرف نازل کیا ہے' تا کہ تم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں۔ اس خدا کے راستے پر جو غالب ہے اور لائقِ حمد ہے۔

وہ خدا کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں جس کی ملکیت ہیں اور جو سخت عذاب منکرین حق کے لیے تیار کیا گیا ہے' اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے۔ وہ جو دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں اور وہ اس میں کجی پیدا کرنے کے خواہش مند ہیں۔ یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔

ہم نے جس بھی رسول کو بھیجا تو اس کی قوم کی زبان دے کر ہی بھیجا' تا کہ وہ اچھی طرح سے انھیں کھول کر سمجھائے۔ پھر خدا جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اسے ہدایت کرتا ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا (اور ہم نے اسے کہا کہ) اپنی قوم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لاؤ اور انھیں تاریخِ الٰہی کے سبق آموز واقعات سنا کر نصیحت کرو۔ یقیناً اس میں تمام صبر و شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ان احسانات کو یاد کرو جو خدا کی طرف سے تم پر ہوئے ہیں۔ جب اس نے تمھیں خاندانِ فرعون سے رہائی دلائی جو تمھیں سخت عذاب پہنچاتے تھے اور وہ تمھارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمھاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔ اور جب تمھارے

پروردگار نے اعلان کیا کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں نعمات میں تمھارے لیے اضافہ کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اور موسیٰ نے کہا: اگر تم اور تمھارے ساتھ تمام اہلِ زمین مل کر بھی خدا کی ناشکری کرو تو بھی خدا بے نیاز اور لائقِ حمد ہے۔ کیا تم تک تم سے پہلی اقوام کی خبر نہیں پہنچی؟ قومِ نوحؑ، عادؑ، ثمودؑ اور ان کے بعد آنے والی بہت سی قومیں جن کی تعداد کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے گئے تو انھوں نے اپنے منہ میں ہاتھ دبا لیے اور انھوں نے کہا کہ جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں اور جس چیز کی تم دعوت دیتے ہو اس کے متعلق ہم خلجان آور شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

ان کے رسولوں نے کہا: کیا تمھیں آسمانوں اور زمین کے خالق خدا میں شک ہے۔ وہ تمھیں اپنی طرف اس لیے دعوت دے رہا ہے، تاکہ وہ تمھارے گناہ معاف کرے اور تم کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دے۔ وہ کہنے لگے کہ تم بھی تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو۔ تم ہمیں ان معبودوں سے روکنا چاہتے ہو جن کی عبادت ہمارے آباء واجداد کیا کرتے تھے، تم اس کے لیے ہمارے پاس کوئی صریح معجزہ لاؤ۔

ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم بھی تمھارے جیسے ہی انسان ہیں لیکن خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کر دیتا ہے اور ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم حکمِ خدا کے بغیر تمھارے سامنے کوئی معجزہ پیش کریں اور اہلِ ایمان کو خدا پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔

اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ رکھیں جب کہ اس نے ہی ہمیں ہماری راہیں دکھائی ہیں اور تم لوگ ہمیں جو اذیتیں دے رہے ہو ہم ان پر ضرور صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو خدا پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم ضرور تمھیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے یا یہ کہ

تم ہماری ملت میں واپس آ جاؤ۔ ان کے رب نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے' اور ان کی ہلاکت کے بعد ہم تمھیں زمین میں بسائیں گے۔ یہ انعام اُس کے لیے ہے جو میرے حضور جواب دہی کا خوف رکھتا ہو اور میری وعید سے ڈرتا ہو۔

پیغمبروں نے فیصلہ کی درخواست کی (تو فیصلہ یہ ہوا کہ) ہر سرکش عداوت رکھنے والا ہلاک ہوا۔ اور اس کے پیچھے دوزخ ہے اور اسے پیپ ملا لہو پلایا جائے گا جسے وہ زبردستی حلق سے اتارنے کی کوشش کرے گا' جسے وہ مشکل سے اتارے گا اور موت ہر طرف سے اسے گھیرے ہوئے ہوگی مگر وہ مرنے نہ پائے گا اور اس کے پیچھے سخت عذاب ہوگا۔

وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے' ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی سی ہے جسے طوفانی دن کی آندھی نے اُڑا دیا ہو۔ وہ اپنے کیے کا کچھ بھی پھل حاصل نہ کر سکیں گے۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ختم کر دے اور تمھاری جگہ نئی مخلوق کو لے آئے اور یہ خدا پر کچھ دشوار نہیں ہے۔

اور یہ لوگ سب کے سب خدا کے سامنے بے نقاب ہوں گے' تو اس وقت جو دنیا میں کمزور تھے وہ ان لوگوں سے کہیں گے' جو بڑے بنے ہوئے تھے۔ دنیا میں ہم تمھارے پیچھے چلتے رہتے تھے تو کیا تم آج ہمیں خدا کے عذاب سے کچھ بچا سکتے ہو؟

وہ کہیں گے اگر کہ اللہ نے ہمیں راہِ نجات دکھائی ہوتی تو ہم بھی ضرور تمھیں دکھا دیتے۔ اب ہم خواہ بے صبری کریں یا صبر کریں ہمارے لیے دونوں حالتیں یکساں ہیں۔ ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور جب فیصلہ کر دیا جائے گا تو اس وقت شیطان کہے گا اللہ نے تم سے جو وعدے کیے تھے وہ سچے تھے اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا ان میں سے کوئی بھی

پورا نہ ہوا۔ میری تم پر کوئی حکومت تو تھی نہیں۔ میرا قصور تو صرف یہی ہے کہ میں نے تمھیں پکارا تھا۔ تم نے میری پکار پر لبیک کہا' لہٰذا تم مجھے ملامت نہ کرو تم اپنے آپ کو ملامت کرو۔ میں تمھاری فریاد رسی نہیں کر سکتا اور نہ ہی تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ اس سے پہلے تم نے جو مجھے خدا کا شریک بنا رکھا تھا میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے تھے اور جنھوں نے نیک عمل کیے تھے انھیں ایسے باغات میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ان میں ہمیشہ رہیں گے وہاں ان کی ملاقات کا تحفہ سلام ہوگا۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی سی ہے جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہو اور شاخ آسمان میں پہنچی ہوئی ہو۔ وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے پھلا پھولا رہتا ہو اور اللہ مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اور کلمہ خبیثہ کی مثال خبیث درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اُکھاڑ پھینکا جائے اس کے لیے کوئی استحکام نہیں ہے۔ ایمان لانے والوں کو اللہ قولِ ثابت کے ذریعہ سے دنیاوی زندگی اور آخرت میں ثبات عطا کرتا ہے اور خدا ظالموں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور خدا جو چاہتا ہے سرانجام دیتا ہے۔

اور کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت کو کفرانِ نعمت سے بدل ڈالا اور جنھوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا ٹھہرایا۔ یعنی جہنم! جس میں جھلسے جائیں گے۔ وہ بدترین جائے قرار ہے اور انھوں نے اللہ کے ہمسر بنا رکھے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔ آپ کہہ دیں کہ کچھ دن مزے لوٹ لو۔ آخرکار تمھیں پلٹ کر دوزخ ہی میں جانا ہے"۔

نزولِ کتاب کا مقصد اور حضرت موسیٰؑ سے گفتگو

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۗ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۗ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝

"یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے تمھاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو پروردگار کے اذن سے انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ یعنی اس خدا کے راستہ پر لاؤ جو غالب اور لائق حمد ہے۔ وہ خدا کہ آسمانوں اور زمین کی تمام اشیاء اسی کی ملکیت ہیں اور جو سخت عذاب منکرین حق کے لیے تیار کیا گیا ہے اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے۔ وہ جو دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں اور وہ اس میں کجی پیدا کرنے کے خواہش مند ہیں یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔ ہم نے جس بھی رسول کو بھیجا تو اس قوم کی زبان دے کر ہی بھیجا تاکہ وہ انھیں اچھی طرح سے کھول کر سمجھائے۔ پھر خدا جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اسے ہدایت کرتا ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے اور انھیں تاریخ الٰہی کے سبق آموز واقعات سنا کر نصیحت کرے۔ یقیناً اس میں تمام صبر و شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں"۔

سورۂ ابراہیم کا آغاز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ! یہ کتاب جہاں نبوتِ مصطفیٰؐ کا زندہ و جاوید معجزہ ہے وہاں یہ ظلمات سے نکال کر روشنی میں لانے والی بھی ہے۔ یہ عظیم کتاب غالب و لائق خدا کے راستے کی رہنمائی کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں اپنے آپ کو "عزیز حمید" کہہ کر لوگوں کے اذہان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ جس خدا کی راہ کی دعوت دی جا رہی ہے وہ خدا ایسا غالب ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوسکتا اور وہ غنیِ مطلق ہے کسی کا محتاج نہیں ہے اور اپنی مخلوق پر فیضانِ کرم کرنے والا ہے۔ لہٰذا جب انعام کرنے والا غالب و غنی ہے تو انعام حاصل کرنے والوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس کی دعوت پر لبیک کہیں تا کہ اس کے مزید احسانات کے قابل بن جائیں اور اس کی نافرمانی سے احتراز کریں کیونکہ جہاں وہ رحمٰن و رحیم ہے وہاں وہ "شَدِيدُ الْعِقَابِ" بھی ہے اور اگر وہ چاہے تو زمین کے باسیوں کو ختم کر کے دوسری مخلوق کو بھی اس زمین پر آباد کرسکتا ہے اور اس نے ایسا کئی بار کیا بھی ہے۔ آسمانوں اور زمین کی آیاتِ "آفاق والنفس" اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ تمام نعمات کا سرچشمہ وہی ہے اور وہی لائقِ حمد ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعثتِ رسولؐ کا بنیادی مقصد یہ بیان کیا کہ آپؐ اس کتاب کے ذریعہ سے لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ قرآنِ مجید میں رسولِ خدا کی یہ ذمہ داری بیان کی گئی ہے کہ آپؐ بنی نوع انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ آپؐ کی نبوت کا دائرہ صرف آپؐ کی قوم قبیلہ تک محدود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان: ۱)

"وہ ذات صاحبِ برکت ہے، جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا کہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے بنے"۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے فرمایا:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: ۱۵۸)

"آپؐ کہہ دیں کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں"۔

آپؐ کی دعوت تمام اقوام و ملل کے لیے ہے خواہ وہ اہلِ کتاب ہوں یا اہلِ کتاب نہ ہوں، جب کہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا: اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ "آپؑ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں"۔

آیاتِ مجیدہ کا مزاج بتاتا ہے کہ سرورِ انبیاءؐ اور حضرت موسیٰؑ دونوں کا مقصدِ بعثت لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانا ہے، لیکن حضرت موسیٰؑ کا منصب ان کی قوم تک محدود تھا اور رسولِ اکرمؐ کا منصب پوری انسانیت کے لیے ہے۔

قوله تعالیٰ: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

''ہم نے جس بھی رسول کو بھیجا تو اس کی قوم کی زبان دے کر ہی بھیجا تا کہ وہ اچھی طرح انھیں کھول کر سمجھائے''۔

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جس پیغمبر کو کسی بھی علاقہ میں مبعوث کیا تو وہ اپنے مخاطبین اولین کی زبان ہی بولتا تھا۔ اگر اللہ کسی دوسری زبان بولنے والے کو نبی بنا کر بھیجتا تو لوگ کہتے کہ ہمیں تو اس کی زبان ہی سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم اس پر ایمان لائیں تو آخر کیسے لائیں؟

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ تمام انسانوں کے رسول ہیں، آپ کی دعوت تمام اقوام کے لیے ہے، اس کے باوجود اللہ نے آپؐ پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا اور آپؐ خود بھی عربی زبان ہی بولتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی دعوت کے پہلے مخاطب عرب ہی تھے۔ اگر بالفرض قرآن حکیم چینی زبان میں نازل ہوتا تو اہلِ عرب اسے سمجھ ہی نہ سکتے۔

قوله تعالیٰ: وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ

''(حضرت موسیٰؑ سے فرمایا) آپؑ انھیں تاریخ الٰہی کے سبق آموز واقعات سنا کر نصیحت کریں''۔

ویسے تو ہر دن اللہ کا ہی دن ہے، لیکن کچھ دن ایسے بھی ہیں جن میں خدا کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہوا ہے مثلاً طوفانِ نوحؑ کا دن، قومِ عادؑ وثمودؑ کی ہلاکت کے ایام، ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا گلزار ہونے کا دن، فرعون کے غرق ہونے کا دن، غرضیکہ تمام ایسے ایام جس میں قدرتِ الٰہی کے غلبہ کا اظہار ہوا ہے وہ تمام دن ایام اللہ کہلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جنابِ موسیٰؑ سے فرمایا: آپؑ لوگوں کو ''ایام اللہ'' کی یاد دہانی کرا کے انھیں نصیحت کریں اور اس کا اثر اللہ نے یہ بیان کیا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ''یقیناً اس میں تمام صبر و شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں''۔ (اضافۃ من المترجم ملخصاً عن المیزان)

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا خصوصی کرم کیا اور مجھ سے فرمایا:

''اے محمدؐ! میں نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان دے کر اس کی قوم کے لیے مبعوث کیا اور میں نے تجھے تمام احمر و اسود کے لیے مبعوث کیا''۔

علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر جو بھی

اس نے اسے حقیر قرار دیا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسے خدا نے قرآن عطا کیا ہو اور اس کے باوجود وہ یہ سمجھے کہ کسی اور کو اس سے افضل نعمت عطا ہوئی ہے تو اس نے عظیم کو معمولی سمجھا اور معمولی چیز کو عظیم سمجھا۔

لوگوں کے مال و دولت کو مت دیکھو

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

''آپ اس متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے اور ان کے حال پر اپنا دل نہ کڑھائیں اور آپ اپنے شانوں کو صاحبانِ ایمان کے لیے جھکائیں رکھیں''۔

تفسیر عیاشی میں صادقین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسولؐ خدا پر تنگدستی چھا گئی۔ آپؐ نے ایک یہودی سے کچھ رقم بطورِ قرض طلب کی۔ اس نے کہا کہ محمدؐ کے پاس نہ تو بھیڑ بکریاں ہیں اور نہ اس کے پاس اُونٹ ہیں اس کے باوجود میں اسے اُدھار دوں تو کیسے دوں؟

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا نے مجھے آسمان و زمین کا امین بنایا ہے اگر تو مجھے قرض دے گا تو میں تجھے ضرور لوٹا دوں گا۔ پھر آپؐ نے اس کے پاس کچھ ڈھالیں رہن رکھیں اور اس سے قرض حاصل کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پر یہ آیات نازل ہوئیں: لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ ......

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ ...... کی آیت نازل فرمائی تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

جسے خدا کے تسلی دینے پر بھی سکون حاصل نہ ہو تو اس کا دل دنیاوی نعمات کی حسرتوں کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور جو شخص دوسروں کی دولت کی طرف نظریں جمائے گا تو اس کے غم اور پریشانی میں اضافہ ہوگا اور اس کے غصہ کو شفا نہیں ملے گی اور جو خدا کی نعمت کو صرف خوراک اور پوشاک تک محدود سمجھتا ہو تو وہ انتہائی قلیل علم والا ہے اور اس کے لیے عذاب قریب آ چکا ہے اور جو دنیا کی وجہ سے غمگین ہوا تو وہ اللہ پر ناراض ہوا اور جس نے اپنے اُوپر آنے والی مصیبت کا

لوگوں کے پاس شکوہ کیا تو اس نے اپنے رب کی شکایت کی اور جو کسی دولت مند کے دروازے پر کچھ دولت حاصل کرنے کی غرض سے گیا تو اس کے دین کا دو تہائی حصہ چلا گیا۔

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیاوی زیب و زینت پر نظر نہیں کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کو کھل کر تبلیغ رسالت کرنے کا حکم

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾

''آپ کو جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے اسے کھل کر بیان کریں اور شرک کرنے والوں کی پرواہ نہ کریں''۔

مکہ میں اعلانِ نبوت کے بعد آنحضرتؐ خفیہ طور پر تبلیغ کرتے رہے اور تین سال تک آپؐ نے مخصوص افراد کو ہی پیغام الٰہی پہنچایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی اور اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرتؐ نے کھل کر تبلیغ اسلام شروع کر دی۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ برس تک خفیہ تبلیغ کی۔ آپؐ کھل کر نبوت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اس تمام عرصہ میں علیؑ و خدیجہؑ ہمیشہ آپؐ کے ساتھ ہوتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کھل کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا تو آپؐ نے علی الاعلان تبلیغ شروع کر دی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے تین برس تک چھپ کر تبلیغ فرمائی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نزولِ وحی کے بعد آنحضرتؐ تیرہ برس تک مکہ میں قیام پذیر رہے اور تین سال تک آپؐ نے خفیہ تبلیغ کی، یہاں تک کہ خدا نے آپ کو علانیہ تبلیغ کا حکم دیا تو آپؐ نے کھل کر تبلیغ شروع کی۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسولؐ خدا نے مکہ میں کچھ عرصہ تک خفیہ تبلیغ کی، اس دوران آپؐ جب بھی تبلیغ کرتے تو آپؐ کے ساتھ علیؑ و خدیجہؑ ضرور ہوتے۔ پھر جب اللہ نے آپؐ کو علانیہ تبلیغ کا حکم دیا تو آپؐ قبائلِ عرب کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرنے لگے۔ اور جب آپؐ لوگوں کے پاس جاتے تو لوگ

آپؐ سے بدسلوکی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اے کذاب! یہاں سے چلا جا۔

اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ایک دن میرے والد علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں آپؑ سے ایک مشکل مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپؑ مجھے یہ بتائیں کہ آپؑ کی طرف کھل کر علم کا اظہار کیوں نہیں ہو رہا' جب کہ رسولؐ خدا نے تو کھل کر اپنے علم کا اظہار کیا تھا؟

یہ سن کر میرے والد علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا: "خدا چاہتا ہے کہ اس کے علم کی اطلاع صرف اس شخص کو دی جائے جس کے دل کا ایمان کے لیے امتحان لیا جا چکا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بعثت کے ابتدائی سالوں میں اپنی دعوت کو عام نہیں کیا تھا۔ پھر جب آپؐ پر فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ کی آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے اپنی دعوت کو عام کیا۔ ہاں وہ وقت آنے والا ہے جب اس اُمت کا مہدیؑ ظہور کرے گا۔ اس کے ساتھ فرشتے ہوں گے' جن کے ہاتھوں میں آلِ داؤدؑ کی تلواریں ہوں گی اور ان کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی کہ زمین و آسمان ان سے بھر جائیں گے۔ اس وقت ملائکہ مردہ کافروں کی ارواح کو عذاب دیں گے اور ان کے زندہ بھائی بندوں کی ارواح کو بھی ان کے ساتھ شامل کریں گے"۔

جب میرے والد محترم نے یہ بات کی تو اس شخص نے نیام سے تلوار نکالی اور کہا: ان تلواروں میں یہ تلوار بھی شامل ہوگی۔ اس ذات کی قسم جس نے محمدؐ کو تمام انسانوں میں سے منتخب کیا۔ ایسا ہی ہوگا۔ پھر اس شخص نے اپنا عمامہ اپنے سر پر رکھا اور کہا: میں الیاسؑ نبی ہوں۔ میں نے ناواقفیت کی وجہ سے آپؑ سے سوال نہیں کیا۔ میں چاہتا تھا کہ آپؑ کے ساتھیوں کی ایمانی قوت میں اضافہ ہو جائے۔

نبی اکرمؐ کا مذاق اُڑانے والوں کا انجام

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيۡنٰكَ الۡمُسۡتَهۡزِءِيۡنَ ﴿۹۵﴾

"آپ کو جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے اسے کھل کر بیان کریں اور شرک کرنے والوں کی پرواہ نہ کریں۔ آپ کی طرف سے ہم استہزاء کرنے والوں کے لیے کافی ہیں"۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے' یہ آیت اعلانِ نبوت کے تین برس بعد نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوموار کے دن مبعوث ہوئے تھے اور حضرت علی علیہ السلام نے منگل کے دن اظہارِ اسلام کیا۔ ان کے بعد حضرت خدیجہ

بنت خویلد نے اظہار اسلام کیا۔ حضرت ابوطالبؑ نبی اکرمؐ کے گھر میں آئے۔ ان کے فرزند جعفر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت ابوطالبؑ نے دیکھا کہ نبی اکرمؐ اور علیؑ نماز پڑھ رہے ہیں۔ ابوطالبؑ نے جعفر سے کہا کہ تم بھی اپنے ابن عم کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ جعفر نبی اکرمؐ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔

اس کے بعد تین سال تک رسولؐ خدا کے پیچھے علیؑ، جعفر، زید بن حارثہ اور خدیجہؑ نماز پڑھتے رہے۔ تین برس گزرنے کے بعد اللہ نے آپؐ پر فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ کی آیت نازل فرمائی۔

مکہ میں پانچ افراد ایسے تھے جو آنحضرتؐ کا مذاق اُڑاتے تھے اور ان کے نام یہ ہیں: ۱- ولید بن مغیرہ ۲- عاص بن وائل ۳- اسود بن مطلب ۴- اسود بن عبدیغوث ۵- حارث بن طلاطلہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولید بن مغیرہ کے لیے بددعا کی تھی اور آپؐ نے کہا تھا: خدایا! اسے اندھا کر اور اسے اس کے بیٹے کی موت کا صدمہ پہنچا۔ چنانچہ وہ اندھا ہو گیا تھا اور اس کا بیٹا جنگِ بدر میں قتل ہوا تھا۔ اسی طرح سے آپؐ نے اسود بن یغوث اور حارث بن طلاطلہ خزاعی کے متعلق بھی بددعا کی تھی۔

جس زمانہ میں ولید اندھا نہیں ہوا تھا ایک بار وہ رسولؐ خدا کے سامنے سے گزرا۔ اس وقت حضرت جبریل امینؑ بھی آنحضرتؐ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ جبریل امینؑ نے آپؐ سے کہا: یہ ولید بن مغیرہ ہے اور یہ آپؐ کا مذاق اڑانے والوں میں شامل ہے۔

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں۔

بنی خزاعہ کا ایک شخص لوہار تھا اور وہ ولید کے لیے تیر تراش رہا تھا۔ ولید جب اس کے پاس گیا تو اس کی ایڑی تیر کی اَنی پر جا لگی اور اس کی ایڑی سے خون بہا۔ حضرت جبریلؑ نے اس کی ایڑی کی طرف اشارہ کیا۔ ولید گھر آیا اور آ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ اس کی ایڑی سے بے تحاشا خون جاری ہوا اور خون بہتا ہوا اس کی بیٹی کے بستر پر پہنچا۔ اس کی بیٹی نے کنیز کو آواز دے کر کہا: دیکھو کیا مشک کا منہ کھل گیا ہے؟

ولید نے بیٹی سے کہا: نہیں، یہ مشک کا پانی نہیں، یہ تیرے باپ کا خون ہے۔ اپنے بھائیوں، بھتیجوں کو بلاؤ میں مرنے والا ہوں۔

ولید کی بیٹی نے قریبی رشتہ داروں کو بلایا۔ ولید نے عبداللہ بن ابی ربیعہ سے کہا کہ میرا بیٹا عمارہ بن ولید حبشہ کی

سرزمین پر سرگردان ہو کر پھر رہا ہے۔ میرے مرنے کے بعد محمدؐ سے نجاشی کے نام پر سفارشی خط لکھوانا کہ وہ اسے واپس مکہ بھیج دے۔

پھر اس نے اپنے چھوٹے بیٹے ہاشم سے کہا کہ بیٹا میری چند وصیتیں ہیں ان کو غور سے سنو۔ پہلی وصیت یہ ہے کہ تم ابو ہم دوسی کو قتل کرنا' کیونکہ اُس نے اپنی بیٹی سے میری شادی کی تھی' لیکن اس نے پھر مجھ سے میری بیوی چھین لی تھی' اگر میری بیوی میرے گھر میں ہوتی تو اس سے بھی تجھ جیسا بیٹا پیدا ہوتا۔

بنی خزاعہ کے ایک شخص کی غلطی سے میں مر رہا ہوں' لیکن انھوں نے میرے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا اور مجھے خوف ہے کہ کہیں میرے بعد تم کسی آزمائش میں نہ آ جاؤ۔ اس کے باوجود میری موت کی ذمہ داری بنی خزاعہ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ میں نے بنی ثقیف سے سود لینا ہے۔ میرے بعد تم ان سے سود لے لینا اور میں اسقف نجران کا دو سو دینار کا مقروض ہوں تم وہ قرض ضرور ادا کرنا۔ اس کے بعد وہ مر گیا۔

ربیعہ بن اسود حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ اس وقت جبریل امینؑ آنحضرتؐ کے پاس موجود تھے۔ انھوں نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اندھا ہو کر مر گیا۔

اسود بن عبد یغوث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا تو جبریل امینؑ نے اس کے شکم کی طرف اشارہ کیا۔ اس کو استسقا کی بیماری لاحق ہوگئی۔ وہ جتنا بھی پانی پیتا تو اس کی پیاس نہ بجھتی تھی۔ پانی پیتے پیتے آخر کار اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ جہنم رسید ہوا۔

عاص بن وائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ حضرت جبریلؑ نے اس کے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت ایک تیز دھار لکڑی اس کے پاؤں کے تلوے میں چبھی' جو اُوپر والے حصّہ سے برآمد ہوئی۔ چنانچہ وہ بھی مر گیا۔

ابن طلاطلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا تو حضرت جبریل امینؑ نے اس کے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ "تہامہ" کے کسی پہاڑ کی طرف گیا جہاں اسے سخت لُو لگی اور اسے استسقا کی مرض لاحق ہوئی۔ آخر کار پانی پیتے پیتے اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ کا وعدہ پورا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کھل کر اعلانِ نبوت کا حکم دیا تو آپؐ حجرِ اسماعیل پر تشریف لائے اور آپؐ نے فرمایا:

"اے گروہ قریش! اے گروہ عرب! میں تمھیں اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کے اقرار کی دعوت دیتا ہوں اور میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم نے خدا کے جو ہمسر بنا رکھے ہیں اور جن بتوں کی پوجا کرتے ہو ان کو چھوڑ دو اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے میری پیروی کی تو عرب وعجم پر تمھاری حکومت ہوگی اور تم جنت میں بھی بادشاہ ہوگے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گفتگو سن کر لوگوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) محمدؐ دیوانہ ہوگیا ہے۔ پھر حضرت ابوطالبؑ کے رعب کی وجہ سے کسی کو آنحضرتؐ پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

قریش اکٹھے ہو کر حضرت ابوطالبؑ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کی خبر لیں۔ یہ ہمارے عقائد کو پاگل پن سے تعبیر کرتا ہے اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے جوانوں کو گمراہ کر رہا ہے اور ہماری جماعت میں انتشار پیدا کر رہا ہے۔ اگر اسے دولت کی ضرورت ہے تو ہم اس کے لیے اتنی دولت جمع کر دیں گے کہ پورے عرب کا دولت مند شخص بن جائے گا۔ اور اگر وہ کسی حسین وجمیل عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کی شادی کرا دیتے ہیں۔ ہم اس کا ہر مطالبہ پورا کرنے پر آمادہ ہیں، لیکن آپ اس سے کہیں کہ وہ اپنی تبلیغ سے باز آ جائے۔

حضرت ابوطالب نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میرے پیارے بھتیجے! یہ سب کچھ کیا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: چچا جان! یہ اللہ کا دین ہے، جسے اس نے اپنے انبیاء ورسل کے لیے پسند کیا ہے۔ اللہ نے مجھے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت ابوطالبؑ نے عرض کیا: جانِ عم! آپؐ کی قوم کے بزرگ میرے پاس آئے تھے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ آپؐ اس تبلیغ کو چھوڑ دیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چچا جان! میں اپنے رب کے فرمان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

حضرت ابوطالبؑ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عزم واستقلال دیکھا تو عرض کیا: اب آپ کھل کر تبلیغ کریں۔ میں قدم قدم پر آپ کا ساتھ دوں گا۔

پھر کچھ دن کے بعد قریش کا وفد حضرت ابوطالبؑ کے پاس آیا اور کہا کہ محمدؐ نے ہماری پیش کش کا مثبت جواب نہیں دیا۔ آپ ہمارے سردار ہیں، آپ اسے ہمارے حوالے کریں، ہم اسے قتل کر دیں گے اور ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنالیں گے۔

حضرت ابوطالبؑ نے انھیں سختی سے دھتکار دیا۔ اسی پس منظر میں حضرت ابوطالبؑ نے اپنا ایک طویل قصیدہ کہا تھا جس کے چند بیت یہ ہیں:

ولما رایت القوم لاود بینھم	وقد قطعوا کل العریٰ والوسائل
کذبتم وبیت اللّٰہ یبزی محمد	ولما نطاعن دونہ ونناضل
وننصرہ حتی نصرع حولہ	ونذھل عن ابنائنا والحلائل

"جب میں نے دیکھا کہ قوم میں محبت نہیں رہی اور انھوں نے ہر طرح کے رشتوں کو کاٹ دیا ہے۔
بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے کہ ہم محمدؐ کو بے سہارا چھوڑ دیں گے' ابھی تو ہم نے ان کے سامنے نہ تو تیر چلائے ہیں اور نہ ہی نیزے چلائے ہیں۔ ہم محمدؐ کی مدد کریں گے' یہاں تک کہ ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو فراموش کر دیں گے اور پروانوں کی طرح ان کے گرد کٹ مریں گے"۔

پھر قریش نے ایک معاہدہ لکھا کہ جب تک بنی ہاشم محمدؐ کو ہمارے حوالے نہ کریں گے اس وقت تک ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے گا۔

حضرت ابوطالبؑ نے بنی ہاشم کو جمع کیا اور ان سے فرمایا: تمھیں بیت اللہ' رکن مقام اور مشعر الحرام کی قسم! اگر محمدؐ کو ایک کانٹا بھی چبھ گیا تو میں تمھیں معاف نہیں کروں گا۔ اس کے بعد حضرت ابوطالبؑ اپنے خاندان کو لے کر گھاٹی میں چلے آئے' جسے شعب ابی طالب کہا جاتا ہے۔ آپ نے وہاں چار سال تک دن رات رسولِ خدا کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔

آخرکار معاہدہ کی تحریر ختم ہوگئی۔ حضرت ابوطالبؑ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر گھاٹی سے باہر آئے۔ گھاٹی سے نکلنے کے چند روز بعد آپ کا وقتِ آخر آ گیا۔ رسولِ خدا آپؑ کے پاس آئے۔ اس وقت آپؑ زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے' آپؐ نے فرمایا:

چچا جان! اللہ تعالیٰ میری طرف سے تمھیں جزائے خیر عطا کرے۔ آپؑ نے بچپن میں میری پرورش کی اور جوانی میں میری حفاظت کی۔ آپؑ اس وقت کلمہ پڑھیں' تاکہ میں خدا کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کروں۔ حضرت ابوطالبؑ نے آپؐ کے فرمان پر عمل کیا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: اگر میں مقامِ محمود پر کھڑا ہوا تو میں اپنے والد' اپنی والدہ' اپنے چچا اور زمانہ جاہلیت کے ایک بھائی کی شفاعت کروں گا۔

وضاحت: جو حضرات روایاتِ اہلِ بیتؑ سے آگاہ ہیں انھیں یہ بات حتمی طور پر معلوم ہے کہ حضرت ابوطالب مومنِ کامل تھے اور آپؑ آنحضرتؐ کی حفاظت کی غرض سے اپنے دین کو مخفی رکھتے تھے۔ یہی شیعہ امامیہ کا عقیدہ ہے۔ علامہ امینی

لے الغدیر کی جلد ہفتم میں اس موضوع کے لیے ایک باب وقف کیا ہے اور حضرت ابوطالبؑ کے اشعار و اقوال سے ان کے اسلام کو ثابت کیا ہے اور ایمان ابوطالبؑ میں شک کرنے والوں کو مفصل جواب دیا ہے۔

قمی کی روایت کے متعلق یہ احتمال ہے کہ اس سے روایت کا یہ حصہ کسی محدثین سے نقل کیا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

رسولِ اکرمؐ اور حضرت موسیٰؑ میں مشابہت

احتجاج طبرسی میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

ملکِ شام سے ایک یہودی عالم امیر المومنین علی علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے کہا: ہم حضرت موسیٰ کے پیروکار ہیں اور آپؑ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے پیروکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف روانہ کیا اور انھوں نے فرعون کے سامنے آیتِ کبریٰ پیش کی۔ کیا تمھارے نبی کو بھی یہ مقام حاصل ہوا؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تم نے بالکل سچ کہا ہے، لیکن سنو حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ اکیلے فرعون سے تھا جب کہ ہمارے نبی کو ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوالبختری، نضر بن حرث، ابی بن خلف، منبہ و نبیہ فرزندانِ حجاج اور مذاق اڑانے والے کئی فراعنہ کا مقابلہ کرنا پڑا تھا جن میں ولید بن مغیرہ مخزومی، عاص بن وائل سہمی، اسود بن عبدیغوث زہری، اسود بن مطلب اور حارث بن طلاطلہ سرفہرست تھے۔

آنحضرتؐ نے انھیں انفس و آفاق کی آیات دکھلائیں، یہاں تک کہ ان کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ کا پیغام حق پر مبنی ہے۔

یہودی نے کہا کہ اللہ نے فرعون سے انتقام لیا تھا، کیا تمھارے نبیؐ کے مخالفین سے بھی اللہ نے انتقام لیا ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، اللہ تعالیٰ نے فرعون صفات مخالفین سے بھی انتقام لیا ہے۔ اللہ نے مذاق اُڑانے والوں کے لیے فرمایا: اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ (آپ کی طرف سے ہم مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں)

اللہ تعالیٰ نے پانچوں مذاق کرنے والوں کو ایک ہی دن میں مختلف اسباب سے ہلاک کیا:

۱۔ ولید بن مغیرہ کا گزر بنی خزاعہ کے ایک لوہار کے پاس سے ہوا۔ وہ تیر تراش رہا تھا۔ اس کی اَنی اس کی ایڑی میں چبھی اور اس کی ایڑی سے اتنی مقدار میں خون بہا کہ وہ مرگیا اور مرتے وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ مجھے ربِ محمدؐ نے مارا ہے۔

۲- عاص بن وائل سہمی کسی کام کے لیے جا رہا تھا کہ اس کے نیچے سے ایک پتھر نکلا' جس سے وہ منہ کے بل گرا اور اس کا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور مرتے وقت اسی کی زبان پر بھی یہی الفاظ جاری تھے: "مجھے رب محمدؐ نے مارا ہے"۔

۳- اسود بن عبدیغوث دختر زمعہ کے استقبال کے لیے نکلا اور راستہ میں ایک درخت کے سائے میں بیٹھا۔ حضرت جبریلؑ نازل ہوئے اور انھوں نے اس کے سر کو پکڑ کر درخت سے ٹکریں دینا شروع کر دیں۔ اس نے چیخ کر اپنے غلام سے کہا کہ اسے روکو' میرے سر کو درخت سے نہ ٹکرائے۔

غلام نے کہا: یہاں تو کوئی بھی موجود نہیں ہے۔ تم خود ہی درخت سے اپنا سر ٹکرا رہے ہو۔ جبریل امینؑ نے اسے اتنی ٹکریں دیں کہ وہ مر گیا اور مرتے وقت وہ یہ کہہ رہا تھا کہ "مجھے رب محمدؐ نے قتل کیا ہے"۔

۴- اسود بن حارث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا دی تھی اور آپؐ نے بارگاہِ خداوندی میں کہا تھا: اے میرے پروردگار! اسے اندھا کر دے اور اسے اس کے بیٹے کی موت کا غم نصیب کر۔

اسی دن جبریل امینؑ نے ایک سبز پتہ اُٹھا کر اس کی آنکھوں سے لگایا' جس سے وہ فوراً اندھا ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد خدا نے اس کے بیٹے کو مار دیا۔

۵- حارث بن طلاطلہ سخت گرم ہوا میں باہر نکلا۔ اللہ نے اسے حبشی بنا دیا۔ وہ اپنے گھر آیا اور کہا کہ میں حارث ہوں۔ گھر والوں کو غصہ آیا اور انھوں نے اسے قتل کر دیا اور مرتے وقت وہ بھی یہی کہہ رہا تھا کہ مجھے رب محمدؐ نے قتل کیا ہے۔

ان کے علاوہ باقی فراعنہ کو اللہ نے جنگِ بدر میں قتل کرا دیا۔

کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ آنحضرتؐ کا مذاق اڑانے والے افراد پانچ تھے: ۱- ولید بن مغیرہ مخزومی ۲- عاص بن وائل سہمی ۳- اسود بن عبدیغوث زہری ۴- اسود بن مطلب ۵- حارث بن عطیہ ثقفی۔

تنگیِ سینہ کا علاج

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

"ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ یہ لوگ باتیں بنا رہے ہیں اس سے آپ کو سینہ میں تنگی محسوس ہوتی ہے۔ آپؐ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ گزاروں میں شامل ہو جائیں اور آپ موت

آنے تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں"۔

کفار و مشرکین کے طعنے اور ان کی اذیت بھری باتیں سن کر آنحضرت کو سینہ میں تنگی سی محسوس ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے علاج کے لیے آپ کو تین امور کا حکم دیا ہے:

۱-اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں ۲-نماز پڑھیں۔ آیت مجیدہ کے ظاہری الفاظ میں آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ سجدہ گزاروں میں شامل ہو جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ نماز کا بلند ترین رکن ہے۔ ۳-موت وارد ہونے تک خدا کی بندگی کرتے رہیں۔

"یقین" اس علم کو کہا جاتا ہے جو حجاب اٹھ جانے کے بعد حاصل ہو' کیونکہ موت سے بھی غیب کے پردے اٹھ جاتے ہیں اور عالمِ بالا کے حقائق سامنے آتے ہیں۔ اسی لیے موت کو لفظ "یقین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (اضافۃ من المترجم)

اصولِ کافی میں حفص بن غیاث سے منقول ہے کہ مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

حفص! جو صبر کرتا ہے تو اسے بھی تھوڑے عرصہ کے لیے صبر کرنا پڑتا ہے اور جو بے صبری کرتا ہے تو وہ بھی تھوڑے عرصہ تک بے صبری میں مبتلا ہوتا ہے' تمھیں اپنے تمام معاملات میں صبر سے کام لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو مبعوث فرمایا تو انھیں بھی صبر اور نرم مزاجی کا حکم دیا۔

آنحضرتؐ نے صبر کیا۔ لوگوں نے آپؐ پر بڑی بڑی تہمتیں باندھیں جس سے آپؐ کو سینہ میں تنگی محسوس ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر یہ آیات نازل فرمائیں:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ "وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ" کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ نماز گزاروں میں شامل رہیں۔

ضحاک اور ابن عباس کا بیان ہے کہ رسولِ خدا جب بھی پریشان ہوتے تو آپؐ نماز پڑھنے لگ جاتے تھے۔

○○○

ادارہ منہاج الصالحین کی چند اہم کتب

*	تلاش حق	120
*	ذکر حسینؑ	100
*	برزخ چند قدم پر	100
*	اسلامی معلومات	100
*	محمدؐ تا محمدؐ	100
*	محمدؐ تا علیؑ	100
*	سورج بادلوں کی اُوٹ میں	120
*	شہید اسلام	100
*	قیام عاشورہ	50
*	قرآن اور اہلِ بیتؑ	100
*	دینی معلومات (دوجلد)	125
*	نوجوان پوچھتے ہیں شادی کس سے کریں؟	35
*	ظالم حاکم اور صحابی امامؑ	15
*	توضیح عزا	225
*	تفسیر سورہ فاتحہ	100
*	مشعل ہدایت	100
*	اسم اعظم	125
*	سوگنامہ آلِ محمدؐ	225
	افکار شریعتی	225
*	سیرت آلِ محمدؐ	125
*	مناظرے	135
*	آسان مسائل (چار جلدیں)	240
*	تاریخ جنت البقیع	100
*	عمدۃ المجالس	100
*	حقوق زوجین	35
*	ارشادات امیر المومنینؑ	20

*	صدائے مظلوم	50
*	معجزاتِ بتولؑ	35
*	لڑکا سونا لڑکی چاندی	35
*	اسلامی پہیلیاں	35
*	فکرِ حسینؑ اور ہم	15
*	پیام عاشورہ	40
*	معصومینؑ کی کہانیاں	35
*	ارشاداتِ مصطفیٰؐ و مرتضیٰؑ	35
*	آزادئ مسلم	10
*	فقہ اہلِ بیتؑ	55
*	صحیفہ پنجتن	100
*	حرفِ اساس	100
*	حسینؑ میرا	100
*	جام غدیر	150
*	زندہ تحریریں	100
*	شاہکار رسالت	60
*	محشر خاموش	130
*	اسلام اور کائنات	200
*	غریب ربذہ	120
*	فطرت	125
*	جستجوئے حق	50
*	خطبات محسن (دو جلدیں)	250
*	صدائے محسن	125
*	افکار محسن	100
*	جام کوثر	100
*	نسیم المجالس (دو جلدیں)	250